الندوہ

جلد ۲ | ماہ محرم الحرام ۱۳۲۳ھ | نمبر ۱

مجلس ندوۃ العلما کا ماہوار علمی رسالہ

39

جس کا مقصد

علوم اسلامیہ کا احیار تطبیق معقول و منقول اور علوم قدیمہ و جدیدہ کا موازنہ ہے

مرتبہ

شمس العلما مولوی شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن خان شروانی

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
۱ - الندوہ کا نیا دور	۱	عادی	۹
۲ - مسائل فقہیہ پر ضرورتوں کا اثر	۲	۴ علم الحدیث - سید سلیمان دسنوی	۱۹
۳ - ابو موسی جابر بن حیان طرسوسی - مولوی عبداللہ صاحب		۵ - نصاب تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلمار	۳۰

مطبع مفید عام آگرہ میں باہتمام محمد قادر علی خان صوفی چھپکر

دفتر ندوۃ العلمار لکھنو سے شائع ہوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ کا نیا دور!

ندوۃ العلما کی طرف سے اس پرچہ کے نکالنے کا جب مجکو خیال آیا تو میں حیدر آباد میں ملازمت کی علوم و فنون پر مامور تھا۔ میں جانتا تھا کہ پرچہ کا معقول انتظام اُسوقت تک نہیں ہو سکتا جبتک میں خود ندوۃ العلماء کے صدر مقام یعنی لکھنؤ میں موجود نہ ہوں لیکن چونکہ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ عنقریب ملازمت چھوڑ کر ندوہ میں آجاؤنگا اسلئے میں نے ناظم ندوہ کو لکھا کہ پرچہ بلا انتظار جاری کر دیا جائے چنانچہ وہ جاری کر دیا گیا لیکن اودھر تو استعفا کی منظوری میں ایک مدت صرف ہو گئی، ادھر میں بیمار ہو گیا اور بیماری نے اسقدر طول کھینچا کہ چھ مہینے تک میں صاحب فراش رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ میں خود حسب خواہش مضامین نہ لکھ سکا اور پرچہ کے بہ نکلنے کے لئے اس درجہ کے مضامین لینے پڑے جو الندوہ کے شایانِ شان نہ تھے، اس کے ساتھ میری افسردگی کی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ میں چاہتا تھا کہ پرچہ لکھنؤ سے نکلے جو ندوہ کا صدر مقام ہے، لیکن ناظم صاحب کے اصرار سے وہ شاہجہانپور سے نکلتا رہا جسنے پرچہ کو ندوہ اور ارکان ندوہ سے اچھی طرح روشناس نہ ہونے دیا۔

ملک میں بھی اس پرچے کیطرف سے سرد مہری سی رہی جسکی وجہ یہ تھی کہ یہ ندوۃ العلما کے نام سے نکلا اور اکثر نئے تعلیم یافتہ لوگوں کو ندوہ سے ایک قسم کی رقابت کا بیجا خیال ہے۔ علماء اور قدیم تعلیم یافتہ لوگوں سے ہمدردی اور قدردانی کی امید ہو سکتی تھی لیکن اس گروہ میں اس قسم کا مذاق ہی نہیں، ابکے ساتھ الندوہ کے مضامین تنگ خیال علما کی مرضی کے موافق بھی نہ تھے۔

بہرحال اب میں ندوۃ میں آگیا ہوں، دفتر بھی شاہجہانپور سے اُٹھ آیا ہے، چھپنے کا بندوبست بھی یہیں سے ہو گا۔ ان وجوہ سے امید ہے کہ آئندہ پرچہ اچھا نکلے اور وقت پر نکلے۔

تکملہ: ہمیں تقویت اس سے ہوئی ہے کہ مولوی عبد اللہ صاحب عمادی جو عربی زبان کے مشہور رسالے البیان کے اڈیٹر ہیں
اور جنکے مضامین مصر و شام کے اخبارات میں نقل ہوتے ہیں انہوں نے الندوہ میں مضمون لکھنے کا مستحکم وعدہ
کیا ہے اور گویا وعدہ کا ایفا ابھی سے کر دیا ایک عمدہ مضمون عنایت بھی فرمایا ہے جو آپ کے پرچہ میں درج ہے،
ہم کو اس سے بھی بڑی خوشی اس بات سے پیدا ہوئی ہے کہ خود ہماری دار العلوم ندوۃ العلماء میں ایسے طلبا تیار ہو رہے ہیں جو علمی
مضمون نگاری کر سکتے ہیں بعض اوقات انگریزی کالجوں میں بھی، دار العلوم کی یہ وہ خصوصیت ہے جو دوسرے مدارس عربیہ میں ڈھونڈھے سے بھی نہیں مل
سکتی۔ اس پرچے میں تمدن حدیث پر جو مضمون ہے وہ دار العلوم ہی کے ایک ہونہار طالب العلم کا نتیجۂ فکر ہے ۔
انشاء اللہ آئندہ ہر پرچہ میں ان طلبا کے خیالات و معلومات کے نمونے نظر آئیں گے۔

مسائل فقہیہ پر زمانہ کی ضرورتوں کا اثر

ہمارے مخالفین نے سیکڑوں بار کہا ہے اور اب بھی کہتے ہیں کہ اسلام کا قانون (مسائل فقہیہ) بہت سخت ہے جسکو کسی طرح جنبش نہیں ہو سکتی، یعنی اس میں ترقی کی کوئی گنجائش نہیں اور اس وجہ سے وہ کسی طرح زمانہ کی ضرورتوں کا ساتھ نہیں دے سکتا۔

ہم اسکے متعلق اگر کچھ کہنا چاہتے ہیں تو مخالفین کہتے ہیں کہ یہ آجکل کے خیالات کا اثر ہے، ورنہ قدمائے اسلام کے نزدیک مسائل فقہیہ میں کسی اصلاح اور تغیر کی گنجائش نہیں، اس بنا پر ہم اسکے متعلق کچھ کہنا نہیں چاہتے بلکہ یہ دکھاتے ہیں کہ سلف نے خاص اس مضمون پر کیا لکھا ہے

فقہائے متاخرین میں سے علامہ شامی کو جو شہرت اور حسن قبول حاصل ہوا کم کسیکو ہوا ہوگا انہوں نے خاص اس بحث پر ایک رسالہ لکھا ہے جسکا نام نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف ہے۔ یہ رسالہ اور بہت سے رسالوں کے ساتھ سنہ ۱۳۰۱ھ میں بمقام دمشق چھاپا گیا گیا ہے۔ اس رسالہ میں علامہ موصوف نے نہایت تفصیل سے اس مسئلہ پر بحث کی ہے۔ ہم اسکے جستہ جستہ مقامات اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

اعلم ان المسائل الفقهية اما ان
تكون ثابتة بصريح نص وهي الفصل
الاول واما ان تكون ثابتة بضرب
اجتهاد ورأي وكثير منها ما يبنيه
المجتهد على ما كان في عرف زمانه
بحيث لو كان في زمان العرف
الحادث لقال بخلاف ما قاله
اولا ولهذا قالوا في شروط
الاجتهاد انه لا بد فيه من معرفة
عادات الناس فكثير من الاحكام
تختلف باختلاف الزمان لتغير
عرف اهله او لحدوث ضرورة
او فساد اهل الزمان بحيث لو بقي
الحكم على ما كان عليه اولا للزم
منه المشقة والضرر بالناس
ولخالف قواعد الشريعة المبنية
على التخفيف والتيسير ودفع الضرر
والفساد لبقاء العالم على اتم نظام
واحسن احكام ولهذا ترى مشايخ

جاننا چاہیئے کہ مسائل فقہیہ یا صریح نص سے
ثابت ہونگی۔ ان مسائل کو ہم نے پہلی فصل میں
بیان کیا ہے۔ یا اجتہاد اور رائے سے ثابت
ہونگے ان میں سے اکثر مسائل ایسے ہوتے
ہیں جنکو مجتہد نے اپنے زمانے کی رواج کے
موافق قائم کیا تھا۔ اسطرح کہ اگر وہ (یعنی مجتہد)
آج کے زمانے میں موجود ہوتا تو بنزہی قول کے
خلاف کہتا۔ اسی بنا پر اجتہاد کے شرائط میں لوگوں
سے اسکو بھی داخل کیا ہے کہ مجتہد لوگوں کے
رسم و رواج سے واقفیت رکھتا ہو کیونکہ اکثر احکام
زمانہ کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں بوجہ اسکے
کہ رواج بدل گیا۔ یا کوئی نئی ضرورت پیدا ہوگئی
یا زمانہ کے لوگ بد روش ہوگئے اس صورت میں
اگر وہ پہلا حکم باقی رہے تو اس سے لوگوں کو
تکلیف اور حرج پہنچے اور شریعت کے ان قواعد
کی مخالفت لازم آئے جن کی بنا آسانی اور
دفع ضرر پر ہے تاکہ دنیا نہایت اعلیٰ درجہ کی نظم
و نسق پر قائم رہے
اسی بنا پر تم دیکھتے ہو کہ مشائخ فقہ نے کثیر

المذهب خالفوا مانص علیہ المجتهد فی مواضع کثیرۃ بناها علی ما کان فی زمانه لعلمہم بانه لو کان فی زمنهم لقال بما قالوا به۔[۵]

موقعوں پر المجتہد کی منصوصات سے اختلاف کیا ہے جنکی بنا مجتہد کے زمانہ کے حالات کے موافق تھی کیونکہ مشائخ کو یہ معلوم ہے کہ اگر آج خود مجتہد موجود ہوتا تو وہی کہتا جو انہوں نے کہا۔

اسکے بعد مصنف نے بہت سی مثالیں دی ہیں جن میں زمانہ کی رسم و عادت کیوجہ سے احکام بدل گئے ان میں سے چند یہ ہیں۔

پہلے مجتہدین کا یہ فتوی تھا کہ قرآن مجید کی تعلیم پر معاوضہ لینا جائز نہیں، اب فقہاء نے اسکے جواز کا فتوی دیا،

امام ابوحنیفہ کا مذہب تھا کہ گواہ کا ظاہر میں ثقہ ہونا کافی ہے، امام ابو یوسف اور امام محمد نے ظاہری عدالت کو نا کافی قرار دیا کیونکہ امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں اکثر لوگ ثقہ اور عادل ہوتے تھے اسلئے ظاہری عدالت کافی تھی لیکن پھر وہ حالت نہیں رہی۔

پہلے وصی کو یتیم کے مال میں مضاربت کا حق حاصل تھا، متاخرین نے اسکو ناجائز قرار دیا۔

آنحضرت کے زمانہ میں عورتیں مسجد میں نماز کے لئے حاضر ہوتی تھیں، متاخرین نے منع کر دیا۔

مزارعت و معاملت۔ وقف میں، امام ابوحنیفہ کا قول معمول بہ نہیں ہے بلکہ امام ابو یوسف اور امام محمد کے قول پر فتوی ہے،

بیع بالوفا پہلے ناجائز تھی، پھر جائز قرار دیدی گئی۔

---

[۵] رسالہ مذکور صفحہ۔

اس قسم کی قریباً سو مثالیں مصنف نے پیش کی ہیں جن میں زمانے کے اختلاف حالت کی وجہ سے احکام فقہی بدل گئے۔

اس کے بعد مصنف نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ اب اس زمانہ میں احکام کا بدلنا جائز ہے یا نہیں چنانچہ لکھتے ہیں۔

فان قلت العرف یتغیر ویختلف باختلاف الزمان فلوطرء عرف جدید هل للمفتی فی زماننا ان یفتی علی وفقه ویخالف المنصوص وکذا هل للحاکم الان العمل بالقراین قلت مبنی هذه الرسالة علی هذه السبیلة فاعلم ان المتاخرین اللذین خالفوا المنصوص فی کتب المذهب فی المسایل السابقة لم یخالفوه الا لتغیر الزمان والعرف وعلمهم ان صاحب المذهب لو کان فی زمنهم لقال بما قالو۔

اگر تم یہ کہو کہ رواج تو زمانہ کے اختلاف سے بدلتا رہتا ہے تو اب اگر کوئی نیا رواج پیدا ہو تو ہمارے زمانے کے مفتی کو اسکے موافق فتویٰ دینا اور منصوصات کی مخالفت کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اسیطرح آجکل حاکم وقت کو قراین پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ اس رسالہ کی بنیاد یہی مسئلہ ہے انکو جاننا چاہیئے کہ متاخرین نے ان تصریحات سے جو قدیم کتابوں میں تھیں اختلاف جو کیا اسی بنا پر کیا کہ اب زمانہ اور رواج بدل گیا ہے اور اگر آج خود فقہا موجود ہوتے تو وہی کہتے جو ہم کہتے ہیں۔

علامہ موصوف نے ایک اور رسالے میں جس کا نام شرح المنظومة ہے اس مسئلہ کو ضمناً لکھا ہے اس میں لکھتے ہیں۔

وفی القنیۃ لیس للمفتی ولا للقاضی ان یحکما علی ظاھر المذھب ویترکا العرف انتھی ونقلہ منھا فی خزانۃ الروایات وھذا صریح فیما قلنا من ان المفتی لا یفتی بخلاف عرف اھل زمانہ۔

اور قنیہ میں مذکور ہے کہ مفتی اور قاضی کو یہ جائز نہیں کہ ظاہر مذہب پر حکم دے اور رواج کو چھوڑ دے۔ اور اسی کتاب سے خزانۃ الروایات میں یہ قول نقل کیا ہے، اور یہ صریح ہمارے اس قول کے موافق ہے کہ مفتی کو اپنے زمانہ کے رواج کے موافق حکم نہیں دینا چاہیے،

یہاں فوراً یہ شبہ پیدا ہوگا کہ اگر شریعت کے احکام زمانے کے اختلاف سے بدل سکتے ہیں تو اسکی حد کیا قرار پائے گی، یہ سلسلہ بڑھتے بڑھتے خود فرائض مذہبی تک پہنچ سکتا ہے، کیا زمانے کے اختلاف سے، فرائض اور ارکان بھی بدل سکتے ہیں، یہ شبہ علامہ شامی نے اپنے رسالے میں ذکر کر کے یہ جواب دیا ہے،

فنقول فی جواب ھذا الاشکال ان العرف نوعان۔ خاص وعام، وکل منھما اما ان یوافق الدلیل الشرعی والمنصوص علیہ فی کتب ظاھر الروایۃ اولا فان وافقھما فلا کلام والا ما ان یخالف الدلیل الشرعی او المنصوص علیہ فی المذھب فنذکر ذلک فی بابین

تو ہم اس اعتراض کے جواب میں کہیں گے کہ عرف کی دو قسمیں ہیں، عام وخاص۔ اور ان دونوں کی بھی دو صورتیں ہیں، یا تصریحات ظاہر الروایۃ (یعنی امام محمد کی تصانیف ستہ) کے موافق ہونگی یا نہیں، اگر موافق ہو تو کچھ پوچھنا ہی نہیں، اور اگر مخالف ہو تو ہم اسکو دو بابوں میں لکھتے ہیں، پہلا باب جب کہ رواج دلیل شرعی کے مخالف ہو، اس صورت

الباب الاول اذا خالف العرف الدليل الشرعي فان خالفه من كل وجه بان لزم منه ترك النص فلا شك في رده كتعارف الناس كثيرا من المحرمات من الربا و شرب الخمر ولبس الحرير والذهب وغير ذلك مما ورد تحريمه نصا وان لم يخالفه من كل وجه بان ورد الدليل عاما والعرف خالفه في بعض افراده او كان الدليل قياسا فان العرف معتبر ان كان عاما فان العرف العام يصلح مخصصا كما مر عن التحرير ويترك به القياس الخ

میں اگر ہر طرح سے دلیل شرعی کے مخالف ہو جس سے نص شریعت کا ترک کرنا لازم آئے تو اسکے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں، مثلاً اکثر لوگوں نے بہت سے محرمات کا معمول کر لیا ہے مثلاً شراب، سود، ریشم اور سونے کا استعمال جنکی حرمت صاف نص میں آئی ہے۔ اور اگر کلیۃً نص صریح کا مخالف نہ ہو مثلاً یہ کہ دلیل عام ہو، اور رواج ایک خاص صورت سے متعلق ہو، یا یہ کہ دلیل کوئی نص نہ ہو بلکہ قیاس ہو تو اس صورت میں رواج کا اعتبار کیا جائے بشرطیکہ رواج عام ہو، اور اس صورت میں، رواج دلیل شرعی کا مخصص واقع ہو سکیگا جیسا کہ تحریر (ایک کتاب کا نام ہے) کے حوالے گذر چکا ہے اور رواج عام کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جائیگا۔

علامہ موصوف نے اس مسئلہ کو ایک جزوی صورت میں سمجھایا ہے، وہ یہ کہ مثلاً حدیث میں وارد ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کو اس شرط پر آٹا پیسنے کو دے کہ اجرت کے بدلے تھائی آٹا اسکا ہوگا تو ناجائز ہے اس سے یہ مستنبط ہوتا ہے کہ مثلاً اگر کوئی شخص کسی جولاہے کو اس شرط پر سوت دے کہ وہ اسکا کپڑا بن دے اور اجرت کے معاوضہ میں ایک تہائی کپڑا لے لے، تو یہ معاملہ ناجائز ہوگا لیکن چونکہ بلخ میں یہ طریقہ عموماً معمول تھا، اس لئے بلخ کے فقہا نے اسکے جواز کا فتویٰ دیا اور یہ

قرار دیا کہ رواج کی بنا پر حدیث میں تخصیص کر دی جائے گی یعنی حدیث صرف آٹے کی صورت تک محدود ہوگی، علامہ کے خاص الفاظ یہ ہیں،

ومشایخ بلخ کنصیر بن یحیی ومحمد بن سلمة وغیرھما کانوا یجیزون ھذہ الاجارة فی الثیاب لتعامل اھل بلدھم والتعامل حجة یترک به القیاس ویخص به الاثر۔

اور بلخ کے اکثر مشایخ مثلاً نصیر بن یحیی و محمد بن سلمہ وغیرہ اس معاملہ کو کپڑے میں جائز قرار دیتے تھے کیونکہ ان کے شہر میں یہ عام رواج تھا اور رواج کے مقابلہ میں قیاس ترک کر دیا جاتا ہے اور حدیث میں تخصیص کر لی جاتی ہے۔

ان تصریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ فقہ اسلامی میں ترقی اور اقتضائے ضروریات کی موافقت کی قابلیت نہیں۔ آج کل معاملات کے متعلق سیکڑوں ہزاروں جزئیات جو پیدا ہو گئے ہیں ان کو اگر ناجائز یا حرام کہا جاتا ہے تو اس بنا پر کہ ان کو کسی قدیم کلیہ کے تحت میں داخل کر لیا جاتا ہے ورنہ یہ ظاہر ہے کہ یہ جزئیات اس زمانے میں موجود نہ تھے لیکن علامہ شامی نے سیکڑوں روایتوں کی اسناد سے ثابت کر دیا ہے کہ عام رواج کی بنا پر کلیات کا حکم خاص کر دیا جاتا ہے۔

ابو موسیٰ جابر بن حیّان طرسوسی

(سنہ ۱۱۵ - ۱۶۱ھ)

علم کیمیا کے تذکرے میں آجکل کے جاہل کیمیاگروں کی عبرت انگیز حالت کی تصویر کھینچتے ہوئے ایک مشہور صاحب قلم نے یہ سوال کیا ہے کہ "کیا ہمارے کیمیاگر ہمیشہ یہی اور ایسے ہی تھے یا کبھی اُن کی حالت اس سے اچھی بھی تھی؟" آگے چلکر خود ہی اسکے جواب میں ۵۸۶ھ کا ایک واقعہ لکھا ہے جسمیں صلیبیین نے شہر عکّہ کا محاصرہ کر لیا تھا اور دمشق کے ایک مسلمان کیمیاگر کی ایک عجیب وغریب اختراع کی وجہ سے جنگ میں کامیابی کا رخ مسلمانوں کی طرف ملا۔ اس واقعہ کو ابن اثیر نے بھی لکھا ہے اور تاریخ الکامل کی بارہویں جلد صفحہ ۱۸ میں کسی قدر تفصیل سے مذکور ہے۔ لیکن علم کیمیا کی اصلی تصویر تمکو دیکھنا ہے تو دوسری تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے علمی مرقع پر نظر ڈالو اور دیکھو کہ خالد ابن یزید حکمرانی کی خواہش سے دست بردار ہو کر کیمیا سازی کے کارخانے قایم کرنے کی دُھن میں ہے، امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ علوم اہل بیت کی تعلیم کے ساتھ خاص خاص شاگردوں کو اسرار کیمیا کی بھی تعلیم دے رہے ہیں ابن مہدون نے تصعید وتقطیر کے طریقے نکالے ہیں، ابو الحسن الانصاری نے گیس دخان کے فوائد دریافت کئے ہیں، ابو بکر رازی فن دواسازی کو ترقی دینے کے لئے کیمیا کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور زیت الزاج والکحل ایجاد کر رہے ہیں اور جابر بن حیان نے حرارت کے ذریعے سے خشک چیزوں کا ارتفاع دریافت کرنے، نائیٹرک ایسڈ بنانے اور تحلیل و ترکیب کے قواعد منضبط کرنے سے ہمیشہ کے لیے "موجد فن کیمیا" کا خطاب حاصل کر لیا ہے،

یہ مبارک زمانہ درحقیقت بڑی خیر و برکت کا زمانہ تھا۔ اسلام نے دلون میں ایک غیر معمولی جوش پیدا کر رکھا تھا۔ مسلمان جس چیز کی طرف توجہ کرتے تھے اُن کے پیش پا افتادہ بن جاتے تھے۔ حدود سلطنت مشرق میں چین اور مغرب میں دریاے رائن (واقع فرانس) ہو دست وبیل تھے، علم وفضل کی یہ کیفیت تھی کہ آٹھ برس کے لڑکے کو حفظ قرآن کے ساتھ تفسیر سے بھی مناسبت ہو جاتی تھی اور گیارہ برس کی عمر میں فقہ، حدیث، کلام، ادب، نحو اور بلاغت وغیرہ علوم کی تکمیل ہو جاتی تھی[1]۔ اس زمانہ مین ممکن نہ تھا کہ مسلمان علم کیمیا کی طرف توجہ نہ کرتے اُنھون نے توجہ کی اور ایسی توجہ کی کہ صاحب فن مشہور ہوئے۔ لاطینی زبان میں جو اُن دنون یورپ کی علمی زبان تھی، اُن کی اکثر کتابین ترجمہ ہوئین اور اب بھی پوپ آف روم کے کتب خانہ مین موجود ہین۔ مگر اس نمبر مین ہم صرف جابر بن حیان کی مختصر لائف لکھتے ہین اس لئے اس سبجکٹ کے متعلق تفصیلی بحث کو ہم آیندہ نمبرون کے لئے اُٹھا رکھتے ہین

جابر کے ابتدائی واقعات

جابر کے متعلق ہماری واقفیت بالکل محدود ہے۔ اُنکی وفات پر قریباً ۱۱۶۲ برس گذرے لیکن اس طویل مدت مین کسی اسلامی مورخ نے اُن کی بیوگرافی کی طرف توجہ نہیں کی اور اگر کی بھی تو اس وقت دنیا مین وہ خزانہ نایاب ہے۔ اہل یورپ، جابر کو "جیبر" کہتے ہین اور فن کیمیا کا موجد تسلیم کرتے ہین۔ سال گذشتہ پیرس کے کیمیکل سوسائٹی مین جابر کے خیالات اور رایون کے متعلق کافی بحث ہوئی، مگر افسوس ہے کہ ایسے نامور ہیرو کے کارنامون سے اسلامی دنیا کو کچھ خبر نہین۔ کشف الظنون وغیرہ مین جستہ جستہ کچھ باتین ملتی ہین وہ بھی ابتر اور ناتمام۔ سنہ ولادت تک صحیح طور سے مذکور نہین، لیکن واقعات سے دریافت ہوتا ہے کہ ہشام بن عبدالملک کے زمانہ مین جب کہ ترکون کی جنگ مین اسلامی لشکر نے سپہ سالار عمرو بن سعید حرشی کے ماتحت فغفور چین کے بیٹے کو شکست دی ہے

[1] کتاب الامامہ والسیاسۃ جلد ۲ صفحہ ۱۳۱

جابر کی ولادت ہوئی اور جس سال ولید بن یزید کو مسند خلافت ملی ہے، اُس وقت جابر کی عمر دس برس کی تھی اور مذہب اپنے مختصر تعلیم سے فراغت ہو چکی تھی۔ اس حساب سے جابر کا سنہ ولادت ۱۱۵ھ اور سال تکمیل ۱۲۵ھ ہوگا۔

زاد بوم میں بھی اختلاف ہے، کوفہ، دمشق اور الجزیرہ، بجائے خود اس شرف کی نسبت کا سزاوار ہے لیکن مشہور یہ ہے کہ طرسوس میں پیدائش ہوئی اور دمشق کی ابتدائی اقامت کے بعد پھر کوفہ میں بود و باش اختیار کی۔

علمی زندگی۔ جابر کی علمی زندگی کا پہلا مرحلہ یہ تھا کہ شاہزادہ خالد بن یزید کے دربار تک رسائی ہو گئی اور چند ہی روز میں اپنی ذہانت و نکتہ سنجی سے اچھا خاصہ رسوخ پیدا کر لیا۔ اُن دنوں فلسفہ و حکمت کی کتابیں نئی نئی عربی میں منتقل ہو رہی تھیں اور خالد کے حکیمانہ مذاق نے یونان، اشور اور مصر کے حکماء کا دربار دمشق میں مجمع لگا رکھا تھا۔ جابر کی ترقی استعداد کے لئے اس سے اچھا کوئی موقع نہ تھا، اُس نے اس علمی صحبت کی دلچسپیوں سے علمی فوائد حاصل کرنے میں کوئی کمی نہیں کی اور اُس وقت کے اکثر علوم میں مہارت بہم پہنچائی۔

اُن دنوں مصریوں اور کلدانیوں کے اختلاط نے اہل عرب کو بھی سونا چاندی بنانے کا مشتاق کر رکھا تھا۔ شاہزادہ خالد کو اس میں بڑا اہتمام تھا اور انھیں سے جابر کو بھی اس کی خواہش ہوئی اور ناقص فلزات کو چاندی سونے میں منتقل کرنے کے عالمانہ انہماک کا یہ نتیجہ ہوا کہ اجزا کی تحلیل و ترکیب کے ایسے ایسے قواعد مرتب کئے جو یورپ کی جدید کیمسٹری کے اصول اولین سمجھے جاتے ہیں۔ اس فن میں جابر کو امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے بہت بڑی مدد ملی اور اُن کی کیمیاوی تعلیمات کی ایک املا بھی اُس نے طیار کی جو وہ رسائل جعفر صادق کے نام سے مشہور ہے۔

طرزِ تحریر۔ لیکن ان رسائل میں تحریر کی روش ایسی اختیار کی ہے جس سے طریق بیان بالکل دشوار گزار ہو گیا ہے۔ فلزات ومعادن کے لئے اصطلاحیں ایسی قرار دی ہیں کہ مشکل سمجھ میں آ سکتی ہیں۔ عبارت ایک طرح سے چیستان اور معمیات سے مشابہ ہے لیکن فرق یہ ہے کہ معمیات سے کوئی مطلب نکل ہی آتا ہے مگر اس سے کوئی مطلب نکلتا بھی ہے تو تاویل طلب ہوتا ہے۔

نثر۔ مثال کے طور پر جابر کی تحریر کا ایک بہت ہی صاف اور واضح نمونہ کتاب "مختصر الاکسیر الکامل" سے جس کا ترجمہ لاطینی، فرانسیسی، جرمنی وغیرہ یورپ کی مختلف زبانوں میں ہو چکا ہے، پیش کرتے ہیں۔ اسمیں سونا، تانبا اور رانگ کی اجزائی ترکیبی سے بحث کرتے ہوئے حسب ذیل رائے ظاہر کی ہے:

"الشمس[1] تتالف من الزیبق اللطیف ومن قلیل من الکبریت الصافی الواضح الذی له احمرار فاتح. وحیث لم یکن لهذا الکبریت لون واحد بل کان بعضه اعمق من بعض نشاء عن ذالك ان بعض الشمس افقم من بعضة الآخر..... فاذا کان الکبریت غیر صاف غلیظا احمرا غبرا وکان اکثره ثابتا واقله غیر ثابت وکان ممزوجا بزیبق غلیظ غیر صاف بکیفیة یکون معها الواحد لا اقل ولا اکثر من الآخر تتشکل من هذا المزیج الزهرة............ واذا کان للکبریت ثبات قلیل وبیاض غیر ناصع وکان الزیبق غیر صاف وبعضه ثابت وبعضه لم یکن له الابیاض غیر کامل تتشکل من هذا المزیج المشتری......"

نظم۔ جابر کو تصوف سے بھی دلچسپی تھی اور کیمیا سے بھی۔ ایسے شخص کو طبع

---

[1] کیمیاگروں کی اصطلاح میں چاندی کو آفتاب کہتے ہیں۔

خشک مزاج اور زاہد خشک ہونا چاہئیے تھا۔ لیکن جابر مین یہ باتین نہ تھین۔ وہ صوفی بھی تھا اور کھلاڑ ولا ظریف بھی، کیمیاگر بھی تھا اور بذلہ سنج شاعر بھی۔ عرب کے عام مذاق سخن نے اُسکو بھی زندہ دل بنا رکھا تھا اور مختلف اوقات مین وہ اپنے جذبات کا نہایت آزادی سے اظہار کرتا تھا۔ ایک موقع پر جب اُس کے اعزہ نے ترکہ تقسیم کرکے اُس کا حصہ بھی اس خوف سے کہ مہمانداری کے فیاضانہ مصارف مین جملہ تلف ہوجائیگا، اپنی زیر نگرانی رکھا تھا، ایک قصیدہ مین اپنے خیالات ظاہر کیے تھے جس کے چند اشعار ہدیہ ناظرین ہین۔

فان[٥١] یقتسم مالی بنی واخوتی — فلن یقسموا خلقی الکریم ولا فعلی

واھین[٥٢] لھم مالی واعلم انّنی — سأورثہ الاحیاء سیرۃ من قبلی

وما[٥٣] وجد الاضیاف فیما ینوبھم — لھم عند علات الزمان ابا مثلی

مولفات۔ جابر کی تالیف سے ۵۰۰ کتابین بتائی جاتی ہین، جن مین اکثر تلف ہوگئین اور اب صرف نام باقی رہ گیا ہے۔ علامہ ابن الندیم بغدادی نے کتاب الفہرست مین ان کتابون کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ لیکن دراصل یہ کتابین چھوٹے چھوٹے رسالے ہین جنکی مجموعی ضخامت قاضی القضاۃ ابن خلکان کی راے مین بڑی تقطیع کے دو ہزار صفحون سے متجاوز نہین۔ مصر کے کتبخانہ خدیویہ مین جابر کی تین قلمی کتابین "کشف الاسرار و ہتک الاستار"، اور "اخراج ما فی القوۃ الی الفعل"، اور "الصنعۃ الالٰہیۃ والحکمۃ الفلسفیہ" موجود ہین اور سیرین یونیورسٹی (فرانس) مین "مختصر الاکسیر الکامل" کا ایک نسخہ بھی ہے۔ اس کے علاوہ لیڈن، پیرس، اڈنبرا اور لندن

٥١ میرا مال اگر میرے بیٹے اور بھائی بانٹ لیتے ہین تو میری عمدہ عادات وافعال کو نہین بانٹ سکتے ٥٢ مین انہین اپنا مال دیے دیتا ہون اور مین جانتا ہون کہ عنقریب زندہ رشتہ دارون کو انکا وارث مین کرونگا جیسا کہ مجھے پہلے عزیزون نے اپنا وارث چھوڑا ٥٣ مہمان پیش آنے والے امور مین مجھ سا باپ مصائب زمانہ کے وقت نہ پائین گے۔

کے کتب خانون مین بھی جابر کی مختلف تالیفات موجود ہین جن کا نام مجھے معلوم نہین -
لاطینی زبان مین ان کتابون کے ترجمے بھی ہوئے اور فاتیکان (رومیگن) لیڈن اور اکسفورڈ
مین اب بھی محفوظ ہین، لیکن افسوس ہے کہ حیدرآباد، رامپور اور پٹنہ کے کتبخانون مین
ان کا کوئی نسخہ نہین -

جابر کی رائین - جابر کی رائے مین معدنیات عناصر متشابہ سے مرکب ہین سولھوین
صدی عیسوی تک یورپ بھی اسی مذہب پر دار رہا لیکن آخر مین لافوازیہ وغیرہ کی تحقیقات
نے مسالہ کی صورت بدل دی، پھر بھی غور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آجکل علما
کیمیا کی جو رائے ہے وہ بھی اسی سے ملتی جلتی ہے کیونکہ یورپ مین سالگذشتہ کے
مباحث سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ عناصر جن سے مواد تکوین کی ترکیب ہوتی ہے اور
جنھین ہم بسیط سمجھتے ہین وہ خود بھی ایک عنصر سے مرکب ہین اور اُن کے خواص ظاہری
کے اختلافات، درجات ترکیب کے تفاوت اور وضع جواہر کی کیفیت کے نتائج ہین، یعنی
مواد تکوین کا مرجع فقط ایک عنصر ہے - ان باہمی ترکیب کے اختلاف سے عناصر بسیط کی
تکوین ہوئی اور انھین عناصر کی ترکیب سے اجسام بنے جن سے زمین اور تمام اجرام فلکی
وغیرہ مرکب ہین -

عناصر اربعہ، جابر کے پہلے دریافت ہو چکے تھے جابر کو خود ان مین تجزیہ کا اعتراف ہے
مگر تجزیہ تحلیلی نہ تقویمی[۱] - یعنی مانتے ہین کہ عناصر مرکب ہین لیکن جن اجزا سے مرکب ہین اُن سے

[۱] اجزا دو طرح کے ہوتے ہین ایک تقویمی دوسری تحلیلی - اجزائے تقویمی وہ ہین جن سے ذات کا قوام ہو - جیسے
جسم کے لئے مادہ صورت - یا انسان کے لئے حیوان اور ناطق ہونا - اجزائے تحلیلی وہ ہین جو ہیات کل کے معدوم
ہونے پر حاصل ہوتے ہون - جیسے ایک خط کے چار ٹکڑے کہ ان مین ہر ٹکڑا جزو تحلیلی ہے -

ذوات کا قوام نہیں جابر کے نزدیک :-

(۱) جتنے مادیات ہیں وہ یا تو بسیط ہیں اور یا مرکب ہیں۔

(۲) ہر مرکب کی انتہا کسی بسیط پر ہونی چاہیے ورنہ تسلسل لازم آئیگا۔

(۳) جتنے مادیات ہیں سب کا قوام عناصر سے ہے۔

(۴) عناصر حقائق میں باہم ایک دوسرے سے متخالف ہیں۔

(۵) مجموعہ اجزائی حقیقت بعینہٖ کل کی حقیقت ہے، جیسے مجموعہ حیوان ناطق بعینہٖ انسان ہے۔

مثلاً ہوا ایک عنصر ہے۔ ضرور ہے کہ یہ عنصر مرکب ہوگا یا بسیط۔ اگر مرکب ہوا تو اس کے اجزا یا تو ہوائی ہونگے اور یا کسی اور عنصر کے ہونگے۔ اگر کسی اور عنصر کے ہوئے تو اس عنصر کے سب اجزا کو چاہیے کہ ہوائی ہوں (د) حال آن کہ دونوں کی حقیقتوں میں باہم تخالف ہے۔ (۴) اور اگر وہ اجزا بھی ہوائی ہیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مرکب ہیں یا بسیط؟ مرکب جیسا کہ ہم ثابت کر چکے ہیں نہیں ہو سکتے۔ نہ بالذات نہ بالغیر۔ لامحالہ بسیط ہونگے۔

یہ تو جابر کا مذہب تھا۔ لیکن موجودہ تحقیقات نے گو اس کی صورت بدل دی ہے پھر بھی نفس الامر سے انکار نہیں ہو سکتا۔ علمائے یورپ کی رائے میں جسم دو قسم کے ہیں۔ ایک ذی روح ایک غیر ذی روح۔ اجسام ذی روح کو "ذوات الاعضا" یا "ذوات الآلات" کہتے ہیں:- جیسے نباتات حیوانات یا وہ اجسام کہ ان دونوں سے نکلتے ہیں۔ مثلاً نشاستہ جو دانوں سے بنتا ہے، شکر جو گنے سے بنتی ہے اور البومین جو مرغی کے انڈے سے نکلتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ اجسام غیر ذی روح کو "اجسام عنصریہ" یا "اجسام آلیہ" کہتے ہیں۔ یہ سب اجسام تقریباً چار بسیط جسموں سے مرکب ہیں۔

(۱) کوئلا (کاربن)

(۲) ہیڈروجن جس سے پانی کی تولید ہوتی ہے۔

(۳) آکسیجن جس سے گیس کی تولید ہوتی ہے، اور احتراق پیدا ہوتا ہے۔

(۴) آزوت - جو ہوا کا اساسی عنصر ہے۔

ان عناصر اربعہ کو "عناصر عضویہ" کہتے ہیں - کیوں کہ اجسام عضویہ و اجسام ذوات الاعضا کی ان سے تکوین ہوتی ہے - ہرچند کہ ان عناصر میں ہی تحلیل کے بعد بعض اجزا مثلاً گندھک اور فاسفورس وغیرہ دریافت ہوئے ہیں، لیکن اجزائے تحلیل کا اجزار کنا ہی مسامحہ ہے، کیونکہ ان سے ذوات کا قوام ہوتا ہے اور نہ ترکیب میں مدد ملتی ہے۔

علمائے یورپ کی یہی رائے ہے کہ معدنیات میں قریب قریب ۸۰ بسیط جسم پائے جاتے ہیں - مثلاً - سونا، چاندی، پلاٹین (امکین سلور) لوہا، تانبا، پارہ، توتیا، گندھک، فاسفورس سوڈا، اور پوٹاس وغیرہ وغیرہ - لہٰذا عناصر عضویہ سے ہوا کی (جو کرۂ زمین و کرۂ آب کو محیط ہے) اور تمام اجسام ذی روح کی اور ان اجسام کی جو ذی روح جسموں سے بنتے ہیں، تکوین ہوتی ہے، باقی عناصر بسیط جن کی تعداد (۷۰) (۸۰) کے قریب ہے ان سے طبقات الارض کی تکوین ہوتی ہے - پس جابر اور لاؤ ازیہ کی رایوں میں بہت کم اختلاف ہے - بلکہ دونوں کی رائیں گویا ایک ہیں - کیونکہ عنصر خاک کاربن کے عنصر کے مشابہ ہے اور عنصر آب، ہیڈروجن کا دوسرا نام ہے جس سے پانی کی تولید ہوتی ہے - ہوا اور آزوت جو ہوا کا اصلی و اساسی عنصر ہے گویا ایک ہیں اور آگ میں اور آکسیجن میں جس سے احتراق کی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور گیس کی تولید ہوتی ہے کوئی ظاہری فرق نہیں۔

جابر کے اعمال - جابر کے مختلف کاموں اور کیمیاوی ایجادوں میں ایک یہ ہے

کہ اس نے چاندی اور سونے کا پانی نکالا۔ جدید فن کیمسٹری میں یہ دونوں کام نہایت اہم ہیں اور اگر اس کا طریقہ معلوم نہ ہوتا تو یورپ میں کیمسٹری کی بنیاد ہی نہ پڑتی۔ گیس کی خاصیت بھی ابتداً جابر ہی نے دریافت کی اور پوٹاس، امونیا، جوہر، سلیمانی اور راسب احمر وغیرہ بھی جابر ہی نے بنائے اور معلوم کئے۔ تصعید، تقطیر، ترشیح، تبلور اور تذویب وغیرہ کے طریقے بھی جابر ہی کی ایجاد ہیں۔

جابر سے قبل سرکہ سے تیزاب کا کام لیتے تھے، موجودہ تیزاب کا موجد بھی جابر ہے، سب سے پہلے اسی نے دریافت کیا کہ اگر سیسہ، تانبا، یا لوہے کے ایک ٹکڑے کو کسی کھلے ہوئے برتن میں گرم کیا جائے تو گرم ہونے کے بعد اس کا وزن بڑھ جائیگا۔

گیس کے متعلق اس نے معلوم کیا کہ پانی کو اگر جوش دیا جائے تو بھاپ اس سے اوپر کو اٹھتی ہے اسے علیحدہ ایک برتن میں جمع کر سکتے ہیں۔ یہی بھاپ یا گیس اعمال کیمیا کی جان ہے اور اسی لئے جابر نے اسے جا بجا "روح" کے نام سے لکھا ہے۔

بارود کی ایجاد بھی جابر ہی سے منسوب ہے۔ اس نے گندھک، کوئلہ، اور شورے کے سفوف بنانے کی ترکیب اپنی کتابوں میں لکھکر دنیا کو ہمیشہ کے لئے بارود کا نسخہ بتا دیا۔ شراب سے الکحل (الکُھال) بنانے کا طریقہ بھی اسی نے نکالا اور اسپرٹ بھی اسی کی ایجاد ہے۔

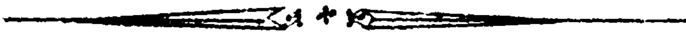
جابر ہی نے پہلے پہل دریافت کیا تھا کہ اگر کافور کو کسی بوتل میں رکھکر آگ لگا دیں اور حرارت پہنچائیں تو کافور غائب ہو جائیگا اور بہت جلد سیال ہو جانے کی وجہ سے گیس کی صورت میں آ جائیگا۔ یہ طریقہ جس سے ٹھوس یا منجمد چیزوں کی گیس بن سکتی ہے، جابر ہی کی ایجاد ہے۔ ارباب فن کی اصطلاح میں اس کو "تصعید" کہتے ہیں لیکن جابر نے اپنی کتابوں میں اس کا نام

"ارتفاع اشیائے منجمدہ بذریعۂ حرارت" لکھا ہے، اُس نے حرارت پونہچاکر شنجرف کی بھی گیس نکالی اور علیحدہ جمع کر کے اُس کا خشک بارہ بنالیا۔ وغیرہ وغیرہ۔

وفات ۔ جابر کا سال وفات تصریحاً مذکور نہیں، مگر اتنا پتا چلتا ہے کہ خلیفۂ مہدی عباسی کو تخت نشین ہوئے دو برس کئی مہینے ہوئے تھے جب اُس نے انتقال کیا۔ مہدی کا سنہ جلوس ذی حجہ ۱۵۹؁ھ ہے لہذا جابر کا سالِ وفات ۱۶۱؁ھ ہوگا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم و احکم۔

خادم قوم
عبداللہ عمادی



علم الحدیث

علم الحدیث اس علم کا نام ہے جس میں آں حضرت کے اقوال و افعال اور حالات اور آئمہ اصحاب اور اُن افعال سے بحث کیجاتی ہے جو رسالت مآب کے سامنے ادا کئے گئے ہوں اور آپ نے اُن سے نہ روکا ہو،

پھر علم الحدیث کی دو شاخیں ہیں علم روایۃ الحدیث، اور علم درایۃ الحدیث پہلے علم میں رُواۃ کے عدل و ضبط و ثقاہت اور سلسلہ روایت سے بحث کی جاتی ہے، اور دوسرے میں معانی پر نظر کی جاتی ہے، کہ اس سے قدسی مآب کی کیا مراد تھی؟ اور آیا یہ احادیث شان رسالت کے مناسب ہیں یا نہیں، انکو کسی دوسری حدیث سے تعارض تو نہیں انکا کوئی ناسخ تو نہیں؟ یہ حکم کسی خاص استثنائے وقت کی وجہ سے تو نہ تھا، پہلی قسم اب مسائل حدیث کے نام سے موسوم ہے،

جب تک رسالت مآب زندہ رہے لوگوں کو علم حدیث کی طرف توجہ نہ ہوئی، صحابہ کو اب تک یہ خیال نہ تھا کہ ان احادیث سے کام لینا ہے، مگر پھر بھی ان کے ایک گروہ نے مشاغل دنیا سے عزلت گزیں ہو کر اپنے ذمہ صرف یہ کام لیا تھا کہ رسول خدا کے اقوال و افعال کی نگہداشت کرے کوئی مجلس ایسی نہوتی جہاں نبی خدا کے ساتھ ساتھ یہ گروہ استماع حدیث کو نہ جاتا، یہ علم دوست گروہ اصحاب صفہ کے نام سے مشہور ہے جن میں سے سب سے زیادہ کثیر الروایۃ صحابی ابوہریرہ المتوفی ۵۸ھ ہیں، کتب احادیث کے اوراق زیادہ انہیں کی حدیثوں سے فیضیاب ہیں، حضرت ابوہریرہ نے کتنوں سے روایت حدیث کی ہے؟ یہ پتہ لگانا تو مشکل ہے، مگر خود ان سے آٹھ سو لوگوں نے روایت کی ہے گو کہ عموما کہا جاتا ہے کہ ابوہریرہ فقیہ نہ تھے مگر حافظہ اس غضب کا پایا تھا جس کی امام شافعی المتوفی سنہ جیسے بڑے امام تعریف کرتے ہیں،

مگر جب آن حضرت کا وصال ہوا اور وہ مقدس فیضرسان ذات نہ رہی جو قول و فعل سے لوگوں کو ہدایت کرتی تھی تو مسلمانوں نے روایت حدیث کی طرف خاص توجہ مبذول کی یہانتک کہ اصحاب میں وہ بڑا عالم شمار کیا جاتا تھا جو سب سے زیادہ اعلم بالحدیث ہوتا مسلمانوں کا یہ ذوق علمی روز بروز بڑھتا جاتا تھا، تابعین کے زمانہ میں اعلم بالحدیث صحابہ خاص قدر کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، جب کوئی ایسا بزرگ عالم کہیں پہونچ جاتا تو تابعین اور شائقین علم کا اوسکے گرد اژدحام ہوجاتا اور سب کا دل یہ چاہتا کہ کسی طرح اسکی ساری حدیثیں مجھے آجائیں علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ابوالدرداء صحابی کے حالات میں لکھتے ہیں۔

رایت ابا الدرداء دخل المسجد و معہ من الاتباع مثل ما یکون مع السلطان وھم یسئلون عن العلم	میں نے ابو درداء کو دیکھا کہ وہ مسجد میں داخل ہوئے اور انکے ساتھ ایک گروہ تھا جیسے سلاطین کے جلوس میں ہوتا ہے اور وہ ابو درداء سے علمی مسائل (حدیث) پوچھ رہے تھے۔

یوں تو اس زمانہ کا چھوٹا سے چھوٹا صحابی اعلم بالحدیث تھا مگر خلفاء راشدین عبداللہ ابن مسعود عبداللہ ابن زبیر عبداللہ ابن عمر۔ انس ابن مالک۔ حضرت عائشہ۔ ابوہریرہ۔ ابو موسیٰ اشعری۔ زید ابن ثابت۔ عبداللہ ابن عباس۔ ابی ابن کعب۔ ام الدرداء معاذ ابن جبل اسماء بنت ابی بکر ام ہانی۔ عبدالرحمن ابن ابی بکر علم الحدیث میں خاص ممتاز تھے۔

خلفاء راشدین سے البتہ بہت کم حدیثیں مروی ہیں حضرت ابوبکر جیسے صحبت رکھنے والے سے صرف ایکسو چوبیس حدیثیں مروی ہیں۔ خلفاء اربعہ میں سے حضرت علی سب سے زیادہ کثیر الروایت ہیں۔ اوسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابوبکر کے ذمے وصال رسول اکرم کے بعد ہی ایسا عظیم کام دیا گیا جس کے شغل سے روایت حدیث کا موقع کم ملتا تھا۔

حضرت عمر کو ایام خلافت ابو بکر میں بھی فرصت کم رہتی تھی اور بعد خلافت اولی تو اور بھی ایسی اہم ذمہ داری میں پڑ گئے جس نے روایت حدیث کی فرصت نہ دی۔ حضرت عثمان کی قلت روایت کا بھی یہی راز ہے۔

حضرت علی کو زیادہ موقع ملا اور انھوں نے خلفائے ثلثہ سے زیادہ اس کام کو انجام دیا۔ مگر آپکے سر بھی آخر کار خلافت کا بار آیا اور آپ اسمیں مشغول ہو گئے اسلئے آپ سے زیادہ ابو ہریرہ ابو الدرداء حضرت عائشہ جیسے فارغ البال لوگوں نے علم الحدیث کی ترویج دی۔

حضرت عمر جب تک زندہ رہے روایت حدیث میں زیادہ سختی کرتے تھے یعنی خبر احاد کے ماننے میں وہ زیادہ احتیاط سے کام لیتے تھے ایک مسئلہ میں جب ایک عورت نے حضرت عمر کے سامنے ایک حدیث روایت کی تو فرمایا "لا نترك بقول امرأة كلام الله لا ندری صدقت ام كذبت نسيت ام حفظت" چند بار ایسا واقعہ پیش آیا کہ حدیث احاد کے راویوں کو آپ نے دہمکی دی کہ اس حدیث کا جاننے والا اگر دوسرا نہ ہوا تو سزا دوں گا۔

فقیہ صحابہ کے علاوہ کسی اور کو روایت حدیث کی اجازت نہ تھی۔ بعد خلافت حضرت عمر کسی نے ابو ہریرہ سے پوچھا کہ اگر ایسی بے دھڑک روایت حضرت عمر کے زمانہ میں کرتے تو تمہارا کیا حال ہوتا؟ بولے "بڑی سزا دی جاتی" اس روک تھام کا یہ اثر تھا کہ خلافت ثانیہ تک موضوع حدیثیں شائع نہ ہو سکیں۔

لیکن اب وقت یہ آن پڑی کہ صحابہ کی حدیثیں کبھی کبھی متعارض آن پڑتی تھیں اسلئے ثقہ، عادل رواۃ کی دو ٹکڑیاں کر دی گئیں۔ ایک فقیہ جیسے حضرت علی، عبادلہ ثلثہ، حضرت عائشہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، عمرو بن العاص وغیرہم دوسرے غیر فقیہ جیسے انس بن مالک ابو ہریرہ پہلے گروہ کی احادیث کو دوسرے کی روایت پر بحالت تعارض ترجیح دی جاتی تھی جس

حدیث کے سلسلۂ روایت میں کوئی مجہول الحال راوی ہوتا، یا سلسلۂ روایت ٹھیک رسول اکرمؐ تک نہ ملا دیتا، اسکی حدیث اور وہ خود ضعیف سمجھا جاتا، اور ضعیف و صحیح کے درمیان میں بحیثیت درجۂ صحت و مرتبۂ ضعف بہت سے مراتب قایم کئے گئے اور ہر ایک درجہ کے متعلق احکام نکالے گئے،

صحابہ کے زمانہ میں قرب مدینہ کی وجہ سے حجاز، عراق و شام وجزیرہ وغیرہ سے کثرت اشاعت حدیث اور ضبط وصحت سند میں بہت زیادہ سر بر آوردہ تھا، مگر جب فتن و فساد کے دروازے کھلے صحابہ و تابعین ادہر ادہر ملکوں میں منتشر ہوگئے، تو نیشاپور بغداد رَے، جرجان، کوفہ، بصرہ، دمشق، کی سرزمینیں علم الحدیث کا مرکز بن گئیں، مگر ان سب میں سے نیشاپور کی آب و ہوا حدیث کے لئے بہت راس آئیں، اگر اوراق سیر الٹو تو پاؤ گے کہ علم حدیث کی تدوین و ضبط اور روائت و درائت کرنے والے نصف سے زائد اسی خاک پاک نیشاپور کے پرورش پائے ہوئے تھے، اور یوں تو وہ عام مذہبی علوم کا دار السلطنت ہی تھا، اسکے بعد اندلس کو علم حدیث کے تعلق کا فخر حاصل ہے،

حجازی لوگوں میں سب سے زیادہ اعلم بالحدیث امام مالک تھے، ان کے بعد ابو ادریس شافعی اور امام احمد بن حنبل کا مرتبہ تھا،

علامہ ذہبی نے صحابہ سے لیکر ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ تک محدثین کے ۱۲ دور قرار دئے ہیں اسوقت ہمیں دوسرے دور سے نویں دور تک غرض ہے کیونکہ اسی دور میں علم الحدیث کی تدوین و تہذیب، اور اسکے متعلق جو انقلابات ہونے والے تھے پیدا ہوئے، انہیں دوروں میں امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت المولود ۸۰ھ المتوفی ۱۵۰ھ اور ابن جریج المولود ۸۰ھ المتوفی ۱۵۰ھ اور شعبہ المتوفی ۱۶۰ھ اور حماد المتوفی ۱۶۷ھ اور مالک ابن انس المتوفی ۱۷۹ھ

حجاز و نیشاپور

تدوین و تہذیب علم الحدیث کے زمانہ کے محدثین

اور نافع بن عمر المتوفی ۱۶۹ھ وغیرہم پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی زندگیاں علم حدیث کے تصحیح وتدوین اور تعلیم میں صرف کردیں، تیسری صدی کے اختتام میں یا اٹھویں دور میں مسلمانوں کا ذوق حدیث انتہائے ترقی اور منتہائے کمال کو پہونچ گیا تھا، ایک ایک مجلس میں آثار نبویہ اور احادیث مصطفویہ لکھنے کے لئے ہزار ہزار دواتیں ہوتی تھیں، اور تلامذہ کو چھوڑ کر دو دو سو شیوخ ایک ایک مجلس میں موجود ہوتے تھے،

اب نواں دور شروع ہوا جس میں عبد اللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری المتوفی ۲۵۶ھ اور حجۃ الاسلام مسلم بن الحجاج النیسابوری المتوفی ۲۶۱ھ اور ابوداؤد سجستانی صاحب سنن المتوفی ۲۷۵ھ اور ابو مسلم صاحب کتاب السنن المتوفی ۲۹۵ھ پیدا ہوئے انہوں نے حدیثوں کو فقہ کے طریق پر باب کر کے جمع کیا اور زبانی صحیح احادیث کو کتاب کی صورت میں لائے، کیونکہ راویوں کی ثقاہت میں روز بروز فرق آنے لگا تھا، اب ذوق حدیث کی انتہا ہو چکی اگرچہ احادیث کو کتاب کی شکل میں لانے کی صورت اوسی وقت سے شروع ہو گئی تھی جب ۱۳۲ھ میں اسلامی سلطنت بنی امیہ سے منتقل ہو کر بنی عباس تک پہونچی تھی۔ کیونکہ حجاز، عراق، شام، خراسان کے ہزاروں علمائے محدثین اس فساد عظیم کے صدقے ہو گئے تھے، انکے معصوم خون سے تلواریں رنگ گئیں خراسانی لشکر نے کوئی دقیقہ علم الحدیث کے واقفین کے ساتھ اوٹھا نہیں رکھا، جو کر نا تھا کیا، اب اس غدر کے مٹنے کے بعد اس شریف علم کے ماہرین کی قلت ہوئی،

اور عجیب اتفاق اسی زمانہ میں عمر بن عبید العابد، اور واصل ابن عطا البصرہ میں پیدا ہوئے اور لوگوں کو اعتزال کی تلقین کرنے لگے اور جبر کے مسئلے سے مسلمانوں کو تذبذب میں ڈالنے لگے، اور خراسان میں جہم بن صفوان، ظاہر ہوا جس نے تعطیل باری اور خلق قرآن کی تعلیم شروع کی،

اوسی کے زمانہ مین مقاتل بن سلیمان المفسر پیدا ہوا جو خدا کے لیے تمام صفات ثابت کرتا تھا یہاں تک کہ جسمیت کا بھی قائل تھا،

اب علماے تابعین اور ائمہ سلف کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان اختراعی اعتقادات اور بدعتون کا زور آور سیلاب علم الحدیث اور صحیح عقائد کو بہا لیجائے؛

اسلئے بڑے بڑے علما اور ائمہ تدوین کتب حدیث کرنے لگے اور نئے پیدا ہونے والے اعتقادات کی تردید میں کتابین لکھنی شروع کیں"

اب رفتہ رفتہ تصنیف اور تالیف کا ذوق بڑھتا گیا مگر حافظہ کم ہوتا گیا علم حدیث سینوں سے نکل نکل کر سفینوں میں جا گزین ہونے لگے۔ یہاں تک کہ ہارون رشید کے زمانہ میں تصنیف و تالیف کی کثرت ہوگئی اب حفظ علما کم ہونے لگا اور بالکل کتابوں پر اعتماد رہ گیا،،

تنزل علم حدیث

اسمیں شک نہیں اس طریقہ تصنیف و تالیف نے احادیث کو معرض زوال سے بچا لیا، مگر اسمیں بھی شبہ نہیں کہ اس طریقہ نے سچے محدثین کو دنیا سے کھو دیا۔

تراجم یونان کے ذریعہ سے اب مسلمانوں کو فلسفہ کی چاٹ پڑ گئی اور علم حدیث کی طرف سے اونکی توجہ او ٹھتی گئی،' اب وہ علوم عقلیہ کی تحصیل و تالیف میں مشغول ہوگئے اور کل نہیں تو نصف سے زاید التفات علوم تفسیر اور حدیث سے منقطع ہوگیا۔

اسلام کی پہلی کتاب

پہلے پہل جس علم میں مسلمانوں نے کتاب تصنیف کی تہی وہ یہی علم حدیث ہے اور جو پہلی کتاب لکھی گئی تہی وہ کتاب ابن جریج فی الحدیث ہے[۵۱]،،

صاحب کشف الظنون کی عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اول کتاب وضع

[۵۱] اسکو میں مانتا ہوں کہ ان لوگوں نے مروجہ طریقہ پر پہلی کتاب لکھی ہے مگر عام کتابت حدیث کی ابتدا حضرت علی سے کی تہی جیسا ذکر نجاشی میں صحیفہ علی کے نام سے [illegible]

فی الاسلام مؤطا امام مالک بن انس اب تدوین کتب کا نمبر امام بخاری اور امام مسلم تک پہونچا ان دو بزرگواروں نے اس علم کی خدمت جیسی کی اس سے آج اسلامی دنیا نا واقف نہیں ہے لاکھوں حدیثوں میں سے سچی اور صحیح حدیثوں کو چن لیا اور تمام احادیث کی موطا کے طریقے پر ابواب فقہ کی حیثیت سے ترتیب دی،،

اس کے بعد ابو عیسی ترمذی آئے انہوں نے مزید براں یہ کیا کہ ہر حدیث کے بعد اوسکی تنقید لکھی اور اوس حدیث سے مستنبط ہونے والے احکام اور مسائل کی تشریح کی اور جس مسئلہ کے متعلق ایمہ کے اختلاف مذاہب تھے درج کئے،، ۔

اگرچہ کتب احادیث کی ترتیب چند طریقے سے کی گئی کسی نے کل احادیث کو صرف جمع کردیا جیسے عبداللہ ابن موسی اور ابو داود طیالسی ،، اور احمد ابن حنبل نے کیا۔

یہ رواۃ کی ترتیب سے تدوین احادیث کا طریقہ رائج ہوا مثل ابو بکر سے جتنی حدیثیں مروی تھیں وہ ایک جگہ جمع کی گئیں حضرت علیؓ کی روایتیں ایک جگہ مرتب کی گئیں اور اس طریقہ پر جو حدیث کی کتابیں مدوّن ہوئیں انکو مسانید کے نام سے موسوم کیا تیسرا طریقہ مالک ابن انس کا تھا جسکو بخاری اور مسلم دونوں نے پسند کیا اور اُس کی تقلید کی،،

وہ یہ کہ مسائل کی حیثیت سے کتب احادیث مرتب کی گئیں جیسے باب الصلواۃ، باب الزکوۃ، باب الحج وغیرہ ترمذی نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ہر حدیث کے بعد اس پر تنقید کی اُسکے متعلق علما کی رائیں لکھیں اور اسی کی تقلید احمد بن محمد خطابی نے معالم السنن میں کی۔

اس کے بعد جو آتے گئے انہوں نے حسب احتیاج اُن حدیثوں کو جمع کیا جو پہلے ابواب سے چھوٹ گئیں تھیں پھر حسب ضرورت علما نے کتب احادیث پر تعریفین کی کسی نے احادیث کے کلمات غریبہ کی تشریح فرمائی ، جیسے ابو عبید احمد بن احمد الہروی نے حل لغات

احادیث کیا، دوسرے نے ترغیب وترہیب اور احکام ومسائل کی حیثیت سے چند نکیاں کر دیں، اور تمام اسانید کو بغرض اختصار چھانٹ دیا جیسا کہ ابو محمد الحسین البغوی نے مصابیح میں کیا ہے، اسکے بعد ابو بکر احمد بن الزمانی آئے اور انہوں نے بخاری، مسلم کو ایک کر کے مرتب کر دیا، پھر ابو الحسین رزین تشریف لائے، انہوں نے بخاری، مسلم، موطا، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی کو ملا کر ایک ضخیم کتاب رزین نامی تالیف فرمائی پھر ابو السعادات مبارک بن محمد بن الاثیر تالیف کے مصطفویہ پر جلوہ فرما ہوئے، اور اصول ستہ اور رزین کو ملا کر ایک کتاب لکھی، بعد ازاں عالم تاریخ کے نامور مولف جلال الدین سیوطی رونق افزا ہوئے، انہوں نے ذمسانید اسکا ذکر پہلے ہو چکا ہے) اور رزین، اور اصول ستہ کو خلط ملط کر کے مذہبی کتب قانون میں ایک ضخیم کتاب اضافہ کیں، مگر یہ بدنما داغ اونکے دامن تالیف پر ہمیشہ کے لئے رہ گیا کہ انہوں نے اپنی اس مجلد تالیف میں تنقید رواۃ اور نقد اسناد اور درایت سے بہت کم کام لیا،

اور یہ تو ان کی اور امام غزالی کی عادت ہی ہے کہ اپنی تالیفات وتصانیف میں موضوع حدیثیں بھر دیتے ہیں جنکو ہمارے کہنے پر اعتماد نہ ہو وہ تھوڑی دیر کے لیئے تاریخ الخلفا سیوطی کی اور احیاء العلوم غزالی کی مطالعہ کر لیں[۵۱]،

شاہ عبد العزیز صاحب عجالہ نافعہ میں موضوع احادیث کا استفسار کر کے فرماتے ہیں کہ وضع احادیث اکثر مناقب، منقصت، تفسیر آیات، قصص انبیاء، ذکر بنی اسرائیل، جنزافیہ اور ذکر حیوانات عجیبہ، دعا، تعویذ گنڈا، طب، ثواب نوافل، میں واقع ہوئی ہے، اور نیز وہ احادیث اکثر موضوع ہوتی ہیں جن میں تھوڑے سے اچھے کام پر ثواب عظیم کا وعدہ دیا جائے، یا تھوڑے

[۵۱] اُن حاشیہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اُنہوں نے دیدہ ودانستہ اسے احادیث لی ہیں۔ السید۔

سے گناہ پر عذاب شدید کی دھمکی دی جائے، اور وہ حدیثیں یقیناً غلط ہیں جن میں یہ مرقوم ہو کہ فلاں کام کرنے پر پچاس نبیوں کے ثواب یا ایک حج ایک عمرہ کی جزا ملیگی جیسے

من صلی رکعتین فلہ سبعون الف دار و فی کل دار سبعون الف بیت و فی کل بیت سبعون الف سریر و علی کل سریر سبعون الف جاریۃ	جس نے دو رکعت نماز پڑھی اُسے ستر ہزار مکان ملینگے اور ہر مکان میں ستر ہزار کمرے ہونگے اور ہر کمرہ میں ستر ہزار تخت ہونگے اور ہر تخت پر ستر ہزار حوریں ہونگی۔

یا جیسے

الارض علی قرن ثور والثور علی صخرۃ و الصخرۃ علی حوت والحوت علی الماء اذا بدل الثور قرنہ زلزلت الارض۔	زمین ایک بیل کے سینگ پر ہے اور بیل ایک چٹان پر اور چٹان مچھلی پر اور مچھلی پانی پر جب بیل اپنے سینگ بدلتا ہے تو زلزلہ آتا ہے۔
احاط الارض جبل القاف و فیہ الملائکۃ یسبحون۔	زمین کو کوہ قاف محیط ہے جسمیں فرشتے تسبیح تہلیل کرتے ہیں۔

اسیطرح جب کوئی حدیث تاریخی واقعات یا عقل و شرع کے مخالف ہو تو وہ بھی گڑھی ہوئی ہے

قال عبد اللہ بن مسعود فی حرب صفین۔	عبد اللہ ابن مسعود نے جنگ صفین میں کہا۔

حالانکہ عبد اللہؓ خلافت عثمانؓ ہی میں انتقال فرما چکے تھے اور جنگ صفین خلافت علیؓ میں واقع ہوئی ہے

لا تاکلوا البطیخ حتی تذبحوہا۔	خربوزوں کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ۔

امعان نظر سے وضع احادیث کی وجہوں کی تعداد سات تک پہونچتی ہے۔

(۱) جب خلافت کا جھگڑا اٹھا تو کسی نے حضرت علیؑ کو مانا اور ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کے فضائل سے انکار کر دیا۔ کسی نے حضرت علیؑ کو برا کہا اور امیر معاویہؓ کو ترجیح دی۔ کسی نے

امیر معاویہ اور علیؓ دونوں سے انکار کر کے صرف شیخین کو مانا، تو ضرورت واقع ہوئی کہ اپنے اپنے مقتدا کے مناقب اور فضائل اور غیروں کے عیوب اور منقصت احادیث کے پیرایہ میں ظاہر کریں تاکہ اون کے مقتدا کا تقدس اور اوروں کے برائیاں عام طور سے ظاہر ہو جائیں،،

(۲) واضعین احادیث میں مصاحبین سلاطین کا اچھا خاصہ گروہ شامل ہے جنہوں نے خوشامدانہ وضع احادیث کر کے بادشاہوں کے برے افعال کو بھی اچھا بتایا جیسے غیاث ابن میمون دربار مھدی میں حاضر تھا اور وہ اوسوقت کبوتر بازی میں مشغول تھا تو غیاث نے ایک حدیث بیان کی،،

لا سبق الا فی خف او نصل او حافر او جناح ۔	سبقت کی بازی جائز نہیں ہے مگر اونٹوں میں اور تیر میں اور گھوڑوں میں اور پرندوں میں ۔

حالانکہ اصل حدیث میں پرندہ (جناح) کا کہیں ذکر بھی نہ تھا ۔ لیکن خوشامدانہ بڑھا دیا تاکہ کبوتر بازی فعل محمود سمجھی جائے، اور خلیفہ پر اعتراض نہ ہو اور اوسکے صلہ میں کچھ ملے،

(۳) واعظین کے گروہ نے بہت سی حدیثیں وضع کی ہیں جہاں کسی مطلب کی ضرورت پڑی فوراً اسے عوام پر اثر ڈالنے کے لئے حدیث کے قالب میں ڈھال لیا ۔

(۴) جھاڑ پھونک کرنیوالوں کی شکم پروری نے بہت سی قرآنی آیات کے تفصیل مطالب میں جھوٹی حدیثوں کو شامل کر دیا ۔

(۵) جب لوگوں نے دیکھا کہ محدثین کی قدر و منزلت اور اونکی شوکت روز بروز بڑھتی جاتی ہے تو کم مایہ لوگوں نے محدثین کے قالب میں جنم لیا اور جھوٹی حدیثیں بیان کر کے اپنی شان بڑھائی اور چند روزہ دنیاوی جاہ و جلال کے بدلے ابدی ذلت خریدی ۔

(۶) بہت سے جھوٹے مدعیان تصوف خواب میں اگر کبھی کلام رسول اللہ سے مشرف ہوتے تو اسکو اپنی کتابوں میں اسطرح سے لکھتے کہ پچھلی نسلیں اسے واقعی حدیث سمجھ لیں مثال کے طور پر ابو عبدالرحمان سلمی کی تصوف پیش کئے جاسکتے ہیں،

(۷) بعض وہ جملے جنہوں نے استحقاق سے زائد شہرت پائی ہے وہ خواہ مخواہ حدیث کے پیرایہ میں جلوہ گر ہوتے ہیں حالانکہ وہ دراصل کسی بزرگ، یا حکیم، یا تجربہ کار، کا قول ہوتا ہے ایسی احادیث کی مثال مسلمانوں کی زبانوں پر بہت ملیگی،

محدثین نے کتب احادیث کے چار طبقے قرار دئے ہیں پہلا طبقہ بخاری، مسلم، موطا، کو شامل ہے اگرچہ یہ تین کتابیں علم الحدیث کی مستند مجموعہ ہیں مگر اندلس والے مسلم کو ترجیح دیتے ہیں اور عام علما بخاری کی فوقیت کے قائل ہیں شاہ عبدالعزیز صاحب موطا کو سب پر فضیلت دیتے ہیں کیونکہ اسلامی کتب علوم میں اس نے عالمگیر شہرت حاصل کی ہے، امام شافعی، امام محمد جیسے علما نے جناب امام مالک سے موطا کی روایت کی ہے اور سکونت مدینہ کیوجہ سے امام مالک کو صحیح احادیث کے جمع کرنیکا زیادہ موقع ملا ہے۔ بخاری کی ترتیب میں اتنی سستی ضرور ہے کہ اسکی کل نو ہزار دو سو حدیثوں میں سے تین ہزار مکرر ہیں، طبقہ ثانیہ میں جامع ترمذی، سنن ابن داؤد، سنن نسائی، ہیں جن کے مولفین نے فقاہت، حفظ، ضبط، تبحر علمی، میں شہرت عامہ حاصل کی ہے انہیں چھ کتابوں کو علما کی اصطلاح میں صحاح ستہ کہتے ہیں تیسرے طبقہ کے دامن میں مسند شافعی، مسند ابن ماجہ، مسند دارمی، سنن دارقطنی، مستدرک حاکم، کتب بیہقی، وغیرہا ہیں جنکے مولفین اگرچہ ماہرین علم حدیث میں سے تھے مگر رواۃ کی تنقید میں انہوں نے وثوق عدالت سے زیادہ کام نہ لیا۔ چوتھے طبقہ میں وہ حدیث کی کتابیں ہیں جنکے رواۃ کا پتہ سلف صالحین

میں نہیں ملتا اور اگر ملتا بھی ہے تو وہ علم الحدیث میں ضعیف اور مطعون قرار پاتے ہیں جیسے
کتاب الضعفا، تصانیف ابن مردویہ تصانیف خطیب تفسیر ابن جریر تصانیف ابن عساکر شیخ جلال الدین
سیوطی مولف تاریخ الخلفا، صاحب تصانیف کثیرہ کا سرمایہ انھیں کی کتابیں ہیں"

آخر میں اگر ہم اپنی اجمالی رائے علم الحدیث کے متعلق نہ ظاہر کریں تو قوانین مضمون نگاری کے
مجرم ٹھیریں گے، ہم مانتے ہیں کہ رواۃ اور اسانید کی تنقید میں علما نے اچھا حصہ لیا مگر جیسا
ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ علم الحدیث کی دو قسمیں علم الروایۃ اور علم الدرایۃ ہیں افسوس ہے کہ
دوسری قسم علم الدرایۃ میں امام ابوحنیفہ کے سوا اور کسی نے زیادہ کوشش نہ کی۔ قدما
کی عمر ین تو صرف جمع احادیث میں صرف ہوئیں اور قاعدہ ہے کہ پہلے ذات کا ابقا ہوتا ہے
پھر صفات کا اس لئے مناسب یہی تھا جو قدما نے کیا اونھوں نے ہمارے لئے
سفینے جمع کر دیں اور اب یہ متاخرین کا کام تھا کہ وہ درایت سے کام لیتے، مگر جیسا اوپر بیان
کر آئے ہیں۔ متاخرین کی زیادہ توجہ لفظی تشریح اور ضخیم جلدوں کی تالیف کی طرف تھی اس
لئے ہم اتنا ضرور کہیں گے کہ علم الحدیث کی دوسری شاخ (علم الدرایۃ) ناکمل رہی"

سید سلیمان دسنوی طالب علم دار العلوم ندوۃ العلماء

دار العلوم ندوۃ العلماء

ہمارے پرچہ کا ایک بڑا ضروری مقصد یہ ہے کہ اسکے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً دار العلوم
ندوۃ العلماء کے حالات، ملک کے سامنے پیش ہوتے رہیں تاکہ ملک اندازہ کر سکے کہ
دار العلوم کے مقاصد کسقدر ضروری ہیں، اور ان میں کس حد تک کامیابی کی امید ہے،
دفتر کی غلطی سے آج تک ندوۃ اور دار العلوم کے متعلق ایک حرف بھی نہ لکھا گیا یہاں تک

کہ اہوار حپ رون کی مختصر فہرست بھی شایع نہ ہو سکی، لیکن آیندہ التزام کیا جائیگا کہ ہر پرچہ
میں ندوہ اور دارالعلوم کے متعلق کچھ نہ کچھ واقعات درج ہوتے رہیں،

دارالعلوم کو اور مدارس عربیہ پر جو مزیت ہے اسمین سے اس وقت ہم صرف
نصاب تعلیم پر مختصر گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔

یہ امر اب محتاج دلیل نہیں رہا کہ موجودہ زمانہ کی ضروریات کے لحاظ سے انگریزی زباندانی
کے بغیر چارہ نہیں، بانیان ندوہ نے مدت ہوئی، انگریزی دانی کو نصاب تعلیم میں
داخل کر دیا تھا جو عربی تعلیم میں خلل انداز نہ ہو، لیکن چونکہ علما کے دائرہ میں یہ بالکل نامانوس
صدا تھی، ایک مدت تک اس پر عمل نہ ہو سکا خدا خدا کر کے انگریزی تعلیم کی ابتدا کی گئی تو
یہ قید لگا دی گئی کہ ابتدائی تین سال کی جماعتیں اس سے مستثنیٰ رہیں چنانچہ اب تک
اسی پر عمل درآمد رہا لیکن اب جو جدید انتظامات کئے گئے ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ
انگریزی ابتدائی درجوں میں بھی داخل کر دی گئی ہے،

تعلیم یافتہ فرقہ کے نزدیک تو یہ کوئی بات نہیں، لیکن ہمارے دایرہ میں یہ ایک بڑا
دشوار گذار مرحلہ تھا جو اتنی مدت کے بعد طے ہوا مسلمان اگرچہ اس باب میں تمام دنیا میں
نامور ہے کہ اُنہوں نے دنیا کی تمام زبانین نہایت بے تعصبی اور فراخ حوصلگی سے
حاصل کیں لیکن آجکل انگریزی تعلیم کے متعلق جو تعصب برتا جاتا ہے اس نے تمام پہلی
وسیع الخیالیوں پر پانی پھیر دیا،

ایک بڑی خصوصیت جو دارالعلوم کے نصاب میں ہے یہ ہے کہ تمام مخلوط الفن کتابیں
خارج کر دی گئیں جن سے طالب العلموں کو انتشار ذہن کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا تھا،
اب صرف وہ کتابیں ہیں جو خاص خاص فن میں مخصوص ہیں اور ان میں دوسرے فنونکا

مطلق غلط نہیں۔

ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ادب اور بلاغت کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا گیا ہے خاص فن ادب کی اسقدر کتابیں داخل درس ہیں مجموع الادب مختصر المعانی۔ دلایل الاعجاز عبد القاہر جرجانی۔ متنبی۔ حماسہ۔ نقد الشعر۔

نصاب قدیم میں فلسفہ اشراقی پر کوئی کتاب نہ تھی اسلئے شرح حکمۃ الاشراق سے یہ کمی پوری کر دی گئی ہے۔ قرآن مجید اور تفسیر کی تعلیم، نصاب قدیم کی بہ نسبت، بہت زیادہ کر دی گئی ہے حساب اور اقلیدس کی تعلیم لازمی کر دی گئی ہے۔



بسم اللہ الرحمن الرحیم

فلسفۂ اسلام

اور

فلسفہ قدیم و جدید

یہ مضمون درحقیقت تین مضمونوں پر مشتمل ہے۔ یعنی یونان کا فلسفہ کیا تھا؟ فلسفۂ حال کیا ہے، مسلمانوں کے فلسفہ کو ان دونوں فلسفوں سے کیا نسبت ہے؟ یہ مضمون گو علمی حیثیت سے خود ایک اہم مضمون ہے، لیکن اسکے ساتھ ہمکو اور بھی چند اغراض پیش نظر ہیں، جنکی تفصیل یہ ہے۔

ہمارے علماء کو فلسفۂ حال سے جو علیحدگی یا نفرت ہے اسکی وجہ عام لوگ مذہبی تعصب قرار دیتے ہیں، لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ ہمارے علماء جن علوم و فنون کی تعلیم و تعلیم میں شب و روز مصروف ہیں یعنی منطق۔ فلسفہ۔ ریاضی۔ وہ بھی دوسری ہی قوموں کے علوم و فنون ہیں اور خود علماء بھی جانتے ہیں کہ یہ سرمایہ ہمارا نہیں بلکہ اوروں کا ہے۔

علماے کے اجتناب کی اصلی وجہ یہ ہے کہ ان کے نزدیک علوم جدیدہ میں دقیق علمی مسائل نہیں ہیں بلکہ صرف صنعت گری و دستکاری کے کرشمے ہیں بخلاف اسکے یونانی فلسفہ جو خود اسرار حقیقت پر مشتمل ہے اس مضمون میں ہم دکھلانا چاہتے ہیں کہ ہمارے علما کا یہ خیال غلط ہے؟ یونانی فلسفہ کے مسائل درحقیقت صرف منطقی الجھیڑے یا خیالی اور فرضی باتیں ہیں بخلاف اس کے فلسفہ جدیدہ کے اکثر مسائل حقایق اور واقعات پر مبنی ہیں۔

جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ مسلمانوں نے فلسفۂ ارسطو کی محض کورانہ تقلید کی یہانتک کہ جو مسائل بالکل غلط اور بے سروپا تھے ان کے متعلق بھی کسی قسم کی چون وچرا نہیں کی اس مضمون میں ہم ثابت کریں گے کہ مسلمانوں نے فلسفۂ ارسطو کے اکثر مسائل کی غلطیاں ظاہر کیں اور ارسطو کی غلامی سے آزادی کا راستہ اول انہی نے صاف کیا یکن نے جو جسارت اٹھائی اس کی داغ بیل مسلمانوں نے ہی ڈالی تھی،

اس مضمون سے ظاہر ہوگا کہ مسلمانوں نے فلسفۂ قدیم کو فلسفۂ حال سے قریب کردیا، یہ ظاہر ہے کہ فلسفۂ یونان اور فلسفۂ حال میں بعد المشرقین کی نسبت ہے۔ اصول ارتقاء کے موافق کوئی شے دفعۃً ترقی نہیں کرسکتی اسلئے فلسفۂ یونان کو فلسفۂ حال تک پہنچنے کے لئے ایک درمیانی زینہ کا ہونا ضرور ہے، یہ زینہ درحقیقت اسلام ہی کا فلسفہ تھا۔

اسی بحث کے ضمن میں یہ بھی ظاہر ہوگا کہ اسلامی فلسفہ کا اگر فلسفۂ یونان۔ و فلسفۂ حال سے موازنہ کیا جاسے تو ثابت ہوگا کہ وہ یونان کی بہ نسبت فلسفۂ حال سے زیادہ قریب ہے اس سبب سے ہمارے علما کو فلسفہ قدیم کے مقابلے میں فلسفۂ حال کی زیادہ حمایت اور ہمدردی کرنی چاہیے۔

چونکہ یہ مضمون نہایت وسیع ہوا اور ایک ایک مسئلہ کی نسبت اس قدر مباحث ہیں کہ ایک

پرچے میں ایک سے زیادہ مسائل کی گنجایش نہیں نکل سکتی اس لیے پہلے ہم ایک اجمالی نقشہ درج کرتے ہیں جس سے ظاہر ہوگا کہ مسلمانوں نے فلسفۂ ارسطو کی کس قدر مسائل سے اختلاف کیا اس نقشہ میں بھی تمام اختلافات کا استقصار نہیں کیا گیا ہے اور نہ ایک ماہوار رسالے میں اس قدر تفصیل کا موقع تھا۔

مشائین یعنی ارسطو و پیروانِ ارسطو	متکلمین اسلام
جسم ہیولیٰ اور صورت سے مرکب ہے۔	اجزاء دیمقراطیسی سے مرکب ہے۔
جسم متصل واحد ہے۔	جسم چھوٹے اجزاء دیمقراطیسی سے مرکب ہے، ان میں باہم فاصلہ ہے، اور اس بنا پر جسم متصل نہیں گو بظاہر متصل معلوم ہوتا ہے۔
تخلخل کی صورت میں جسم کا اصلی مقدار بڑھ جاتا ہے۔	نہیں بلکہ اجزاء دیمقراطیسی کا باہمی فاصلہ بڑھ جاتا ہے اور خالی جگہ میں کوئی اور لطیف شے داخل ہو جاتی ہے۔
موجودات کی دو قسمیں ہیں، جوہر و عرض۔ یعنی قائم بالذات و قائم بالغیر، مثلاً رنگ، خوشبو وغیرہ	نظام کے نزدیک جوہر مجموعہ اعراض کا نام ہے اور ابن کیسان کے نزدیک عرض کوئی چیز نہیں سب جوہر ہی جوہر ہے۔
اعراض باقی رہتے ہیں۔	ہر وقت فنا ہوتے رہتے ہیں۔
زمانہ جوہر ہے۔	ایک موہوم شے ہے۔
خلا محال ہے۔	جائز ہے۔
عناصر چار ہیں۔	اس حصر پر کوئی دلیل نہیں شیخ الاشراق

	کے نزدیک آگ کوئی عنصر نہیں،
۹ عناصر ایک دوسرے سے بدل جاتے ہیں۔ مثلاً ہوا پانی بن جاتی ہے۔	ابوالبرکات بغدادی کے نزدیک ہوا پانی نہیں بنتی، بلکہ ہوا میں جو اجزاء مائیہ ہیں وہ پانی بن جاتے ہیں،
۱۰ کوئی عنصر امتزاج کی حالت میں اپنی خاصیت سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔	حکمائے بغداد کے نزدیک ہو جاتا ہے۔
۱۱ پانی تمام عناصر میں بارد ہے۔	ابوالبرکات بغدادی کے نزدیک پانی سے زیادہ خاک بارد ہے۔
۱۲ حواس ظاہری کے سوا اور پانچ حواس باطنی ہیں۔ یعنی حس مشترک اور وہم وغیرہ۔	حواس باطنی کوئی چیز نہیں۔
۱۳ روح مجرد اور غیر مادی ہے۔	مادی ہے، اور دراصل ہیکل انسانی ہی روح ہے۔
۱۴ افلاک میں روح اور عقل ہے۔	نہیں بلکہ جماد ہیں۔
۱۵ عقول عشرہ کا وجود ہے۔	عقول عشرہ کوئی چیز نہیں۔

اب ہم تفصیل کے ساتھ بعض مسائل پر گفتگو کرتے ہیں۔

جسم کی حقیقت

ارسطو وغیرہ کے نزدیک جسم دو چیزوں سے مرکب ہے، ہیولیٰ و صورت اسکی تفصیل یہ ہے

کہ جسم ایک متصل یا در پیوستہ چیز ہے یعنی اس کے اجزاء الگ الگ محسوس نہیں، اور واقع میں بھی الگ الگ نہیں، اس بنا پر اتصال جسم کی حقیقت میں داخل ہے، اس اتصال کو اصطلاح حکماء میں صورت جسمیہ کہتے ہیں، اب بحث طلب یہ ہے کہ یہ اتصال جسم کی پوری حقیقت ہے، یا اتصال کے سوا جسم میں کوئی اور چیز بھی ہے، اس سوال کے حل کرنے کے لئے کسی جسم کو لو، اور کاٹ کر اس کے دو ٹکڑے کرو، اس صورت میں جو اتصال پہلے موجود تھا جاتا رہے گا، اور دو نئے اتصال پیدا ہو جائیں گے، اب اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ جسم کی حقیقت صرف اتصال ہی اتصال ہے تو جب پہلا اتصال جاتا رہا تو جسم بھی فنا ہو گیا، کیونکہ جسم، اتصال ہی کا نام تھا، اس صورت میں کسی جسم کو دو ٹکڑے کر دینا اس کو محض فنا کر دینا ہوگا، حالانکہ صاف نظر آتا ہے کہ جسم فنا نہیں ہوتا بلکہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے، یہ دونوں حصے عدم سے وجود میں نہیں آتے بلکہ اسی جسم سے پیدا ہوتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اتصال کے سوا جسم میں کوئی اور چیز بھی ہے جو دونوں حالتوں میں باقی رہتی ہے، اسی چیز کی وجہ سے منفصل شدہ ٹکڑوں کو کہتے ہیں، کہ یہ پہلے ہی جسم کے ٹکڑے ہیں، اور عالم عدم سے نہیں آئے ہیں، اسی چیز کا نام ہیولیٰ ہے۔

متکلمین اسلام کو ہیولیٰ کے وجود سے بالکل انکار ہے، ان کے نزدیک جسم نہایت چھوٹے چھوٹے اجزاء سے مرکب ہے، جو کسی طرح تقسیم نہیں ہو سکتے، یہ اجزاء اگرچہ باہم متصل نظر آتے ہیں لیکن واقع میں متصل نہیں ہیں بلکہ ان میں کم و بیش کچھ نہ کچھ انفراج ہے، ٹھوس چیزوں میں یہ انفراج کم ہوتا ہے اور ہلکی پھلکی چیزوں میں زیادہ، اس بنا پر یہ کہنا کہ اتصال جسم کی حقیقت میں داخل ہے غلط ہے۔

شرح مواقف میں ہے۔

المقصد السادس انهم ای المتکلمین انکروا المقدار بناءً علی ان ترکیب الجسم عندهم من الجزء الذی لا یتجزیٰ فانه لا اتصال بین الاجزاء عندهم بل هی منفصلة بالحقیقة الا انه لا یحس انفصالها لصغر المفاصل اللتی تماست الاجزاء علیها فکیف یسلم ان ثمه اتصالا۔

چھٹا باب اس بیان میں ہے کہ متکلمین نے مقدار کے وجود سے انکار کیا ہے، اس بنا پر کہ جسم ان کے نزدیک اجزاء دیمقراطیسی سے مرکب ہے، متکلمین کے نزدیک ان اجزاء میں اتصال نہیں ہے بلکہ درحقیقت وہ الگ الگ ہیں، لیکن چونکہ ان کا باہمی فاصلہ بہت کم ہے اس لیے یہ فاصلے محسوس نہیں ہوتے تو کیونکر تسلیم کیا جائے کہ جسم میں اتصال ہے۔

متکلمین نے ارسطو کے استدلال کی غلطی ظاہر کرنے کے ساتھ بطور خود بھی ہیولیٰ کے ابطال پر بہت سی دلیلیں قایم کیں، لیکن وہ دقیق اور کسی قدر طویل الذیل ہیں، اس لئے ہم اس موقع پر صرف ارسطو کے استدلال کی غلطی دکھانے پر اکتفا کرتے ہیں۔

اول تو جیسا ہم ابھی بیان کر چکے جسم میں درحقیقت اتصال ہے ہی نہیں، اس بنا پر ارسطو کا استدلال سرے سے غلط ہے لیکن اگر اتصال مان بھی لیا جائے تب بھی ہیولیٰ کا ثبوت نہیں ہو سکتا۔ جسم کی حقیقت میں اگر اتصال داخل ہے تو مطلق اتصال ہے نہ کہ کوئی خاص اتصال۔ فرض کرو ایک جسم بالشت بھر کا ہے۔ تو جسم ہونے کی حیثیت سے صرف اس قدر ضرور ہے کہ اس میں اتصال پایا جائے، لیکن بالشت بھر کا ہونا یا اس سے کم اور زیادہ ہونا، یہ باتیں جسم کی حقیقت سے خارج ہیں۔ فرض کرو اس جسم کا اتصال بالشت بھر کا نہ ہوتا بلکہ کم یا زیادہ ہوتا تب بھی وہ جسم ہوتا۔ ارسطو کا استدلال اس بات پر مبنی ہے کہ جب مثلاً ایک جسم کے دو ٹکڑے کر دئے جاتے ہیں تو اتصال زائل ہو جاتا ہے، لیکن یہ کس قدر صریح غلطی ہے، اتصال اب بھی

ملحوظ ہے البتہ محدود اور مخصوص اتصال مثلاً ہاتھ یا دو ہاتھ کا ہونا یہ جاتا رہا لیکن یہ خاص اتصال جسم کی حقیقت میں داخل نہیں جسم کے لئے مطلق اتصال شرط ہے نہ یہ کہ اس کی کوئی خاص مقدار قرار دی جائے۔

جوہر فرد جسم کی حقیقت کے متعلق بہت بڑا بحث طلب مسئلہ جوہر فرد کا وجود ہے ارسطو وغیرہ اس بات کے قایل ہتے کہ جسم کو اگر تقسیم کرتے جائیں تو کبھی کوئی جزء ایسا نہ نکلیگا جہاں پہنچکر تقسیم ٹہیر جائے بلکہ کیسا ہی چھوٹے سے چھوٹا جزء ہوگا اس کے بہی اجزاء اور ٹکڑے نکلتے آئیں گے **متکلمین** اس کے برخلاف اس بات کے قایل ہیں کہ جسم جواہر فردسے یعنی اُن اجزاء سے مرکب ہے جو اس قدر چھوٹے ہیں کہ کسی طرح تقسیم اور تجزیہ قبول نہیں کر سکتے۔ متکلمین نے جوہر فرد کے ثبوت پر بہت سے دلائل قایم کئے ہیں، ان میں سے ہم دو ایک اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔

پہلی دلیل۔ ایک کرہ اگر دوسرے کرے پر رکہا جائے تو ضرور ہے کہ دونوں کا تماس جس نقطے پر ہو وہ غیر منقسم ہو یہ نقطہ جوہر فرد (یا) جزء لایتجزیٰ ہوگا۔

دوسری دلیل۔ اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حرکت کا وجود ہے، یہ بہی مسلم ہے کہ جب کوئی جسم حرکت میں ہوتا ہے تو حرکت کے بعض اجزاء گذر چکتے ہیں بعض آنے والے ہوتے ہیں اور بعض دونوں کے بیچ یعنی زمانۂ حال میں ہوتے ہیں، حرکت کا یہ حصہ یعنی زمانۂ حال والا ضرور ہے کہ غیر منقسم اور لایتجزیٰ ہو کیونکہ وہ زمانۂ حال کی مقدار کے مساوی ہے اور زمانۂ حال عموماً غیر منقسم ہے اس لئے کہ اگر زمانۂ حال بہی منقسم ہو تو اس میں سے کچھ ماضی بن جائیگا کچھ مستقبل ہو جائیگا۔

بہر حال، زمانہ حال غیر منقسم ہوتا ہے اس لئے جو حرکت زمانہ حال کے مساوی ہوگی وہ بھی غیر منقسم ہوگی، اب حرکت کا یہ حصہ جس مسافت سے منطبق ہوگا وہ بھی غیر منقسم ہوگی اور یہ جزء جوہر فرد ہوگا۔

اس بنا پر جوہر فرد کے وجود سے انکار نہیں ہوسکتا جسم انہی جواہر فرد سے مرکب ہے، یہ جواہر آپس میں زیادہ پیوستہ ہوتے ہیں تو جسم ٹھوس ہوتا ہے، ورنہ متخلخل اور ہلکا پھلکا ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یورپ کی موجودہ تحقیقات متکلمین کی رائے کے مطابق ہے، چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے۔

فلسفہ جدید کی رو سے جسم اور مادہ کی تحقیق حسب ذیل ہے۔

جسم یا مادہ وہ چیز ہے جو حواس سے محسوس ہو سکے جسم میں تین چیزیں ضروری ہیں حجم، صورت یا شکل۔ مقدار، جسم کی دو قسمیں ہیں آلیہ۔ غیر آلیہ، آلیہ سے وہ اجزاء یا اجسام مراد ہیں جن میں زندگی پائی جاتی ہے۔ مثلاً انسان یا حیوان میں جو اجزاء ہیں اگرچہ بظاہر بے جان ہیں لیکن درحقیقت ان میں زندگی کا مادہ موجود ہے ورنہ ان کی ترکیب سے جاندار جسم نہ بن سکتا، غیر آلیہ سے وہ اجسام مراد ہیں جن میں مطلق زندگی نہیں پائی جاتی مثلاً زمین، یا ستارے۔

جسم میں تین قسم کے اجزاء ہیں، جزئیات۔ یعنی جسم کے وہ چھوٹے چھوٹے اجزاء جو اور چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں، ان کی ماہیت وہی ہوتی ہے جو خود جسم کی ہوتی ہے مثلاً اگر جسم سیال ہے تو یہ بھی سیال ہوں گے اگر جسم گیاس ہے تو یہ بھی گیاس ہوں گے۔

دقایق - یہ جزئیات سے چھوٹے ہوتے ہیں اور ان کی تقسیم بغیر اس کے نہیں ہوسکتی کہ ان کی ماہیت فنا ہو جائے مثلاً آکسیجن کا کوئی ریزہ لو اُس کو اگر تقسیم کروگے تو وہ آکسیجن نہ باقی رہیگا ایسے ریزہ کو دقیقہ کہتے ہیں -

جوہر فرد - یہ وہ جز ہے جو مطلقاً تقسیم نہیں ہوسکتا - اور یہ جسم کا سب سے اخیر جز ہے جسم کی انتہائے اجزا یہی جواہر فردہ ہیں - اور مادہ کے متعلق آجکل کی تحقیقات کا مدار انہی جواہر فردہ کی تحقیقات پر ہے - یورپ میں سب سے پہلے ڈیکارٹ ان جواہر فرد کا قایل ہوا اور پھر یہ خیال تمام یورپ میں پھیل گیا، جسم کی جو ذرات یا دقایق ہیں ان میں باہم کشش اتصال ہوتی ہے، یعنی ہر ذرہ، دوسرے ذرے سے چمٹنا چاہتا ہے - یہ کشش بعض اجسام کے دقایق میں بہت زیادہ ہوتی ہے، بعض میں اس سے کم اور بعض میں اس سے بھی کم، جن میں زیادہ ہوتی ہے ان کو ٹھوس کہتے ہیں، لوہا جو ٹھوس ہے اس کے یہی معنی ہیں کہ اس کے دقایق آپس میں نہایت قوی کشش اتصال رکھتی ہیں -

کشش اتصال کی کمی و بیشی کی وجہ سے اجسام کی تین قسمیں پیدا ہوتی ہیں جامد یعنی بالکل ٹھوس - سیال مثلاً پانی - تیل وغیرہ - غاز جس کو گیس کہتے ہیں -

اجسام یا مادہ میں چھ خاصیتیں پائی جاتی ہیں، امتداد - متجزی ہوسکنا - عدم تداخل یعنی ایسا نہیں ہوسکتا کہ دو جسم اس طرح ایک بن جائیں کہ ایک نے جس قدر جگہ پہلی سے گھیری تھی اسی میں دوسرا بھی سما جاسے - مسامیۃ یعنی مسامات کا ہونا - استمرار یعنی جب جسم کو حرکت دیجاے گی تو وہ برابر وہ حرکت ہی کرتا رہیگا جب تک اس کو کوئی روک نہ دے اسی طرح جب جسم ساکن کر دیا جائے گا تو برابر ساکن رہیگا جب تک اس کو حرکت نہ دی جاسے - بقا یعنی کوئی جسم فنا نہیں ہوسکتا، نہ کلاً نہ جزءاً -

جسم جن ذرات سے مرکب ہے ان میں دو قسم کی کشش پائی جاتی ہے کشش اتصال۔ کشش کیمیائی کشش اتصال کا ذکر ابھی اوپر گزر چکا، کشش کیمیاوی کے یہ معنی کہ جب مثلاً کاربن اور اکسیجن آپس میں ملتے ہیں تو کاربانک ایسڈ بن جاتی ہے، اس اتحاد کے لئے کاربن اور اکسیجن ایک قوت کے اثر سے ایک دوسرے کو اپنی اپنی طرف کھینچتے ہیں جس طرح زمین پتھر کو اپنی طرف کھینچتی ہے، اسی کشش کی وجہ سے مختلف عناصر آپس میں ملتے ہیں اور ترکیب امتزاجی پیدا ہوتی ہے، یہ کشش نہ ہوتی تو دنیا میں کوئی مرکب چیز نہ بنتی، سب عناصر الگ الگ رہتے۔ اسی کشش کیمیاوی کا اثر ہے کہ نباتات میں زمین کے اجزا ملتے ہیں اور نباتی اجزا بن جاتے ہیں، اسی طرح نباتی اجزا حیوانات کے جسم میں حیوانی اجزا بن جاتے ہیں اس کشش کیمیاوی کی حقیقت سے متکلمین اسلام بخوبی واقف تھے، مولوی روم فرماتے ہیں ؎

میل ہر جزوے بہ جزوے ہم نہد — ز اتحاد ہر دو تولیدے جہد
ہر یکے خواہاں دگر را ہمچو خویش — از پے تکمیل فعل و کار خویش
دور گردوں را ز موج عشق داں — گر نبودے عشق بفسردے جہاں
کے جمادے محو گشتے در نبات — کے فدائے روح گشتے نامیات
ہر یکے بر جا فسردے ہمچو یخ — کے بدے پراں و جویاں ہمچو ملخ
جملہ اجزائے جہاں زاں حکم پیش — جفت جفت و عاشقان جفت خویش
ہست ہر جزوے ز عالم جفت خواہ — راست ہمچوں کہربا و برگ کاہ

مولوی غلام علی آزاد بلگرامی

دلی اور لکھنؤ میں جو معاندانہ رقابت قائم کر دی گئی ہے وہ اور کسی اعتبار سے صحیح ہو یا نہ ہو لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ایک خاص بات میں (اور یہ کوئی معمولی بات نہیں) لکھنؤ ہندوستان کے تمام شہروں سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ وہ یہ کہ اس کے اطراف وجوانب میں جو مردم خیز بستیاں ہیں انہوں نے جس درجے کے علما وفضلا پیدا کئے دلی ایک طرف، کل ہندوستان نے اس پایہ کے اہل کمال پیدا نہیں کئے، ملا قطب الدین شہید۔ ملا نظام الدین بحر العلوم۔ حمد اللہ۔ ملا حسن۔ ملا کمال، قاضی مبارک جو آسمان علم کے ثوابت اور سیارے ہیں۔ انہی بستیوں کی خاک سے اٹھے تھے، سہالی۔ گوپامؤ۔ نیوتنی۔ موہان، گو خود عالم شہرت میں روشناس نہیں لیکن انہوں نے جو علمی جواہر پیدا کیے آج تمام ہندوستان ان کے نام سے گونج رہا ہے، انہی مردم خیز بستیوں میں ایک بلگرام بھی ہے جو آج بھی علمی حیثیت سے ایک خاص امتیاز رکھتا ہے۔ مولوی غلام علی آزاد جن کا مختصر حال ہم لکھنا چاہتے ہیں یہیں کے رہنے والے تھے۔

بلگرام میں جس قدر واسطی سادات آباد ہیں ان کے مورث اعلیٰ جو بلگرام میں آکر آباد ہوئے سید محمد صغریٰ ہیں وہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مرید تھے اور سلطان شمس الدین التمش کے دربار سے تعلق رکھتے تھے ۶۱۴ھ اس زمانے میں بلگرام پر ایک ہندو راجہ قابض تھا جس کا نام سری تھا اور جو نہایت متعصب اور سرکش تھا ۶۱۴ھ میں سید محمد صغریٰ اس کی سرکوبی کے لئے تھوڑی سی فوج لے کر روانہ ہوئے اور بلگرام کے قریب پہنچکر راجہ سے مقابلہ

ہوئے۔ راجہ مع عزیز و اقارب کے قتل ہوا، اور بلگرام پر پورا تسلط ہو گیا، اس واقعہ کی تاریخ خدا داد کے لفظ سے نکلتی ہے۔

سید محمد صغری نے یہیں اقامت اختیار کر لی، شیوخ فرشوری اور ترکمان جو ان کے ساتھ آئے تھے وہ بھی یہیں آباد ہو گئے، اس زمانے میں مالگزاری کا طریقہ یہ تھا کہ غلہ کی پیداوار کا دسواں حصہ لیا جاتا تھا جس کو دہ یکی کہتے تھے چنانچہ محمود بن محمد شاہ بن سلطان فیروز شاہ دہلی کے فرمان کی جو عبارت مولوی غلام علی آزاد نے مآثر الکرام میں نقل کی ہے اس کے یہ الفاظ ہیں "چنانچہ در عہد سلاطین ماضیہ عشر عین غلہ دادہ اند ہم بر آن جملہ بدہند" یہ فرمان ۸۰۵ھ کا ہے۔ جو سید محمد صغری کے نام صادر ہوا تھا۔

سید محمد صغری نے بلگرام میں ایک قلعہ تعمیر کیا اور ۲۱ برس کی حکومت کے بعد ۶۴۵ھ میں وفات پائی، مولوی غلام علی آزاد، انہی سید محمد کی اولاد میں سے ہیں۔

مولوی غلام علی آزاد روز یکشنبہ ۲۵ صفر ۱۱۱۶ھ میں بمقام بلگرام محلہ میدان پورہ میں پیدا ہوئے۔ کتب درسیہ سید طفیل محمد بلگرامی سے پڑھیں جو اس زمانے کے مشہور فاضل تھے۔ عروض و قافیہ اور بعض ادب کی کتابیں میر سید محمد سے پڑھیں جو آزاد کے ماموں اور سید عبد الجلیل کے فرزند رشید تھے، اس زمانے میں سید عبد الجلیل بلگرامی (آزاد کے نانا) اساتذہ روزگار میں شمار کئے جاتے تھے، وہ ۱۶ برس کی سیر و سیاحت و ملازمت سلطنت کے بعد وطن میں آئے، اس وقت آزاد کی عمر ۱۲ برس کی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ آزاد نے اپنے نامور یگانہ عصر کے دیدار سے آنکھیں روشن کیں، آزاد نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے شاگردی تہ کیا اور کتب حدیث کی اجازت حاصل کی، ۱۱۳۲ھ میں سید عبد الجلیل نے پھر دلی کا رخ کیا، چونکہ آزاد کی تکمیل کے مراحل ابھی طے نہیں ہوئے تھے، یہ بھی ساتھ گئے اور

دو برس تک ان کی خدمت میں رہ کر استفادہ کیا۔ قاموس اللغۃ کا مطالعہ بھی کیا اور حدیث کی بعض کتابیں ان سے پڑھیں[1] سید عبد الجلیل ان کی لیاقت اور استعداد سے اس قدر خوش ہوئے کہ اکثر کہا کرتے تھے کہ امید ہے تم سے میری یادگار قائم رہ جائے۔ فراغ تحصیل کے بعد وطن میں واپس آئے اور مدت تک یہیں رہے۔

۱۱۴۲ھ میں سندھ کے سفر کا اتفاق ہوا، تقریب یہ ہوئی کہ ان کے ماموں میر سید محمد اس زمانہ میں بادشاہ دہلی کی طرف سے سندھ کے بخشی اور وقائع نگار تھے اور سیوستان جو سندھ کا ایک شہر ہے ان کا صدر مقام تھا، ان سے ملنے کے لئے بلگرام سے نکلے، اور دہلی، لاہور اور ملتان ہوتے ہوئے سیوستان پہنچے، اس زمانہ کے سفر کی دشواریوں پر خیال کرو کہ ذی الحجہ ۱۱۴۲ھ میں بلگرام سے روانہ ہوئے تھے اور ربیع الاول ۱۱۴۳ھ میں سیوستان پہنچے۔ یعنی یہ مسافت ایک برس تین مہینہ میں ختم ہوئی۔ میر سید محمد نے ان کو اپنا قائم مقام کرکے خود بلگرام کا قصد کیا اور پوری چار برس کے بعد واپس آئے۔ آزاد ۱۱۴۷ھ میں سیوستان سے دہلی میں آئے یہاں خبر لگی کہ ان کے والد ماجد مع تمام اہل و عیال الہ آباد میں تشریف رکھتے ہیں، یہ سنکر آگرہ ہوتے ہوئے الہ آباد پہنچے۔ والدین سے مل کر سعادت دارین حاصل کی اور چند روز یہیں قیام رہا۔ اس قیام کے زمانے میں دو دفعہ بلگرام گئے، دوسری دفعہ جا کر واپس آئے تو سفر حج کا شوق دامنگیر ہوا، بچپن میں کبھی خواب دیکھا تھا کہ جناب رسالت پناہ کے دیدار کا شرف حاصل ہوا ہے، یہ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہی، یہاں تک کہ ضبط نہ ہو سکا اور ۳ رجب ۱۱۵۰ھ میں بے اختیار نکل کھڑے ہوئے۔ اگرچہ کبھی پیادہ روی کا اتفاق نہیں ہوا تھا لیکن بیتابی شوق میں سواری کا خیال بھی نہ آیا کسی کو خبر تک نہ ہونے دی۔ یہاں تک کہ ان کے چلے جانے کا حال لوگوں کو تیسرے دن معلوم ہوا عورتیں بہت بیقرار ہوئیں، ان کے

---

[1] مآثر الکرام تذکرہ سید عبد الجلیل بلگرامی ۱۲

بھائی سید غلام حسن سے تین منزل تک تعاقب کیا مگر یہ ہاتھ نہ آئے؛ مجبوراً واپس گئے، چونکہ آزاد نے اس خیال سے کہ لوگوں کو پتہ نہ لگ جائے معمولی راہ چھوڑ کر غیر متعارف راستہ لیا تھا، اس لئے صحرا نوردی میں بڑی تکلیفیں اٹھائیں چنانچہ ایک مثنوی میں جو حالات سفر پر لکھی ہے اور جس کا تاریخی نام طلسم [illegible] رکھا ہے فرماتے ہیں ۵

مار خوابیدہ راست جادۂ او	بر نخیزد ز پا فتادۂ او
یک ایں راہ تیر ناوک وار	جامہ از تن کند دم رفتار
رہ زنش کاسہ از کفا گیرد	خار او دامن ہوا گیرد
می بریدم رہے بے پائی	بار نیشے کہ بود نہائی
صبح تا شام راہ می رفتم	خوں چکاں تر ز آہ می رفتم
ہمہ کہسار و دشت ناہموار	قدم مور دایں رہ دشوار
ہر قدم رود ہا و جیحوں ہا	چوں دم تیغ تشنہ خوں ہا
موج خوناب وجوش آبلہ ہا	ریخت در راہ رنگ سلسلہ ہا

بلگرام سے سرونج تک جو مالوہ کے اضلاع میں ہے پیادہ پا سفر کیا نوبت یہ پہنچی کہ پانوں میں آبلے پڑ گئے اور قدم رکھنا مشکل ہو گیا۔ حسن اتفاق یہ کہ نواب آصف جاہ نظام دکن مالوے میں فوجیں لئے پڑے ہوئے تھے، لشکریوں میں سے ایک نیک دل نے انکے حال سے مطلع ہو کر نہایت فیاض دلی کی؛ گھر میں لے جا کر مہمان اتارا، اور ایک پر تکلف رتھ سواری کو دی۔ چونکہ ان کے فضل و کمال کا شہرہ دور دور پہنچ چکا تھا نواب آصف جاہ کے دربار میں تقریب ہوئی چنانچہ شعبان ۱۱۵۰ھ میں حضوری کا موقع حاصل ہوا، انہوں نے اگرچہ کبھی تمام عمر امرا کی مدح میں زبان آلودہ نہیں کی لیکن سفر حج کے شوق اور بے تابی

عہدہ داری کا سر رشتہ سے جاتا رہا - وہاں جا کر یہ رباعی پڑھی ؎

اے حامی دین بجود و احسان	حق داد ترا خطاب آصف شایان
او حضرت بدرگاہ سلیمان آورد	تو آل نبی را بدر کعبہ رسان

حسن اتفاق یہ کہ نواب اس زمانے میں مرہٹوں سے معرکے کر رہے تھے اور بھوپال کی حدود میں ہر طرف آتش جنگ مشتعل تھی، اس وقت مسلمانوں میں عربیت کا اس قدر اثر باقی تھا کہ اُن کے ہاتھ قلم کے ساتھ تلوار سے بھی آشنا تھے، آزاد نے بھی ان معرکوں میں شرکت کی چنانچہ فخریہ کہتے ہیں ؎

من ہم آں روز در صفِ اسلام	بلکہ ذوالفقارِ خون آشام
قدمم بر دلاۃ افشردم	حملہا بر مخالفاں بردم
تشنگیہائے روزۂ رمضاں	کردہ از کام تا جگر بریاں
سفر کعبہ و صیام و جہاد	ایں سہ دولت مرا بہم رو داد

رمضان کے اخیر میں صلح ہو گئی اور نواب نے مطمئن ہو کر آزاد کے زاد و راحلہ کا معقول بندوبست کر دیا - شروع شوال میں یہ بھوپال سے نکلے اور برہانپور ہوتے ہوئے ۱۰ ذوقعدہ کو بندر سورت میں پہنچے ۲۴ کو جہاز میں سوار ہوئے ۱۰ محرم ۱۱۵۱ھ کو جدے میں اترے سورت سے جدے تک کا سفر قریباً دو مہینے میں طے ہوا، شیخ محمد فاخر الہ آبادی جو مشہور صوفی اور شاعر گذرے ہیں اس زمانے میں وہیں تھے آزاد کی آمد کی خبر سنکر بڑے اشتیاق سے ملنے آئے، آزاد جہاز سے اترے تو پہلے انہی سے آنکھیں چار ہوئیں، دونوں بڑی گرمجوشی سے ملے جدہ سے چل کر ۲۳ محرم کو مکہ معظمہ پہنچے چونکہ حج کا زمانہ گذر چکا تھا تین دن مکہ میں رہ کر مدینہ کا قصد کیا، اور ۲۶ محرم کو مکہ سے نکلے، پورے ایک مہینے میں مدینے پہنچے، اس وقت اُن کی عمر ۳۶ برس

کی تھی۔

شیخ حیات جو سندھ کے رہنے والے تھے اور اس وجہ سے سندی کہلاتے تھے اس زمانے کے سب بڑے محدث تھے انھوں نے ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں قیام اختیار کر لیا تھا، آزاد نے اس موقع کو نہایت غنیمت سمجھا اور اِن کی خدمت میں حاضر ہو کر صحاح ستہ کی سند لی۔ اکثر راتوں کو مسجد نبوی میں جا کر صحیح بخاری کا مطالعہ کیا کرتے تھے، اسی زمانے میں ایک غزل لکھی جس کا مطلع یہ ہے ؎

منور جلوۂ اعجاز شمع مطلبی	نماند شوخی چشم شرار بولہبی

آٹھ مہینے یہاں قیام رہا۔ ۴ شوال کو حج کے ارادے سے روانہ ہوئے اور ۲٦ کو مکہ معظمہ پہنچے یہاں مناسک اور اعمال حج کے ساتھ تحصیل علم کا سلسلہ بھی جاری رہا، شیخ عبدالوہاب طنطاوی مصری۔ جو مشہور محدث گذرے ہیں، ان سے حدیث کی تحصیل کی، حج کے بعد طائف کا قصد کیا، اور مزارات متبرکہ کی زیارت کی، حضرت عبداللہ بن عباس کے مزار پر حاضر ہوئے تو یہ شعر زبان سے نکلے ؎

اے صبا رو بہ مزار پسر عم نبی	خاک آن روضہ کم از عنبر تر نشناسی
گرد دام خوب تماشا چمن طائف را	نرسد ہیچ گل او بہ گل عباسی

ربیع الثانی ۱۱۵۲ھ میں طائف سے روانہ ہو کر جدے پہنچے اور ۳ جمادی الاولی کو جہاز پر سوار ہوئے، جہاز آٹھویں دن بندرگاہ مخا میں پہنچا۔ یہاں شیخ شاذلی کا مزار ہے چونکہ جہاز نے چار دن تک یہاں لنگر کیا، یہاں کی خوب سیر کی شاذلی کے مزار پر فاتحہ پڑھی، ۲۹ جمادی الاولی کو جہاز بندرگاہ سورت میں پہنچا، جدے سے سورت تک کا راستہ ۲٦ دن میں طے ہوا۔

سورت میں پانچ مہینے تک قیام رہا، وہاں سے اورنگ آباد میں آئے اور بابا شاہ مسافر

نقشبندی کی خانقاہ میں اُنھوں نے[۵۱] چند روز تک گوشہ نشینی کی لیکن سیاحت کا شوق طبعی تھا، دکن کے مختلف مقامات میں پھرتے رہے آخر اورنگ آباد میں مستقل قیام اختیار کیا اور یہیں ۔۔۔۔۔ سنہ میں وفات پائی۔

تصنیفات

تصنیفات کی تفصیل سے پہلے یہ کہنا ضرور ہے کہ ان کی تصنیفات ہندوستان میں اپنی قسم کی پہلی تصنیف ہیں۔ فن رجال اور تاریخ اگرچہ مسلمانوں کا گویا خاص فن ہے لیکن ہندوستان کی علمی حالت کی کچھ ایسی اُفتاد پڑی تھی کہ ابتدا سے اس زمانے تک کسی نے ایک کتاب بھی اس فن میں نہ لکھی، نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کے سیکڑوں ہزاروں علما و فضلا کے حالات پر آج گمنامی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ آزاد سب سے پہلے شخص ہیں جس نے ہندوستان کے علماء اور ارباب عمائم کے حالات قلمبند کئے آزاد نے اس اولیت پر خود بجا بجا فخر کا اظہار کیا ہے اور بجا کیا[۵۲] ہے۔ اب تصنیفات کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

سرو آزاد شعراء کا تذکرہ ہے۔

ید بیضا یہ بھی شعراء کا تذکرہ ہے اور شاید سب سے پہلی تصنیف ہے پہلا نسخہ سیوستان (سندھ) میں لکھا تھا، پھر ہندوستان پہنچکر بہت کچھ تصرف کیا اور ۱۱۴۸ھ میں دوسرا اڈیشن شائع کیا میں نے اس کتاب کا اصلی مسودہ ان کے ہاتھ کا لکھا دیکھا ہے۔

مآثر الکرام ۔ خاص بلگرام، اور عموماً فقراء اور علماء ہندوستان کے حالات میں ہے ۱۱۶۶ھ

[۵۱] مآثر الکرام شاہ حبیب اللہ قنوجی کے ذکر میں ضمناً لکھا ہے کہ اس خانقاہ میں سات برس تک قیام رہا۔ ۱۲۰ [۵۲] سبحۃ المرجان صفحہ ۲۶۔

سے پہلے اس کی تصنیف کی ابتدا ہوئی تھی، کہ سفر حج پیش آیا اور مسودہ ناتمام رہ گیا ۱۱۵۰ھ میں جب
اورنگ آباد میں آئے تو وطن سے مسودہ منگوا کر کتاب پوری کی۔

خزانہ عامرہ - خاص اُن شعرا کی حالات میں ہے جن کو دربار شاہی سے صلے ملے ہیں۔
اس میں ہندوستان کی تخصیص نہیں ہے ۱۱۷۶ھ کی تصنیف ہے جب کہ اُن کی عمر ۷۶ برس
کی تھی۔

روضۃ الاولیا، صوفیہ کے حالات میں ہے،

سند السعادات فی حسن خاتمۃ السادات - ثابت کیا ہے کہ سادات کا خاتمہ
ضرور اچھا ہوتا ہے،

دیوان عربی - کئی دیوان ہیں جن کی مجموعی تعداد تین ہزار شعر ہیں - یہ چھپ بھی گئے ہیں۔

دیوان فارسی -

شرح بخاری - چند ابواب کی شرح کی ہے - اسکا قلمی نسخہ بعض احباب کے کتب خانے
میں موجود ہے -

آزاد نے جابجا تصریح کی ہے کہ وہ ہندی یعنی بھاشا زبان سے پوری واقفیت رکھتے
ہیں - خزانہ عامرہ میں ابو سعد مسعود سلمان کے حالات میں لکھتے ہیں "من اگرچہ دو دیوان دارم
عربی و فارسی لکن شعر ہندی را خوب می فہم و از چاشنی آن حظ مستوفی دارم" مسلمانوں پر یہ بڑا اعتراض
ہے کہ انہوں نے اگرچہ تمام دنیا کے علوم و فنون کے ترجمے کئے لیکن کبھی زبان کی انشاپردازی
سے فائدہ نہیں اُٹھایا - انتہا یہ کہ یونانی زبان جو مسلمانوں کے علوم کا اصلی سرچشمہ ہے، عربی نظم و
نثر اس سے مطلق متاثر نہیں معلوم ہوتے - بے شبہہ اس اعتراض کا جواب نہیں ہو سکتا،
لیکن اس اعتراض کے وزن کو فیضی و آزاد نے کسی قدر کم کر دیا ہے، فیضی کی نل دمن میں

ان نازک و لطیف استعمالات کا صاف پرتو ہے جو سنسکرت کے ساتھ مخصوص ہیں اور آزاد نے توسبحۃ المرجان میں ایک خاص باب باندھا ہے جس میں انہوں نے عربی زبان میں بھاشا کے خیالات اور شاعرانہ صنائع منتقل کیے ہیں۔ ان صنعتوں کی تعداد ۳۰ ہے اور عربی زبان میں آزاد نے ان کے یہ نام رکھے ہیں۔ تنزیہ۔ تشبیہ الشی بنفسہ۔ تشبیہ البرہان۔ انتزاع۔ تشبیہ البرہان انتزاع۔ تشبیہ السلب۔ تشبیہ النفی۔ تشبیہ التقویۃ۔ تشبیہ الاستفسار۔ تشبیہ التمنی۔ التفصیل علی التفصیل۔ تفصیل التعبیر۔ براعۃ الجواب۔ جمع الخزانہ و تفریقہا۔ قلب الماہیۃ الاستبداد۔ الطغیان۔ التسلط۔ الاعتساف۔ موالاۃ العدو۔ مغالطۃ۔ التاویل۔ اضمار النہی۔ التنفیح۔ آزاد نے لکھا ہے کہ یہ صنعتیں ہندی زبان کے ساتھ مخصوص ہیں جو عربی و فارسی میں نہیں پائی جاتیں، باقی اور زبانوں میں بھی مشترک ہیں۔

آزاد نے ہندی کے بحور و قوافی کا بھی عربی سے مقابلہ کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ ہندی کی اکثر بحریں عربی و فارسی سے مختلف ہیں لیکن بحر تقارب۔ رکن الخلیل۔ اور بحر سریع، ہندی میں بھی ہے، ایک بڑا فرق یہ بتایا ہے کہ ہندی میں بعض بحریں ایسی ہیں جن کا قافیہ مصرع کے آخر کے بجائے وسط میں آتا ہے۔ اور باوجود اس کے یہ بحر مطبوع اور دلپسند ہے۔

تصنیفات مذکورہ میں سے سبحۃ المرجان اور مآثر الکرام تذکرہ علما کی حیثیت سے قابل لحاظ ہیں اگرچہ حالات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے ہیں لیکن جو لکھا ہے مستند لکھا ہے۔ قدما کے حالات میں اختصار کے لئے تو عذر موجود تھا کہ ماخذوں کا پتہ نہیں۔ لیکن اپنے زمانے کے علما کے حالات میں بھی نہایت اختصار برتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کوتاہ قلمی ان کا خاصہ ہی ہے۔

شعرا کے تذکرے میں جو تین کتابیں لکھی ہیں ان میں سے خزانہ عامرہ زیادہ مفصل اور

معلوم ہوتا ہے۔ اس کے دیباچے میں کتاب کے ماخذ بتائے ہیں انہیں لب الباب عوفی یزدی کا نام بھی ہے یہ کتاب ہماری نظر سے گذری ہے اور اس لئے ہمکو افسوس ہوتا ہے کہ ایسے عمدہ ماخذ سے آزاد نے پورا فائدہ نہیں اٹھایا۔ تاہم خزانۂ عامرہ میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جنکی داد دینی چاہئے ہوں تو اکثر شعرا کے ذکر میں ایسے شاعرانہ دلچسپ مباحث لکھے ہیں جن میں تنقید کی جھلک پائی جاتی ہے۔

دوسرے جابجا ضمناً ایسے فوائد بیان کرتے جاتے ہیں جو تحقیقات علمی کی جان ہیں۔ شعر و شاعری کی ہم نو دولت اکثر تصحیح الفاظ پر بہت جان دیتے ہیں اور ذرا سے تبدل و تغیر پر اس قدر ہنگامہ آرائی کرتے ہیں کہ گویا وحی الٰہی کا کوئی لفظ ادل بدل ہو گیا ہے۔ آزاد نے ایک موقع پر سیکڑوں الفاظ گنائے ہیں جو قاعدے کی رو سے بالکل غلط اور ناجائز ہیں لیکن اساتذہ کے ہاں برابر برتے جاتے ہیں۔

مثلاً[۵]۔

از بسکہ در عشق جنوں رسوا شدم پیرانہ سر	خندند بر من نوخطاں ۔ طفلان مکتب خانہ ہم
ظہور حسن تو آمیخت بہ دوراں واد اے رنگ آمیز ایں گمرہا نعمت گردیوانہ جانے تعجب بہر جیست غمزہ در تاخت خوش کزیں نااصل باطل دلسپر گمرو۔ و زبانم گرد	کہ بادشہ ز رعیت نمی ستاند باج وے از تو گداز ارشش صورہا کز عجائب ہائے دوراں دیو را خاتم رسید گرد و اسرار ہائے پنہاں فاش کز نگہ دار و ازاں چشم فسوں ساز مرا

بعض جگہ دقیق علمی مباحث بیان کئے ہیں جس سے ان کی علمی دقت نظر کا ثبوت

[۵] خزانۂ عامرہ صفحہ ۲

ہوتا ہے۔ یہ سب سہی لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ جو چیز تذکرے کی جان ہے وہی نہیں۔ ایران میں تذکرے سے مقصود عمدہ اشعار کا انتخاب ہوتا تھا چنانچہ ابتدائی تذکرے صرف انتخابات ہیں، مرزا صائب کا انتخاب آج بھی موجود ہے جس میں کسی شاعر کا حال برائے نام بھی نہیں، صرف اشعار ہی اشعار ہیں لیکن انتخاب اس درجے کا ہے کہ ہزاروں تذکرے اس پر سے نثار کر دیے جائیں۔ والہ داغستانی اور آتشکدہ آذر میں گو حالات بھی ہیں لیکن اصل خصوصیت موجود ہے۔ بخلاف ان کے خزانہ عامرہ، بلکہ آزاد کے تینوں تذکرے گویا لغو اشعار کا مجموعہ ہیں، تمام کتاب میں مشکل سے ایک آدھ شعر اچھا نکل آتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں تمام ہندوستان کا مذاق شاعری سخت خراب ہو چکا تھا، مضمون آفرینی یعنی جھوٹی خیال بندی پر لوگ جان دیتے تھے، زبان کی دلاویزی۔ لطف بندش۔ لطافت و نزاکت سے کسی کو غرض نہیں رہی تھی۔ چنانچہ اس عہد کے جتنے تذکرے ہیں سب اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ خان آرزو کا مجمع النفائس اس عہد کا عمدہ ترین تذکرہ خیال کیا جاتا ہے، اسکی بھی یہی حالت ہے۔ یہ بدمذاقی اخیر تک قائم رہی یہاں تک کہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں نے ریزۂ جواہر انتخاب کیا، میں نے ثقات دہلی سے سنا ہے کہ مرزا غالب وغیرہ کا خیال تھا کہ ہندوستان میں فارسی شاعری کا مذاق صحیح جو دوبارہ قائم ہوا وہ اس انتخاب نے قائم کیا۔

آزاد کا عربی اور فارسی کلام اگرچہ کثرت سے ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے چہرۂ کمال کا داغ ہے، اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ وہ عربی زبان کے بہت بڑے ادیب ہیں، نہایت نادر کتب ادبیہ پر ان کی نظر ہے، لغات اور محاورات ان کی زبان پر ہیں۔ لیکن کلام میں اسقدر عجمیت ہے کہ اسکو عربی کہنا مشکل ہے، ان کو یہ ناز ہے کہ انہوں نے عجم کے خیالات عربی زبان میں منتقل کئے ہیں لیکن نکتہ سنج جانتے ہیں کہ یہ ہنر نہیں بلکہ عیب ہے۔

خطا نمودہ ام و چشم آفریں دارم۔
خاہی کی بھی یہی حالت ہے۔ سیکڑوں ہزاروں اشعار میں ایک شعر بھی ایسا نہیں نکلتا جو اہل زبان کا کلام سمجھا جائے۔ آزاد نے والہ داغستانی کے حال میں لکھا ہے کہ "چونکہ میری اور ان کی بہت کم صحبت رہی اس لئے نہ میں نے ان کا ذکر سرو آزاد میں کیا، نہ انہوں نے میرا ذکر ریاض الشعرا میں کیا۔"
اپنے خیال کے متعلق جو کچھ آزاد نے لکھا صحیح لکھا لیکن والہ داغستانی کی نسبت ان کا حسن ظن ہے، ورنہ داغستانی، آزاد کے کلام کو اس قابل کب سمجھتا تھا کہ تذکرے میں درج کرتا اس نے جابجا تصریح کی ہے کہ ہندوستانی شعرا جس زبان میں شعر کہتے ہیں خدا جانے کس ملک کی زبان ہے۔
آزاد کے علمی کارناموں کے تذکرے میں مآثر الامراء کا ذکر قلم انداز نہیں کیا جا سکتا، یہ کتاب فن تاریخ میں اپنے موضوع کے لحاظ سے ایک ایسی کتاب ہے جس کی نظیر عربی زبان میں بھی باوجود اس وسعت اور فراوانی مواد کے موجود نہیں۔ صمصام الدولہ شاہنواز خاں، نواب آصف جاہ دکن (مورث اعلائے حضور نظام دکن) کے امرا میں سے تھے انہوں نے ایک کتاب خاص اس موضوع پر لکھنی چاہی کہ بابر کے زمانے سے اخیر عہد تک دولت تیموریہ میں جس قدر عہدہ داران سلطنت گذرے ہیں سب کے حالات قلمبند کئے جائیں، چنانچہ مآثر الامراء کے نام سے اسکی تدوین و ترتیب شروع کی، پورے پانچ برس اس کام میں صرف ہوئے، اگرچہ امیر موصوف کا علمی پایہ خود اس قدر بلند تھا جو ایسی تصنیف سے عہدہ برآ ہونے کے لئے کافی تھا، تاہم امارت کے راحت پرستی سے حسب دلخواہ سامان نہ ہو سکا امیر موصوف اس نکتے سے غافل نہ تھے، انہوں نے اس موقع پر آزاد کو یاد کیا، یہ اس وقت اپنے وطن بلگرام

میں تھے، وہیں قاصد بھیجا اور سفر کے لئے ہر طرح کے سامان مہیا کئے میں نے سعید آباد میں خود
آزاد کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک خط دیکھا ہے جس میں وہ ایک دوست کو لکھتے ہیں کہ نواب
صمصام الدولہ نے مآثر الامرا کا مسودہ بھیجا ہے، کتاب اچھی ہے لیکن چونکہ ترتیب کے لحاظ
سے سخت اصلاح کی محتاج ہے، میں نے نواب موصوف کو لکھا کہ یہ کام اتنی دور سے انجام
نہیں پا سکتا، نواب نے میرے لئے پالکی کی ڈاک کا انتظام کر دیا ہے، دو مہینے میں اورنگ آباد
پہنچونگا، اور مسودہ کو درست کرونگا۔ اس زمانے کے امرا کے علمی شوق کو دیکھو کہ ہزاروں کوس
کے فاصلے سے اہل فن کو ان کاموں کے لئے بلواتے تھے، بہرحال آزاد نے اورنگ آباد
پہنچکر کتاب کی اصلاح و ترتیب کی۔ لیکن بدقسمتی یہ کہ نواب موصوف ایک لڑائی میں مارے گئے
اور ان کے کتب خانے کے ساتھ یہ کتاب بھی اوراق خزاں کی طرح برباد گئی، آزاد نے بڑے
تفحص سے پورے ایک برس کے بعد مسودے کا پتہ لگایا۔ لیکن تمام اجزا درہم و برہم ہو گئے
تھے، بڑی مشکل اور دیدہ ریزی سے آزاد نے ان کی ترتیب کی۔ لیکن قطب الملک عبداللہ خاں
کا حال سرے سے نہ تھا امیر الامرا حسین علی خاں کا تذکرہ ابتدا سے ناقص تھا آصف جاہ و
نظام الدولہ کا حال خود مصنف نے قلم انداز کر دیا تھا، آزاد نے ان سب کے حالات خود لکھے،
اور کتاب میں شامل کئے، ابو الفضل اور سعد اللہ خاں کا حال بھی مسودہ میں نہ تھا، غرض آزاد
نے مسودہ کے اجزا مرتب کئے ناتمام حالات کی تکمیل کی، حمد و نعت لکھی، انہی کی محنت اور
کاوش کا نتیجہ ہے کہ اسلام کے تاریخی خزانے میں ایک ایسی نایاب جوہر کا اضافہ نظر آتا ہے۔
اسی کے ساتھ ہمکو ایشیاٹک سوسائٹی کلکتے کا ممنون ہونا چاہیئے۔ جس نے اس بیش بہا سرمایہ
کو شائع کر کے عام کر دیا۔

معاصرین اور علمی صحبتیں

آزاد کا عہد وہ عہد تھا جب سلطنت تیموریہ کا آفتاب ڈھل چکا تھا، اس بنا پر علمی دربار کے ارکان بھی اس پایہ کے نہیں رہے تھے، تاہم ملا نظام الدین - محب اللہ بہاری - عبد الجلیل بلگرامی، شیخ علی حزیں، خان آرزو - والہ داغستانی وغیرہ جیسے فاضل اور نکتہ سنج موجود تھے۔ آزاد کو ان میں سے اکثروں سے صحبتیں رہیں، ان صحبتوں میں ان کے فضل وکمال اخلاق وعادات کے جوہر زیادہ کھلتے ہیں، اس لئے ہم ان کو ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتے ہیں۔

ایک دن نواب ناصر جنگ شہید کے ہاں (فرزند آصف جاہ) جن کا ذکر ذرا تفصیل سے آگے آتا ہے اہل سخن کا مجمع تھا، کسی نے مرزا صائب کا یہ شعر پڑھا ؎

اہل کمال را لب اظہار خامشی است	منت پذیر ماہ تمام از ہلال نیست

اس کے معنی میں سخت اختلاف ہوا، اور واقعی اختلاف کا موقع تھا، ماہ تمام یعنی بدر کا ہلال سے منت پذیر نہ ہونا ایک بے معنی سی بات تھی، حاضرین بڑے زور شور سے گرم مباحثہ تھے کہ دفعۃً آزاد نے کہا کہ یہاں ماہ تمام سے بدر مراد نہیں بلکہ پورے مہینے کا چاند مراد ہے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ اہل کمال کا چپ رہنا ہی ان کے کمال کا اظہار کر دینا ہے اس دعوے کی شاعرانہ دلیل یہ ہے کہ جو مہینہ انتیس دن کا ہوتا ہے ماہ نو کا محتاج ہوتا ہے لیکن جو مہینہ پورے تیس دن کا ہوتا ہے اس کو ہلال کی حاجت نہیں سب نے آزاد کے معنی فہمی کی داد دی۔

یہ سن نواب موصوف و دربار میں تک کے تمام شعرا و فضلائے دربار مثلاً صمصام الدولہ شاہنواز خاں
دوری خان جرأت اورنگ آبادی ۔ رضوی خاں ۔ میرزا جان رسا، نقد علی خاں ایجاد وغیرہ
ہم جلیس تھے، نواب نے اپنی تازہ غزل جو آزاد سے اصلاح پا چکی تھی پڑھنی شروع کی ایک شعر
میں سرو کو خراماں باندھا تھا اس شعر پر سب کی نگاہیں معترضانہ اٹھیں، نواب نے آزاد کی طرف
دیکھا یعنی شعر آپ کی نظر سے گذر چکا ہے ۔ آزاد نے فوراً مرزا صائب کا شعر سند میں پڑھا ؎

یک سر و پیر آراز آستیں دست نگاریں چمن	تا دستہا پنہاں کند سرو خراماں در بغل

جرأت نے کہا کہ مرزا صائب سے تعجب ہے کہ سرو کو خراماں باندھا، سرو چلتا پھرتا نہیں خراماں
کیونکر ہو سکتا ہے، آزاد نے کہا شاعری کی بنیاد تخیل پر ہے، شاخیں جو ہوا کے اشارے
سے ہلتی ہیں جس سے درخت جھومتا نظر آتا ہے یہی درخت کا خراماں ہونا ہے عربی میں اسی
لحاظ سے شاخ کو میاد کہتے ہیں صائب کے سوا اور شعرا نے بھی سرو کو خراماں باندھا ہے،
خواجہ حافظ فرماتے ہیں ؎

سرو را ز صبا گر دو جہاں تا چوں قدت باشد رواں	ہر چند بجز آمد بآں سرو خراماں سگے بسد

شیخ علی حزیں اس زمانے کے سب سے بڑے مشہور شاعر تھے جس زمانے میں وہ ایران سے
چل کر ہندوستان آ رہے تھے جب سیوستان پہنچے تو اتفاق سے آزاد سیوستان سے روانہ ہو کر
وطن کو جا رہے تھے، راستے میں ایک مقام پر اتفاقیہ ملاقات ہو گئی، بہت پر لطف صحبت رہی،
حزیں اگرچہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے لیکن معلوم نہیں کس خیال سے آزاد کی بڑی قدردانی
کی، اپنے ہات کی لکھی ہوئی غزلیں آزاد کو تحفۃً دیں، خانِ آرزو نے حزیں پر جو اعتراضات
کئے ہیں، ان میں سے بعض کا جواب آزاد نے خزانہ عامرہ میں دیا ہے اور ابھی چند ہیں
ہم پہنچائی ہیں۔

خان نازرو سے آزاد کی غائبانہ ملاقات تھی، خان موصوف نے اپنے تذکرہ مجمع النفائس میں آزاد کا ذکر، دو جگہ کیا ہے، اور خوبی سے کیا ہے۔

شاہ آفریں لاہوری پنجاب کے مشہور شاعر تھے آزاد جس زمانے میں سندھ کی طرف جارہے تھے ۵ محرم ۱۱۴۲ھ میں لاہور میں ان سے ملاقات ہوئی، دوسری دفعہ سندھ سے واپس جاتے ہوئے، رجب ۱۱۴۲ھ لاہور میں اترے اور دو دن تک قیام کیا، اس زمانے میں متعدد صحبتیں رہیں، آزاد، ید بیضا، لکھ چکے تھے، آفریں نے بڑے اصرار سے اسکی نقل لی اور اپنی مثنوی ابیان معرفت ان کی نذر کی۔

حاکم لاہوری شاہ آفریں کے شاگرد تھے اور دربار شاہی سے توسل رکھتے تھے آخر ترک تعلق کر کے واقف لاہوری کے ساتھ حرمین کا قصد کیا، واقف بیمار ہو کر سورت میں رہ گئے، حاکم کو حج کی دولت نصیب ہوئی حج سے واپس آکر، حاکم اور واقف دونوں اورنگ آباد میں آئے، یہیں آزاد سے ملاقات ہوئی، حاکم نے یہاں رہکر ایک تذکرۃ الشعراء لکھا جس میں صرف اُن شعراء کا حال قلمبند کیا جن کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا تحفۃ المجالس نام رکھا آزاد سے ذکر آیا تو اُنھوں نے کہا موضوع کی مناسبت سے مردم دیدہ زیادہ مناسب ہوگا، حاکم پھڑک اٹھے اور یہی نام رکھا، خاتمے میں اسکا ذکر بھی کیا ہے چنانچہ کہتے ہیں ؎

نسخۂ تازہ کردہ ام تالیف	کہ ازو تازہ شد روانِ سخن
نام او کرد مردم دیدہ	آن کہ بودہ است رازدانِ سخن
اسم سامی او غلام علی است	سرو آزاد بوستانِ سخن

والہ داغستانی سے آزاد کی صحبت برابر رہی۔ والہ اور آزاد دہ کا ساتھ سفر میں ہوا سیوستان سے دلی تک دونوں ہمعنان آئے ایک دن والہ نے آزاد سے کہا کہ تم ہم تم

گھوڑے دوڑائیں آزاد نے اول انکار کیا لیکن والہ کے اصرار سے مجبور ہونا پڑا، والہ کی سواری میں ایرانی گھوڑا تھا تاہم آزاد کے ہندی گھوڑے کا مقابلہ نہ کر سکا اور پیچھے رہ گیا، والہ نے نہایت جھلانا۔ ایک دن آزاد نے اپنا یہ شعر پڑھا ؎

زدوام بر سر جہاں پاپوش	بے سبب ایں برہنہ پائی نیست

والہ نے کہا ہمارے ملک میں کفش کہتے ہیں۔ پاپوش نہیں کہتے، آزاد نے مرزا صائب کا یہ شعر پڑھا ؎

چرخ دودے است کہ از خرمن من خاستہ است	خاک گردنے است کہ افشاندہ پاپوش من است

ایک دن والہ نے کہا کہ طیار کا لفظ طاے حطی سے ہے یا تاے قرشت سے؟ آزاد نے کہا میرزا محمد رفیع کے شعر سے مستنبط ہوتا ہے کہ طاے حطی سے ہے ؎

دارد چو مرغ عمرت پرواز بس بہ سرعت	اسباب عیش و عشرت طیار گو نہ باشد

میرزا سعید اشرف کا کلام بھی اس کی تائید کرتا ہے ؎

می پرد باز از ہوائے عشق او رنگ از رخم	گرچہ بازنجیر موج بادہ طیارش کنم

نور العین واقف سے بہت یارانہ تھا، مختلف وقتوں میں آزاد نے ان کی بڑی مدد کی، ایک دفعہ یہ اورنگ آباد سے ہندوستان کو جا رہے تھے راستہ میں ڈاکہ پڑا جو کچھ کائنات تھی سب جاتی رہی صرف ایک عینک اور تھوڑا سا پارہ جو تھوسی کے شوق میں ساتھ رہتا تھا بچ گیا، واقف نے بالاپور پہنچکر آزاد کے پاس ایک قاصد بھیجا اور حقیقت حال سے اطلاع دی۔ خط میں یہ شعر بھی لکھا تھا ؎

عینکے و پارۂ سیماب با ما ماندہ است	چشم بے خواب و دل بیتاب با ما ماندہ است

آزاد نے ہنڈوی کے ذریعے کچھ روپے بھیج دیئے۔

مصاحف اربعہ عثمانی کی تاریخ

ناظرین میں سے اکثر کو معلوم ہوگا کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جبکہ اسلام کی فتوحات کو ترقی ہوئی، اور اسلامی حدود بہت وسیع ہوگئے، حضرت عثمانؓ کو ضرورت محسوس ہوئی کہ کلام مجید کی چند نقلیں کرا کر ممالک اسلامیہ میں بھیجدی جائیں تاکہ آیندہ اختلافات نہوں، اس کے لئے آپ نے وہ کلام مجید جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جمع ہوا تھا اور ام المومنین حضرت خدیجہؓ کے پاس موجود تھا منگا کر چار معزز صحابہ کو مقرر کیا کہ اس کی نقلیں کریں، یہ اصحاب زید بن ثابت عبد اللہ بن زبیر سعید بن العاص عبد الرحمن بن حارث ان میں سے حضرت زید رسول اللہ صلعم کے زمانے میں کاتب وحی تھے، جب یہ چاروں نقلیں طیار ہوگئیں، تو حضرت عثمانؓ کے حکم سے مکہ کوفہ بصرہ شام میں بھیجدی گئیں۔

لیکن ان مصاحف اربعہ کے حالات سے بہت کم لوگ واقف ہیں، اس لئے ہم اس موقع پر ان کے حالات جس قدر معلوم ہوسکے درج کرتے ہیں۔

مکی

اس نسخے کی نسبت صرف اس قدر معلوم ہو سکا کہ سنہ ۶۵ھ میں یہ قبا رہو، یا قبار تاب ہی سکتے ہیں موجود تھا اس کا تذکرہ ابو القاسم[1] تجیبی نے جو قاہرہ کا ایک بہت بڑا ادیب و شاعر تھا کرتا ہے اور

۱؎ ابو القاسم محمد بن سعید تجیبی منجملہ ان بزرگوں کے ہیں جو اندلس سے مشرق چلے آئے تھے انکو ادب و شاعری میں خاص کمال حاصل تھا اندلس کو چھوڑ کر قاہرہ میں سکونت اختیار کی مقام دمشق میں ۳۲۰ھ میں پیدا ہوا اور مقام قاہرہ بسلخ محرم ۴۰۶ھ میں انتقال کیا

لکھتا ہے کہ میں نے مصر سے خود دیکھا تھا اُسے زیادہ اسکے متعلق اور کچھ حالات نہ معلوم ہو سکے۔

مدنی

علامہ احمد مقری جو اک مشہور مورخ ہے لکھتا ہے کہ میں نے اس مصحف کو سنہ ۱۰۳۳ھ میں مدینہ میں دیکھا تھا اور اسے پڑھا بھی مورخ موصوف یہ بھی لکھتا ہے کہ اس نسخہ اور اندلس کے نسخے کے خط میں بالکل تفاوت نہ تھا بلکہ ایک قلم کے دونوں معلوم ہوتے تھے اس نسخہ کی پشت پر ان صحابہ کے اسماء گرامی درج تھے جنہوں نے اسکو لکھا تھا اور ان لوگوں کا بھی نام لکھا تھا جنکو حضرت عثمانؓ نے اس کام پر مامور کیا تھا۔ افسوس ہے کہ اسکے زیادہ اس کا کچھ حال نہ معلوم ہو سکا۔ بقول امام نخعی اس امر کا فیصلہ کرنا کہ یہ نسخہ کوفی تھا یا بصری سخت مشکل تھا۔

شامی

یہ نسخہ ابو القاسم تجیبی کے بیان کے مطابق سنہ ۶۵۷ھ میں جامع اموی دمشق میں موجود تھا جیسے علامہ موصوف نے خود اپنی آنکھ سے دیکھا تھا۔ یہ نسخہ ہمارے زمانہ تک محفوظ تھا چنانچہ جامع اموی کے کتب خانہ کی فہرست میں اسکا ذکر موجود ہے اُستاد حضرت علامہ شبلی نعمانی نے جب شام کا سفر کیا تو اس زمانہ میں وہ مصحف موجود تھا قریباً آٹھ سال گذرے کہ اتفاقاً جامع اموی میں آگ لگ گئی اور یہ نسخہ جاتا رہا سلطان المعظم عبد الحمید خان نے مسجد اموی کو نئی سرے سے تعمیر کرایا لیکن اس گوہر گراں بہا کی کیا تدبیر ہو سکتی تھی۔ عربی اخبارات نے اس زمانہ میں اس واقعہ کا تذکرہ نہایت درد و اثر کے ساتھ کیا تھا۔

اندلس

اسکی نسبت زیادہ حالات معلوم ہیں جو دلچسپی سے خالی نہونگے۔ یہ ابتک دریافت نہو سکا کہ یہ نسخہ مشرق سے مغرب میں پہونچا کیونکر۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ سب سے پہلے اہل اندلس

کے پاس تھا اسکے بعد سلاطین موحدین کے پاس آیا اور اسکے بعد امراء بنی مرین کے قبضہ میں آیا
یہ متبرک مصحف جامع قرطبہ میں محفوظ تھا اور منجملہ ان خصوصیات کے جو جامع قرطبہ کو حاصل تھیں یہ بھی اک بہت بڑی خصوصیت تھی۔ اہل اندلس اسکی بہت قدر کرتے تھے اور اسے بہت عزیز رکھتے تھے سلطان عبد المومن کو اس خبر نے کہ جامع قرطبہ میں اک ایسا نایاب تحفہ موجود ہے بیچین کر دیا۔ اور اسے مراکش (جو اسکا دارالسلطنت تھا) منتقل کرنا چاہا لیکن ہمیشہ اسکی اس خواہش پر اس کا فطری جوش ہمدردی غالب آتا رہا کیونکہ اس تحفہ کو قرطبہ سے جدا کرنا اسکے باشندوں کو سخت تکلیف دینا تھا۔ (کیونکہ یہ ان کی ایک بہت ہی مرغوب شے تھی) لیکن قدرت نے سلطان کی خوش قسمتی سے ایسا سامان بہم پہونچایا کہ بلا کسی کد و کاوش کے یہ تبرک اسے ملگیا ارادہ یہ تھا کہ باشندگان قرطبہ نے کسی مصلحت سے اس مصحف کو سلطان کی سپردگی میں دینا مناسب خیال کرکے بارگاہ سلطانی میں استدعا کی کہ اسے سلطان اپنی حفاظت میں لیلیں۔ سلطان کے حکم سے ابن بشکوال[۵] نے اسے شب شنبہ مورخہ ۱۱ شوال ۵۵۲ھ میں جامع قرطبہ سے نکالا سلاطین موحدین بغرض حصول برکت ہمیشہ سفر و حضر میں اسے اپنے ساتھ رکھتے تھے چنانچہ جب خلیفہ معتضد علی بن مامون نے ۶۴۵ھ میں تلمسان کا رخ کیا اور راہ میں قتل ہوگیا اور اسکے بعد اسکا بیٹا ابراہیم آیا اور وہ بھی قتل ہوا تو ایسے ہنگامہ میں یہ تحفہ بھی گم ہو گیا۔

کہا جاتا ہے کہ وہ نسخہ تلمسان کے خزانہ میں محفوظ تھا جب سلطان ابی الحسن مرینی نے اسے فتح کیا تو یہ قرآن اسے ملا جسکی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ہمیشہ اسے اپنے ساتھ رکھتا تھا لیکن

۵ ابن بشکوال یہ شخص بہت بڑا مورخ تھا ذی الحجہ ۴۹۴ھ میں پیدا ہوا اور رمضان ۵۷۸ھ میں قرطبہ میں انتقال کیا اسکی تصانیف میں ابن الفرضی کی کتاب تاریخ علماء اندلس کا اک ضمیمہ ہے اور مختصر تاریخ اندلس و تاریخ قضاۃ اندلس جنمیں سے تاریخ اندلس طبع ہوگئی ہے۔

مائتہ وزن میں ایکے ہاتھ سے نکلکر پرتگال پہونچا جہاں سے لطائف الحیل ایک تاجر کے ذریعہ سے فاس پہونچا۔

چونکہ سلاطین موحدین اسکی بیحد قدر کرتے تھے لہذا خلیفہ عبدالمومن نے اسکے واسطے ایک کل کا صندوق طیار کرایا جسکی تفصیل دلچسپی سے خالی نہوگی۔

علامہ احمد مقری نے اسکی کیفیت یہ لکھی ہے کہ یہ صندوق اس حکمت سے بنایا گیا تھا کہ جب اسمیں کنجی ڈالکر پھراتے تھے تو اسکے پٹ کھلجاتے تھے اور اندر سے ایک خانہ نکلتا تھا جسمیں ایک رحل ایک کرسی پر رکھی ہوتی تھی۔ رحل بغیر کسی کے ہاتھ لگائے خود کھلتی تھی۔ جب رحل و کرسی باہر آجاتی تھی تو خانہ خودبخود بند ہوجاتا تھا۔ اور جب کنجی کو الٹی طرف پھیرتے تھے تو خانہ پھر کھل جاتا تھا اور چوکی و رحل از خود صندوق میں جاکر بند ہوجاتی تھی۔[51]

ضیاء الحسن علوی طالبعلم دارالعلوم

نقشہ نصاب ندوۃ العلما

ہماری غرض اس نقشہ کے شایع کرنے سے یہ ہے کہ اسمیں جو کچھ غلطی یا اصلاح طلب بات ہو اس سے ہمکو مطلع کیا جائے

نقشہ نصاب سال اول

نمبر	اسباق: اول	دوم	سوم	ریاضی	تحریر	زبان ثانی	کیفیت
۱	میزان و منشعب	•	•	حساب بسیط سادہ ضرب [illegible]	خوشخطی	انگریزی	
۲	"	•	•	سہ عباراتی سوالات	"	"	
۳	"	•	•	جغرافیہ	"	"	
۴	صرف میر	نحو میر مع مائۃ عامل	•	"	"	"	
۵	"	خلاصہ	•	"	"	"	
۶	"	"	•	"	"	"	
۷	"	[illegible]	•	"	"	"	
۸	منتخبات عربیہ کتاب اول	"	•	"	"	"	
۹	"	"	•	"	"	"	

۵۱ نفح الطیب مطبوعہ مصر حصہ اول صفحہ ۳۵۴۔

سال دوم

۱	منتخبات نحو میر باب دوم	پارہ عم مع الترجمہ والترکیب		حساب	خوشخطی	زبان ثانی	
۲	〃	〃	.	جمع وتفریق وضرب تقسیم	〃	انگریزی	
۳	〃	〃	.	مرکب کے قواعد کی مشق	〃	〃	
۴	ہدایۃ النحو	کبریٰ	.	مع عبارتی سوالات	〃	〃	
۵	〃	〃	.	جغرافیہ حصہ اول نصف	〃	〃	
۶	〃	〃	.	بل صاحب	〃	〃	
۷	〃	〃	.	〃	〃	〃	
۸	〃	〃	.	〃	〃	〃	
۹	〃	〃		〃	〃	〃	

سال سوم درجہ ابتدائی

نمبر شمار	اسباق			ریاضی	تحریر	زبان ثانی	کیفیت
	اول	دوم	سوم				
۱	قدوری	اخوان الصفا	.	حساب	املانویسی	انگریزی	
۲	.	〃	.	اربعہ متناسبہ کسور عام	〃	〃	
۳	〃	〃	.	کسور اعشاریہ کسور متوالی	〃	〃	
۴	〃	صراط المستقیم ۵	.	جغرافیہ	〃	〃	
۵	〃	〃	.	بل صاحب نصف آخر	〃	〃	
۶	〃	〃	.	〃	〃	〃	
۷	〃	〃	.	〃	〃	〃	
۸	میراجی	میزان منطق	.	〃	〃	〃	
۹	〃	〃	.	〃	〃	〃	

۵ علامہ فاضل شیخ احمد زمانی مصری اس کتاب کے مصنف ہیں۔ اس میں مسائل کلامی اور اصول تفسیر کے بہت سے مسائل ہیں۔ ابتدائی تعلیم میں یہ جامع کتاب اور بیانہ طرز کی نہایت مفید ہے۔

نصاب درجہ متوسط دار العلوم

سال اول درجہ متوسط

[illegible]	اسباق: اول	اسباق: دوم	اسباق: سوم	ریاضی	تحریر	زبان ثانی	کیفیت
۱	واضح المسالک [۵۱]	شرح وقایہ ربع اول	سبعہ معلقہ	حساب	ترجمہ	میکملین یا	
۲	"	"	"	بستہ کسور اعشاریہ سود در سود	عربی سے اردو مین	لاہور غیر سٹ ریڈر	
۳	"	"	"	مستی کالم جبر فیصلہ	اردو سے عربی مین	"	
۴	"	"	"	[illegible] حصہ دوم	"	"	
۵	"	شمسیہ کامل	"	اقلیدس مقالہ	"	"	
۶	"	"	"	اول تا شکل ۲۶	"	"	
۷	"	"	مجموع الادب [۵۲]	"	"	"	
۸	"	"	"	"	"	"	
۹	"	"	"	"	"	"	

[۵۱] واضح المسالک اسے الفیہ ابن مالک کو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ الفیہ کی شرح ہے لیکن ایسا نہین ہے علم نحو کے نادر مسائل اسمین محققانہ طرز پہ درج کئے گئے ہین جاہلیت کے اشعار سے اکثر مقام مین استدلال کیا گیا ہے کتب متداولہ مین اسقدر نادر مسائل دوسری کتاب مین نہین ہین عبارات لطیف ادا ہی دلخوش آئند ہے ملا صاحب جمال الدین ابن یوسف کی تصنیف ہے [۵۲] یہ کتاب فی الواقع ادب اور فنون ادب کی جامع ہے معانی بیان ـ بدیع عروض کے مسائل توضیح اور بسط سے مذکور ہین شعراء اور آیات قرآنیہ سے جابجا استشہاد کیا ہے ادب کیلئے یہ کتاب نہایت ضروری ہے ـ شیخ ناصیف الیازجی البنانی کی تصنیف ہے

سال دوم درجہ متوسط

نمبر	اسباق: اول	دوم	سوم	ریاضی	تحریر	زبان ثانی	کیفیت
۱	ہدیہ سعیدیہ	مختصر معانی فن ۲	نور الانوار	حساب ختم	عربی میں	میکلیلیسنگ	
۱	〃	و بیان	〃	اقلیدس مقالہ اول	مضمون لکھنا	گرائمر ریڈر	
۳	〃	〃	〃	ختم مقالہ دوم	〃	〃	
۴	〃	〃	〃	〃	〃	〃	
۵	〃	متنبی نصف	〃	〃	〃	〃	
۶	شرح تہذیب نصف ثانی	〃	〃	〃	〃	〃	
۷	〃	〃	اقتصاد صفحہ	〃	〃	〃	
۸	〃	〃	〃	〃	〃	〃	
۹	〃	〃	〃	〃	〃	〃	

۵۱ علم کلام میں امام حجۃ الاسلام غزالیؒ کی نادر تصنیف ہے کتب متاخرین کی ماخذ ہے اسکے دیکھنے کے بعد شرح مواقف و شرح مقاصد کی حقیقت معلوم ہو سکتی ہے گو مختصر ہے۔ لیکن نہایت مفید ہے۔

سال سوم درجہ متوسط

۱	اعجاز القرآن	توضیح	کلام نصف اول	اقلیدس مقالہ	فتویٰ نویسی	تھرڈ ریڈر	
۲	〃	〃	〃	سوم ستہ تا فصل ۱۸	〃	میتھول کلام	
۳	〃	〃	〃	〃	〃	〃	
۴	〃	〃	〃	〃	〃	〃	
۵	تصریح	حماسہ	〃	〃	〃	〃	
۶	〃	〃	الہیات شرح حکمۃ العین	〃	〃	〃	
۷	〃	〃	〃	〃	〃	〃	
۸	〃	〃	〃	〃	〃	〃	
۹	〃	〃	〃	〃	〃	〃	

۵۲ قاضی امام ابوبکر باقلانی کی تصنیف ہے۔ اسمیں وجوہ اعجاز قرآنیہ سے بحث کی ہے۔ عرب العرباء کے بلیغ کلام اپنی مواقع میں پیش نیسا ہے کر حسن ادا۔ بلاغت قرآنیہ کے مقابل میں انکی یہ حقیقت ہے وجوہ اعجاز کو مابہ البحث مسائل کو جدا جدا عنوان قائم کرکے دکھایا ہے کہ اس خاص عنوان میں قرآن مجید کو ادائے مطالب۔ اسلوب بیان۔ طرز ادا میں یہ تفوق ہے۔

سال چہارم درجہ متوسط

[illegible]	اسباق: اول	اسباق: دوم	اسباق: سوم	ریاضی	تحریر	زبان ثانی	کیفیت
۱	سلم العلوم	دلائل الاعجاز ۵۱	ہدایہ ربع رابع	اقلیدس مقالہ چہارم	فتوی نویسی	نسفیلڈ گرامر	
۲	"	"	"	مساحت	"	و	
۳		"	" ۵۲	"	"	نسفیلڈ ریڈر	
۴	کلام الله نصف آخر	"	دروس الاولیہ فی علوم الطبعیہ	"	"	"	
۵	"	"	"	"	"	"	
۶	"	حجۃ الله البالغہ نصف اول	"	"	"	"	
۷	"	"	نقد الشعر ۵۳	"	"	"	
۸	"	"	"	"	"	"	
۹	کشف الادلہ ۵۴	"	"	"	"	"	

۵۱ اس کتاب کے مصنف امام الفن امام عبدالقاہر جرجانی ہیں مجتہدانہ طریقہ سے معانی و بیان کے مسائل لکھے ہیں۔ یہی کتاب اس فن کی تصنیف اور تالیف کی ماخذ ہے۔ اور مابعد کی تصانیف کی ہادی ہے ۵۲ دروس الاولیہ فی علوم الطبعیہ اسکی مصنف اس ابن جکسن ہیں جسکو معلم السعد الشدودی نے مکمل کیا ہے حال کی جدید طبعیات اور سائنس کو عربی زبان میں لکھا ہے۔ بعد آلات کی ہیئت اپنے مقام میں تصویر دی ہے۔ آجکل اسکی سخت ضرورت ہے۔ اسکے پڑھنے سے علوم جدیدہ میں بہت کچھ مہارت ہو سکتی ہے۔

۵۳ علامہ قدامہ ابن جعفر کی علم ادب میں نادر الوجود تصنیف ہے ۵۴ حکیم احمد ابن رشد اندلسی کی علم کلام میں نادر تصنیف ہے حکیمانہ طرز کا اسمین استدلال ہے گو مختصر ہے لیکن اپنے باب میں اعلیٰ تصنیف ہے۔

سال پنجم درجہ متوسط

۱	ہدایہ ربع ثالث	تفسیر بیضاوی	بخاری شریف	ہیات جدیدہ	فتوی نویسی	نسفیلڈ مڈل ریڈر	
۲	"	"	"	"	"	نسفیلڈ گرامر	
۳	"	"	"	"	"	"	
۴	"	ترمذی شریف مع رسالہ اصول حدیث	"	"	"	"	
۵	شرح حکمۃ الاشراق ۵۵	"	"	"	"	"	
۶	"	"	"	" "	"	"	
۷	"	"	"	"	"	"	
۸	"	"	"	"	"	"	
۹	"	"	"	"	"	"	

۵۵ حکمۃ الاشراق شیخ الاشراق کے شیخ اور امام۔ شیخ مقتول سہروردی کی کتاب حکمۃ الاشراق کی نادر شرح ہے اسکے شارح علامہ ابن قطب الدین شیرازی ہیں، گو یہ کتاب ارسطو کے فلسفہ کے مقابل میں ہے لیکن اسوقت بھی اسکی شہرت اور مقبولیت تھی جب ارسطو کا فلسفہ عالم مقبولیت کے کمالات میں تھا۔ اور اسی کا ہر مقام پر ترتیب دیا جاتا

فہرست چندہ رکنیت و عطیات ندوۃ العلماء

من ابتداء

یکم شوال ۱۳۲۲ھ لغایت سلخ ذیحجہ سنہ ۱۳۲۲ ہجری

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تعداد
	فہرست چندہ متفرق رکنیت و عطیات	
۱	منشی محمد شیر علی خانصاحب پنشنر انسپکٹر ساجہانپور	عہ ر
۲	جناب مولانا محمد لطف اللہ صاحب مفتی عدالت عالیہ حیدرآباد دکن	للعہ
۳	جناب مولوی محمد امانت اللہ صاحب مالیگڑ	عہ ر
۴	جناب مولوی نور حسین صاحب رئیس منشی خیل گیا	عہ ر
۱	جناب مولوی مہدی حسین صاحب معرفت مولوی حبیب احمد صاحب بنارس	عہ ر
۲	جناب قاضی رزاق اللہ صاحب اعلیٰ تھمبر وا اشراف مخدوم زادگان پانی پت	عہ ر
۳	جناب محمد عمران خانصاحب ڈپٹی انسپکٹر پانی پت	عہ ر
۴	جناب سید ظفر علی صاحب ہیڈ ماسٹر پانی پت	عہ ر
۵	جناب نواب زادہ فاخر احمد خانصاحب پانی پت	صہ ر

نمبر شمار	اسمائے گرامی	تعداد
۶	جناب فاخر احمد خانصاحب نائب ناظم معین الندوہ پانی پت	عہ ر
۷	جناب [illegible] احمد خانصاحب خلف فاخر احمد خانصاحب پانی پت	صہ ر
۸	چندہ جامع مسجد بموقعہ وعظ معرفت مولوی صاحب پانی پت	[illegible]
۹	جناب مولوی فضل احمد صاحب نظامی امروہہ ضلع مرادآباد	عہ ر
۱۰	جناب شیخ نبی بخش صاحب وکیل گورداسپور	عہ ر
۱۱	جناب مولوی محمد اشرف صاحب انسپکٹر مدارس گورداسپور	عہ ر
۱۲	جناب منشی نذیر احمد صاحب آفس قانون گورداسپور	عہ ر
۱۳	میرزا اظفر اللہ خانصاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بہادر گورداسپور	عہ ر

نمبر	نام	چندہ
۱۴	جناب خواجہ عبدالرحمن صاحب گورداسپور	۶؍
۱۵	جناب محمد یعقوب خانصاحب وکیل گورداسپور	۶؍
۱۶	جناب مسٹر محمد مظفر صاحب بیرسٹر ایٹ لا گورداسپور	۶؍
	میزان کل	[illegible]

فہرست چندہ [illegible] بمعرفت منشی عبدالقادر صاحب

نمبر	نام	چندہ
۱	جناب میر مشتاق احمد صاحب کلرک ملٹری دفتر شملہ	۶؍
۲	جناب ڈاکٹر نظام الدین صاحب رپن ہاسپٹل شملہ	۶؍
۳	جناب منشی احمد حسین علی صاحب کمپازیٹر گورنمنٹ پریس شملہ	۶؍
۴	جناب منشی عبدالستار صاحب شال مرچنٹ شملہ	۶؍
۵	جناب سید ولایت علی شاہ صاحب کلرک دفتر آب و ہوا شملہ	۶؍
۶	جناب بابو محمد اسمٰعیل صاحب شملہ	۶؍
۷	جناب بابو عبداللہ بیگ صاحب پروونشل ڈویژن دفتر شملہ	۵
۸	جناب مولوی امام الدین صاحب مدرس عربی گورنمنٹ سکول شملہ	۶؍
۹	جناب بابو عبدالاحد صاحب سب ایڈیٹر شملہ	[illegible]
۱۰	جناب غلام حسین صاحب خانساماں ملازم میس کونسل شملہ	۵
۱۱	جناب بابو نورالدین صاحب کلرک ریونیو ڈیپارٹمنٹ شملہ	۶؍
۱۲	جناب مولوی عطاءالرحمن صاحب ریونیو ڈیپارٹمنٹ شملہ	۶؍
۱۳	جناب بابو تاج الدین صاحب کلرک فنانشل ڈیپارٹمنٹ شملہ	۶؍
۱۴	جناب ڈاکٹر سید بہادر علی شاہ صاحب باونس کورٹ شملہ	۶؍
۱۵	جناب منشی عبداللہ صاحب کلرک باونس کورٹ شملہ	۶؍
۱۶	جناب میر قاسم شاہ صاحب انجینئر کالکا شملہ ریلوے شملہ	۵
۱۷	جناب حاجی عبدالعزیز صاحب ٹھیکہ دار ریلوے شملہ	۵
۱۸	جناب بابو عبدالغنی صاحب سب اوورسیر میونسپل کمیٹی شملہ	۶؍
۱۹	جناب عباس احمد صاحب مرحوم	

	خلف مولوی غلام محمد صاحب وکیل غدہ شملہ	عہ/
۳۰	جناب شیخ رحمت اللہ صاحب بیضہ فروش مارکٹ شملہ	صہ/
۳۱	جناب مولوی سید عبدالغفور صاحب دہلوی رئیس شملہ	عہ/
۳۲	جناب بابو محمد حسن خانصاحب مترجم سرکل امیری اسسٹنٹ فنانشل دیپارٹمنٹ شملہ	عہ/
۳۳	جناب بابو سعید الدین صاحب کلرک دفتر پرائیوٹ سکرٹری شملہ	عہ/
۳۴	جناب بابو غلام سرور صاحب ڈپٹی انسپکٹر پولیس شملہ	عہ/
۳۵	جناب منشی فتح محمد خانصاحب اسسٹنٹ پرائیوٹ سکرٹری جناب نواب صاحب بہادر والی مالیرکوٹلہ شملہ	عہ/
۳۶	جناب مولوی ابوالمعالی حماد صاحب کلرک ملٹری دیپارٹمنٹ شملہ	عہ/
۳۷	جناب میر محمد خانصاحب بی۔اے ایل۔ایل۔بی شملہ	عہ/
۳۸	جناب بابو محمد حسن صاحب جنرل ریکارڈ کیپر پبلک ورکس دیپارٹمنٹ	عہ/

۲۹	جناب جہانگیر خانساماں	عہ/
۳۰	جناب محمد دائم صاحب ساکن ہنپوری	عہ/
۳۱	جناب عبدالرحمن وعبدالغفور صاحبان سوداگران شملہ	عہ/
۳۲	جناب نبی بخش صاحب بھکن پوری شملہ	صہ/
۳۳	جناب محمد نذیر خانصاحب معرفت محمد حسین صاحب سکنہ ٹینہ شملہ	عہ/
۳۴	جناب بابو خضر محمد صاحب ٹائمز پریس شملہ	عہ/
۳۵	جناب منشی عبدالقادر صاحب نائب آرمی پریس شملہ	ے/
۳۶	جناب محمد صابر جو صاحب رئیس وسوداگر شملہ	عہ/
۳۷	جناب خواجہ عبدالاحد صاحب رئیس شملہ	عہ/
۳۸	جناب میرزا شیر محمد صاحب ہیڈ ڈرافٹس مین پبلک ورکس شملہ	عہ/
۳۹	جناب بابو فتح الٰہی صاحب ڈرافٹس مین پبلک ورکس شملہ	عہ/
۴۰	جناب میر جمال الدین صاحب اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ پبلک ورکس شملہ	عہ/
۴۱	جناب منشی فضل الرحمن ڈرافٹس مین پبلک	عہ/

	[illegible] ڈیپارٹمنٹ شملہ	۱؎
۴۲	جناب بابو نور بخش صاحب ڈراٹسمین	
	پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ شملہ	۶
۴۳	جناب بابو محمد جعفر علی صاحب پبلک ورکس شملہ	
۴۴	جناب مولوی منیرالدین صاحب اڈیٹر	
	گورنمنٹ پریس شملہ	
۴۵	جناب عبدالرب صاحب خلف مولوی	
	منیرالدین صاحب	۶

فہرست چندہ اشاعت الاسلام بسعی مولوی غلام محمد صاحب

۱	جناب حاجی محمد اسحاق صاحب تاجر	
	صدر بازار دہلی	
۲	جناب حاجی احمد جان صاحب تاجر	
	صدر بازار دہلی	
۳	جناب شیخ میون بخش صاحب تاجر	
	صدر بازار دہلی	
۴	جناب حاجی غلام جیلانی صاحب	
	سوداگر صدر بازار دہلی	
۵	جناب قادر بخش محمد اسحاق صاحبان	
	تاجران صدر بازار دہلی	
۶	جناب حاجی کرم الٰہی و محمد شفیع	
	صاحبان تاجران صدر بازار دہلی	عه

۷	جناب الٰہی بخش و نور بخش صاحبان	
	تاجران صدر بازار دہلی	۶
۸	جناب حاجی عبدالرحمن و عزیز الرحمن	
	صاحبان تاجران صدر بازار دہلی	۶
۹	جناب فضل الٰہی عبدالحق صاحبان تاجران	
	صدر بازار دہلی	۶
۱۰	جناب مولوی مشتاق حسین صاحب	
	وقار الملک بہادر رئیس امروہہ ضلع	
	مراد آباد	
	میزان کل	

فہرست چندہ زکوٰۃ

۱	جناب احمد نور صاحب تاجر قصبہ	
	ٹانڈہ ریاست رامپور	عه
۲	جناب محمد اسحاق صاحب تاجر قصبہ	
	ٹانڈہ ریاست رامپور	عه
۳	جناب مولوی الطاف الرحمن صاحب	
	دوکاندار قصبہ ٹانڈہ ریاست رامپور	۸
۴	جناب مولوی حکیم عبدالرحمن صاحب	
	قصبہ ٹانڈہ ریاست رامپور	عه
۵	جناب محمد اکبر صاحب تاجر قصبہ ٹانڈہ	
	ریاست رامپور	عه

۶	... علی صاحب ناظر قصبہ ... ریاست رامپور	عہ/

فہرست چندہ معین الندوہ شملہ بابت ... معرفت بابو عبدالقادر صاحب ناظم ندوۃ

۱	جناب مولوی غلام محمد شملوی وکیل ندوہ شملہ	عہ
۲	جناب بابو عبدالقادر صاحب ناظم معین الندوہ شملہ	صہ/
۳	جناب مولوی غلام محی الدین صاحب سپرنٹنڈنٹ ٹور آفس پنجاب شملہ	امعہ/
۴	جناب کبیر جو صاحب سوداگر اپر بازار شملہ	صہ/
۵	چندہ عید الضحیٰ براسے یتامی شملہ	للعہ
۶	قیمت دو عدد کھال قربانی عطیہ جناب بابو عبدالقادر صاحب ناظم معین الندوہ شملہ	سہہ/
۷	چرم قربانی دو عدد عطیہ جناب بابو عبدالعزیز صاحب سٹورکیپر میونسپل کمیٹی شملہ	سہہ/
۸	چرم قربانی یکعدد عطیہ جناب بابو محمد جہانگیر خانصاحب کونٹنٹ شملہ	عہ/ ۱۰آ

۹	میاں غلام قادر صاحب چرم قربانی یکعدد شملہ	عہ/ ۱۰آ
۱۰	جناب منشی فخرالدین خانصاحب رئیس شملہ چرم قربانی یکعدد شملہ	عہ/ ۱۰آ
۱۱	جناب خلیفہ پیر بخش صاحب چرم قربانی یکعدد شملہ	عہ/ ۱۰آ
۱۲	جناب محمد صدیق صاحب چرم قربانی یکعدد شملہ	عہ/ ۱۰آ
۱۳	جناب مولوی غلام محمد صاحب وکیل ندوہ چرم قربانی یکعدد	سہہ/
۱۴	جناب عبدالغفور صاحب گاذر چرم قربانی یکعدد	عسہ
۱۵	جناب عبدالغنی صاحب ٹھیکہ دار سوجی لین شملہ	۸/
۱۶	جناب حسین بخش صاحب ٹھیکہ دار سوجی لین شملہ	۸/
۱۷	جناب بابو عبدالعزیز صاحب سٹور کیپر میونسپل شملہ	...
۱۸	جناب حافظ نظیر حسین صاحب فرخ آبادی فرخ آباد	۸/
۱۹	خلیل الرحمٰن صاحب فرخ آباد	۸/

۲۰	جناب شیخ نبی بخش صاحب وکیل گورداسپور	۱عہ
۲۱	جناب مولوی محمد اشرف صاحب ڈاکٹر انسپکٹر مدارس گورداسپور	۱
۲۲	جناب مرزا مظفر اللہ خان صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بندوبست گورداسپور	۵
۲۳	جناب خواجہ عبدالرحمن صاحب رئیس	صہ
۲۴	جناب شیخ علی احمد صاحب وکیل گورداسپور	۵
۲۵	جناب محمد یعقوب خان صاحب وکیل گورداسپور	ے
۲۶	جناب چودہری اللہ داد صاحب افسر قانونگویان گورداسپور	۲ر
	میزان کل مد زکوٰۃ معرفت معین الندوہ شملہ	[illegible]

فہرست چندہ دہندگان دارالعلوم من ابتداے یکم شوال ۱۳۲۳ سنہ تا نہایت سلخ ذیحجہ ۱۳۲۳ سنہ معرفت ناظم صاحب معین الندوہ

۱	جناب محمد روشن صاحب	۴ر
۲	جناب عبدالقادر صاحب ٹھیکہ دار	عہ
۳	جناب محمد حسن خان صاحب پٹیالوی	عہ
۴	جناب پیرجی حبیب اللہ صاحب امام مسجد	صہ
۵	جناب الٰہی بخش صاحب رنگساز	عہ
۶	نام نامعلوم	۵
۷	جناب منشی عبدالرحمن صاحب شال مرچنٹ شملہ	صہ
۸	جناب سید محمد علی صاحب چشتی دہلوی	عہ
۹	جناب منشی سیف الدین صاحب سپلائی رجمنٹ شملہ	عہ
۱۰	جناب مولوی واحد علی صاحب [illegible] گورنمنٹ پریس شملہ	۱
۱۱	چندہ در محفل میلاد بر مکان منشی محمد حسین صاحب ساکن [illegible]	۴ر
۱۲	جناب حافظ محمد بخش صاحب کلرک دفتر آب و ہوا شملہ	۱ر
۱۳	چندہ در محفل میلاد شریف بر مکان محمد بخش صاحب واقع ہوٹل عبدالغفور	۴
۱۴	جناب میاں جمل سردار ساکن [illegible] ملازم جنرل ایلس صاحب	عہ
۱۵	جناب میاں رمضان خانساماں ملازم جنرل ایلس صاحب	عہ
۱۶	جناب بابو عبداللطیف صاحب نقشہ نویس سوجی لین شملہ	عہ
۱۷	جناب بابو عبدالحکیم صاحب سب اوورسیر	

نمبر	نام	رقم
	سوداگرین شملہ ۱	عہ ر
۱۸	جناب محمد ابراہیم صاحب شال مرچنٹ لدھیانوی	عہ ر
۱۹	جناب محمد اسد اللہ صاحب شال مرچنٹ لدھیانوی	عہ ر
۲۰	جناب خواجہ غلام محمد صاحب شال مرچنٹ لدھیانوی	عہ ر
۲۱	نام نامعلوم	۲ ر
۲۲	جناب بابو عبد الغفار صاحب کلرک اگزامینرس آفس شملہ	عہ ر
۲۳	جناب بابو عبد اللہ صاحب کلرک اگزامینرس آفس شملہ	۴ ر
۲۴	جناب بابو محمد جہانگیر صاحب اکاؤنٹنٹ اگزامینرز آفس شملہ	عہ ر
۲۵	جناب منشی غلام قادر صاحب کلرک اگزامینرز آفس شملہ	۴ ر
۲۶	جناب بابو عبد المجید صاحب کلرک اگزامینرس آفس شملہ	۴ ر
۲۷	جناب بابو دین محمد صاحب کلرک اگزامینرس آفس شملہ	۸ ر
۲۸	جناب بابو محمد حسین صاحب اگزامینر	

نمبر	نام	رقم
	آفس شملہ	۴ ر
۲۹	جناب بابو سراج الدین صاحب کلرک دفتر ڈائرکٹر جنرل ہسٹری ورکس	۳ ر
۳۰	جناب بابو عبد الحکیم صاحب شملہ	۴ ر
۳۱	جناب بابو امداد حسین صاحب سرجن پارٹی شملہ	۲ ر
۳۲	جناب محمد بخش صاحب بیضہ فروش شملہ	عہ
۳۳	جناب میاں عیدو صاحب بیضہ فروش شملہ	۴ ر
۳۴	جناب میاں نہال صاحب بیضہ فروش شملہ	۲ ر
۳۵	جناب اللہ دیا صاحب نان بائی شملہ	۰ ر
۳۶	جناب میاں گلاب صاحب بیضہ فروش شملہ	۲ ر
۳۷	جناب میاں نانو صاحب بیضہ فروش شملہ	۲ ر
۳۸	جناب میاں جان محمد صاحب بیضہ فروش شملہ	۴ ر
۳۹	جناب میاں محبوب بخش صاحب بیضہ فروش شملہ	عہ ر
۴۰	جناب میاں کرم بخش صاحب بیضہ	

نمبر	نام	رقم
	فروش شملہ	سہر
۴۱	جناب میاں سوندھا صاحب بیفہ فروش شملہ	۴ر
۴۲	جناب میاں کالو صاحب بیفہ فروش شملہ	۱ر
۴۳	جناب میاں گامو صاحب بیفہ فروش شملہ	۸ر
۴۴	جناب میاں سوداگر صاحب بیفہ فروش شملہ	۲ر
۴۵	جناب میاں نبی بخش صاحب بیفہ فروش شملہ	۲ر
۴۶	جناب میاں رلو صاحب بیفہ فروش شملہ	۴ر
۴۷	جناب میاں محمد عظیم صاحب بیفہ فروش شملہ	سہر
۴۸	جناب میاں نبی بخش صاحب میوہ فروش شملہ	۲ر
۴۹	جناب منشی سوندھا صاحب تاجر چرم شملہ	۸ر
۵۰	اہلیہ محمد صدیق صاحب مرحوم شملہ	۱۲ر
۵۱	جناب میاں غنی خان صاحب ٹھیکہ دار سوجی لین شملہ	سہر
۵۲	جناب سید حسن صاحب انسپکٹر ڈاکخانہ جات شملہ	[illegible]ر
۵۳	جناب بابو عبدالقادر صاحب سنگر معین اللہ و شملہ	[illegible]
۵۴	جناب سید واجد علی صاحب زار دہلوی	سہر
۵۵	جناب بابو مولا بخش صاحب کلرک دفتر آب وہوا شملہ	عہر
۵۶	جناب بابو وحید علی صاحب کلرک دفتر آب وہوا شملہ	عہر
۵۷	جناب بابو عبدالعزیز صاحب کلرک دفتر آب وہوا شملہ	۲ر
۵۸	جناب بابو باس دیو صاحب کلرک دفتر آب وہوا شملہ	۴ر
۵۹	جناب بابو حسین شاہ صاحب کلرک دفتر آب وہوا شملہ	سہر
۶۰	جناب بابو سید برکت علی صاحب کلرک دفتر آب وہوا شملہ	۸ر
۶۱	جناب بابو محمد یوسف صاحب کلرک دفتر آب وہوا شملہ	سہر
۶۲	جناب بابو غلام قادر صاحب کلرک دفتر آب وہوا شملہ	سہر
۶۳	چندہ متفرق از دفتر آب وہوا شملہ	عہر
۶۴	شیخ کرامت علی صاحب ریلوے آفس شملہ	۲ر
۶۵	جناب میاں کریم الدین صاحب ریلوے آفس شملہ	۱ر
۶۶	جناب منشی محمد اسمٰعیل صاحب دکاندار لوور بازار شملہ	عہر

۶۷	جناب سراج الدین صاحب شملہ ۱	عہ/	۸۸	جناب شاہ میر صاحب شملہ	عہ/
۶۸	جناب حسین بخش صاحب شملہ	عہ/	۸۹	جناب سید غلام نبی صاحب شملہ	عہ/
۶۹	جناب عبد الغفور صاحب ساکن جلپور شملہ	عہ/	۹۰	جناب عبد الرحمن صاحب شملہ	عہ/
۷۰	جناب حسین بخش صاحب شملہ	عہ/	۹۱	جناب عبد الرحیم صاحب شملہ	عہ/
۷۱	جناب محمد حسین صاحب مرادآبادی شملہ	عہ/	۹۲	جناب نور الٰہی صاحب شملہ	۴/
۷۲	جناب فضل حسن صاحب شملہ	عہ/	۹۳	جناب زاہد حسین صاحب شملہ	۴/
۷۳	جناب عبد العزیز صاحب شملہ	عہ/	۹۴	جناب فضل الرحمن صاحب دہلوی عطار شملہ	۴/
۷۴	جناب عنایت صاحب شملہ	عہ/	۹۵	جناب غلام نبی صاحب شملہ	۲/
۷۵	جناب عبد الرحمن صاحب شملہ	عہ/	۹۶	جناب مرزا نذر بیگ صاحب شملہ	۴/
۷۶	جناب ظہور علی صاحب شملہ	عہ/	۹۷	جناب علی باز میر صاحب شملہ	عہ/
۷۷	جناب امجد حسین صاحب شملہ	۲/	۹۸	نام نامعلوم شملہ	۴
۷۸	جناب سخاوت حسن صاحب شملہ	عہ/	۹۹	جناب منشی فضل احمد صاحب عطار شملہ	۲/
۷۹	جناب حبیب خان صاحب شملہ	عہ/	۱۰۰	جناب منشی عبد الغفور صاحب شملہ	۴/
۸۰	جناب عبد الرزاق صاحب شملہ	عہ/	۱۰۱	متفرق چندہ در مسجد	[illegible]
۸۱	جناب فخر الدین صاحب شملہ	عہ/	۱۰۲	جناب بابو عبد العزیز صاحب سٹور کیپر	
۸۲	جناب علی نواز صاحب شملہ	عہ		میونسپل کمیٹی شملہ	عہ/
۸۳	جناب قیام الدین صاحب شملہ	عہ/	۱۰۳	جناب سید نثار احمد صاحب ٹین ساز شملہ	عہ/
۸۴	جناب سلیم الدین صاحب شملہ	عہ	۱۰۴	جناب بابو پیر محمد صاحب سٹور کیپر واٹر ورکس شملہ	عہ/
۸۵	جناب فضل الحسین صاحب شملہ	۲/	۱۰۵	جناب بابو حبیب اللہ صاحب کمپازیٹر	
۸۶	جناب عبد اللہ صاحب شملہ	عہ/		گورنمنٹ پریس شملہ	عہ/
۸۷	جناب عبد اللہ صاحب شملہ	عہ/	۱۰۶	متفرق چندہ در محفل میلاد شریف	۱۲/

۱۰۷	جناب محمد اکرام اللہ صاحب شملہ	۸ر	۱۲۳	جناب عبدالرحمن صاحب خیاط شملہ	ار
۱۰۸	جناب مولوی غلام محمد صاحب وکیل مدوکا شملہ	۸ر	۱۲۴	جناب عزیز دار صاحب دوکاندار شملہ	۴ر
۱۰۹	جناب میر خان صاحب شملہ	۲ر	۱۲۵	جناب عزیز خان عبدالقدوس صاحبان دوکاندار شملہ	۸ر
۱۱۰	جناب مولا بخش صاحب خانساماں ملازم جنرل ملیس (?)	عہ	۱۲۶	جناب کمال دار صاحب دوکاندار شملہ	۴ر
۱۱۱	جناب بابو محمد حسن صاحب وہیج (?) سیونسپل کمیٹی شملہ	عہ	۱۲۷	جناب نبی بخش صاحب لاہوری سوداگر شملہ	عہ
۱۱۲	جناب بابو علی احمد خان صاحب نقشہ نویس سیونسپل کمیٹی شملہ	۴ر	۱۲۸	جناب بابو چراغ الدین صاحب کشن عبداللہ (?) گورنمنٹ پریس شملہ	۸ر
۱۱۳	جناب مرزا محمد بیگ صاحب دندان ساز بازار ریزیڈنسی شملہ	عہ	۱۲۹	جناب مولا بخش و گوجر صاحبان خیاط ایر بازار شملہ	۸ر
۱۱۴	جناب جان محمد صاحب گھڑی ساز بازار شملہ	۳ر	۱۳۰	جناب ڈاکٹر معراج الدین صاحب شملہ	عہ
۱۱۵	جناب میاں کریم بخش صاحب مرغی فروش شملہ	۴ر	۱۳۱	جناب علی بخش صاحب قلعی گر لوور بازار شملہ	۴ر
۱۱۶	جناب منشی علی محمد صاحب سوداگر مرغی شملہ	عہ	۱۳۲	متفرقات زنڈل و لوور بازار شملہ	۱۲ر
۱۱۷	جناب محمد جو سوداگر شملہ	۸ر	۱۳۳	جناب عالم دین صاحب ٹھیکہ دار شملہ	۴ر
۱۱۸	جناب محمد جو امیر صاحبان سوداگر شملہ	عہ	۱۳۴	جناب محمد جو صاحب خیاط شملہ	۲ر
۱۱۹	جناب عبدالرحمن صاحب لدھیانوی سوداگر شملہ	۴ر	۱۳۵	جناب احمد جو صاحب خیاط شملہ	۱۰ر
۱۲۰	جناب بابو محمد عمر صاحب مالک مڈیکل ہال شملہ	عہ	۱۳۶	جناب رمضان جو کوئلہ فروش شملہ	۲ر
۱۲۱	جناب محمد جو دوکاندار ایر بازار شملہ	۴ر	۱۳۷	جناب عبدالغفار صاحب ماسٹر ٹیلر شملہ	۲ر
۱۲۲	جناب عبداللہ شاہ صاحب دوکاندار شملہ	۴ر	۱۳۸	جناب صمد جو صاحب شملہ	۲ر
			۱۳۹	جناب نبی بخش صاحب آہنگر شملہ	۴ر

نمبر	نام	رقم
۱۴۰	جناب غلام نبی صاحب خیاط شملہ	۲ر
۱۴۱	جناب سید شریف حسین صاحب سوداگر شملہ	عہ ر
۱۴۲	جناب عبد القدوس صاحب قلعی گر ... شملہ	۸ر
۱۴۳	جناب رحمت اللہ صاحب دوکاندار شملہ	۴ر
۱۴۴	جناب حسین بخش صاحب جفت فروش شملہ	۸ر
۱۴۵	جناب محمد شفیع صاحب خانساماں شملہ	۲ر
۱۴۶	جناب ماسٹر عبد العزیز صاحب برانچ سکول شملہ	۴ر
۱۴۷	جناب محمد اسمعیل خاں صاحب جفت فروش شملہ	۸ر
۱۴۸	جناب نبی بخش صاحب جفت فروش شملہ	۴ر
۱۴۹	جناب وزیر الدین صاحب زرگر شملہ	۴ر
۱۵۰	جناب منشی نثار احمد صاحب اگہ بی سار شملہ	۴ر
۱۵۱	جناب بابو عبد اللطیف صاحب شملہ	ر
۱۵۲	جناب عزیز الدین صاحب دکاندار سولا بائی	۸ر
۱۵۳	جناب بشیر احمد خاں صاحب نان پز شملہ	عہ ر
۱۵۴	جناب نعمت خاں صاحب سارجنٹ نویس شملہ	عہ ر
۱۵۵	متفرق چندہ در محفل میلاد شریف واقع جامع مسجد شملہ	۱۲
۱۵۸	جناب منشی فیاض الدین صاحب سپروائزر گورنمنٹ پریس شملہ	عا ر
۱۵۹	جناب منشی گوہر علی صاحب الہ آبادی	عہ ر
۱۶۰	جناب سید تحمل حسین صاحب ملازم گورنمنٹ پریس شملہ	عہ ر
۱۶۱	جناب منشی امداد حسین صاحب نگر	۴ر
۱۶۲	جناب کریم بخش صاحب دوکاندار شملہ	۴ر
۱۶۳	جناب محمد لطیف صاحب ملازم گورنمنٹ پریس شملہ	۲ر
۱۶۴	جناب منشی قطب علی صاحب الہ آبادی ملازم گورنمنٹ پریس شملہ	عہ ر
۱۶۵	جناب شیخ مولا بخش صاحب ملازم فنانس دیپارٹمنٹ شملہ	۸ر
۱۶۶	جناب میاں نبی بخش صاحب اسٹیبلر شملہ	ع
۱۶۷	جناب تہا سنگھ صاحب نقشہ نویس پبلک ورکس دیپارٹمنٹ شملہ	عا
۱۶۸	جناب بابو رام سنگھ صاحب نقشہ نویس پبلک ورکس دیپارٹمنٹ شملہ	عا
۱۶۹	جناب بابو کریم بخش صاحب نقشہ نویس پبلک دفتر شملہ	عہ ر
۱۷۰	جناب محمد اسحاق صاحب پبلک دفتر شملہ	۴ر
۱۷۱	جناب منشی عبد الرحیم صاحب پبلک دفتر شملہ	۲ر
۱۷۲	جناب منشی غلام احمد صاحب پبلک دفتر شملہ	۸ر
۱۷۳	جناب منشی عبد الحمید صاحب پبلک دفتر شملہ	۸ر

۱۷۴	جناب منشی جمال الدین صاحب کلرک دفتر شملہ	۸ر
۱۷۵	جناب منشی ممتاز حسین صاحب کلرک دفتر شملہ	۸ر
۱۷۶	جناب منشی برکت علی صاحب کلرک دفتر شملہ	عہ ر
۱۷۷	جناب منشی فخر الدین صاحب کلرک دفتر شملہ	۸ر
۱۷۸	جناب بابو پرتاب سنگھ صاحب کلرک دفتر شملہ	۸
۱۷۹	جناب بابو [illegible] رام صاحب کلرک دفتر شملہ	۸
۱۸۰	جناب بابو انت رام صاحب کلرک دفتر شملہ	۴ر
۱۸۱	جناب بابو [illegible] چند صاحب کلرک دفتر شملہ	۴ر
۱۸۲	جناب میر فرزند علی شاہ صاحب گورنمنٹ پریس شملہ	عہ ر
۱۸۳	جناب بابو گوکل رام صاحب کلرک دفتر شملہ	۴ر
۱۸۴	جناب بابو گھنانند صاحب کلرک دفتر شملہ	عہ ر
۱۸۵	جناب بابو متیانند صاحب کلرک دفتر شملہ	۸ر
۱۸۶	جناب میر قاسم شاہ صاحب انجینیر شملہ کالکا ریلوے	عــہ
۱۸۷	معرفت بابو غلام محی الدین صاحب ایلائنس بنک شملہ	۱۰ر
۱۸۸	معرفت منعم الدین اگزامینر گورنمنٹ پریس شملہ	۵ر
۱۸۹	جناب منعم الدین صاحب اگزامینر گورنمنٹ پریس شملہ	۱۱۵
۱۹۰	معرفت بابو [illegible] صاحب کلرک [illegible] گورنمنٹ [illegible]	

چندہ عید الفطر [illegible] دار العلوم [illegible] سے
میزان کل [illegible]

فہرست چندہ متفرق دارالعلوم

۱	جناب منشی احتشام علی صاحب رئیس کاکوری	۵عہ
۲	جناب سید مقبول الرحمن صاحب ردولی	۵عہ
۳	جناب مولوی عبد القادر صاحب ڈپٹی کلکٹر [illegible]	صہ ر
۴	جناب مولوی خلیل الرحمن صاحب فرخ آبادی معرفت حافظ نظر حسن صاحب	عہ ر
۵	جناب محمد ظہور صاحب سوداگر فرخ آبادی معرفت حافظ نظر حسن صاحب	

فہرست چندہ سرمایہ دار العلوم

۱	جناب شیخ رحمت اللہ صاحب ٹھیکہ دار محلہ کہرول ضلع مراد آباد	۶ر
۲	جناب منشی فدا علی صاحب تحصیلدار قصبہ ٹانڈہ ضلع رامپور	۶ر
۳	جناب عبد الرحیم صاحب ٹھیکہ دار قصبہ ٹانڈہ ریاست رامپور	۶
۴	جناب مولوی فدا علی صاحب رئیس کندرکی ضلع مراد آباد	عہ ر

۵	جناب قاضی مقبول احمد صاحب رئیس کندرکی	عہ ر
۶	جناب سید محمد حسین صاحب رئیس کندرکی	عہ ر
۷	جناب سید حکیم سید حسن صاحب رئیس کندرکی	عہ ر
۸	جناب منشی امداد حسین صاحب کوتوال رامپور	صہ ر
۹	جناب خواجہ ابوالحسن صاحب خانساماں توشہ خانہ نواب رامپور دام	صہ ر

فہرست چندہ دہندگان وظائف طلبہ

۱	جناب مولوی عبد الباری صاحب تاجر چرم کولوٹولہ دھرم تلہ لین نمبر ۱۶ کلکتہ	مہ
۲	جناب مولوی حکیم سید علی صاحب جوئنٹ مجسٹریٹ پربھنی ضلع حیدرآباد دکن	
	میزان کل	عہ ۵

دستور العمل

۱- یہ رسالہ ہر عربی مہینے کے پہلے ہفتے میں شائع کیا جائے گا۔

۲- اس رسالے کی ضخامت عموماً ۲۰،۲۰ صفحے ہوگی۔

۳- اس رسالہ کا مقصد علوم اسلامیہ کا احیاء اور علوم قدیمہ و جدیدہ کا موازنہ ہے۔ اسکے ساتھ حسب ذیل مضامین [illegible]

(۱) عربی زبان کی نادر الوجود کتابوں پر تقریظ و تنقید۔

(۲) ممالک اسلامیہ میں آجکل جو کتابیں لکھی جا رہی ہیں اُن پر تقریظ۔

(۳) اکابر سلف کی سوانح عمریاں جسمیں زیادہ تر اُن کے اجتہادات سے بحث ہوگی۔

(۴) نصاب تعلیم مروجہ پر بحث۔

(۵) ندوۃ العلماء کے متعلق حالات۔

(۶) علمی خبریں۔

۴- چونکہ دقیق مضامین سے عام لوگوں کو دلچسپی نہیں ہو سکتی اسلئے ہر پرچے میں ایک دو دقیق مضامین [illegible] اور باقی عام فہم اور آسان ہونگے۔

۵- یہ رسالہ دو قسم کے کاغذ پر چھپے گا۔ اول قسم کی قیمت مع محصول ۳ر اور دوسرے قسم کی قیمت مع محصول دو روپے سالانہ ہوگی۔ نمونے کا پرچہ قسم اول ۴ر اور قسم دوم ۲ر آنے پر روانہ کیا جائیگا۔

۶- کل خط و کتابت منیجر رسالہ کے نام دفتر ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتہ سے کیجائے اور روپیہ بھی اسی پتہ سے بھیجا جائے۔

۷- جس کے پاس کسی مہینے میں رسالہ نہ پہنچے تو اُسی مہینے میں اسکی اطلاع دینی چاہئے ورنہ تعمیل [illegible]

۸- جو صاحب خط لکھیں وہ اپنا نام صاف و واضح خط میں لکھیں اور فیڈک کا نمبر بھی ضرور دیا کریں۔

سید عبد الحی

منیجر رسالہ

الندوہ

ماہ ربیع الاول [illegible] | جلد [illegible]

مطابق [illegible]

مجلس ندوۃ العلماء کا ماہوار علمی رسالہ

جس کا مقصد

علوم اسلامیہ کا احیاء، تطبیق معقول و منقول، اور علوم قدیمہ و جدیدہ کا موازنہ ہے

مرتبہ

شمس العلماء مولوی شبلی نعمانی و مولوی حبیب الرحمن صاحب شروانی

فہرست مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
[illegible] اسلام		۱—[illegible]
[illegible] کی کتابیں	مولوی عبداللہ صاحب عمادی	۲۴—۲۸
[illegible]		۲۹—[illegible]

باہتمام محمد عبدالولی آسی [illegible] لکھنؤ چھپ کر

[illegible] شائع ہوا

ضروری اطلاع

الندوہ کا یہ گیارھوان نمبر ہی بارھوین نمبر کے نکلنے پر، خریداری کا ایک سال پورا ہو جائے گا، اسلیے اطلاعاً گزارش ہے کہ بارھوین نمبر کے بعد کا پرچہ تمام خریدارون کی خدمت مین (قدیم خریدار ہون یا جدید) ویلو روانہ ہوگا اگر کسی صاحب کو آیندہ، پرچہ کی خریداری منظور نہ ہو تو ہمکو مطلع فرمائین تاکہ اُن کی خدمت مین ویلو نہ بھیجا جائے۔

دستخط

منیجر الندوہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ

پردہ اور اسلام

یورپ کی عامیانہ تقلید نے ملک مین جو نئے مباحث پیدا کردیے ہین، ان مین ایک یہ مسئلہ بھی ہی، اگر اس مسئلہ پر صرف عقلی پہلو سے بحث کی جاتی تو ہمکو دخل درمعقولات کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ لیکن ساتھ ہی یہ دعوی کیا جاتا ہی کہ خود مذہب اسلام مین پردہ کا حکم نہین، اور اس سے بڑھکر یہ کہ قرون اولی مین پردہ کا رواج بھی نہ تھا، نئے تعلیم یافتہ گروہ کے سب سے مشہور اور مستند مصنف (مولوی امیر علی) نے ۱۸۹۹ء مین رسالۂ نائنٹین سنچری مین مسلمان عورتون کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا جس مین وہ تحریر فرماتے ہین

"یہ لمبا برقع۔ نقاب۔ اور خمار، سلجوقیون کے آخری زمانہ مین شائع ہوا اور"
"جس قسم کا پردہ آج کل مسلمانان ہند مین رائج ہی خلفا کے زمانہ مین اس کا"

"کہین نام و نشان نہ تھا، بلکہ برعکس اس کے اعلیٰ طبقے کی عورتین بلا برقع"

"کے مردون کے سامنے آتی تھین۔"

" ساتوین صدی ہجری کے وسط مین جب خلفا ضعیف ہوئے اور تاتاریون "

"نے اسلامی حکومت کو درہم برہم کیا تو اُس وقت علما مین اس پر نزاع ہوئی "

"کہ عورتین اپنے ہاتھ منہ اور پاؤن اجنبیون کے سامنے کھول سکتی ہین یا نہین۔"

اس موقع پر عبرت کے قابل یہ امر ہو کہ اسلام کی تاریخ اور اسلام کے مسائل کی تعبیر کرنے والے دو گروہ ہو سکتے تھے، علماے قدیم۔ اور جدید تعلیم یافتہ۔ علما کا یہ حال ہو کہ اُن کو زمانہ کی موجودہ زبان مین بولنا نہین آتا، جدید تعلیم یافتہ لوگون کے مبلغ علم کا اُس عبارت سے اندازہ ہوسکتا ہو جو ابھی اوپر گزر چکی، لیکن بدقسمتی سے یہی دوسرا گروہ قومی لٹریچر پر قبضہ کرتا جاتا ہو۔ اور چونکہ غیر قومون کے کانون مین صرف اسی گروہ کی آواز پہنچتی ہو، اسلیے مسائل اور تاریخ اسلام کے متعلق آیندہ زمانہ مین اسی گروہ کی آواز اسلام کی آواز سمجھی جائیگی ہم اس مضمون مین صرف تاریخی پہلو سے بحث کرتے ہین اور یہ دکھانا چاہتے ہین کہ عرب مین اسلام سے پہلے پردہ کی کیا حالت تھی۔ پھر تمام اسلامی دنیا مین پردہ کے متعلق کیا طریق عمل رہا۔

مدت ہوئی ہمنے اس مضمون کے پہلے حصے پر ایک بسیط مضمون لکھا تھا، پہلے اُس کو بعینہٖ اس مقام پر درج کرتے ہین۔

اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ قدرت نے مرد اور عورت کو بعض خصوصیتون مین ایک دوسرے سے ممتاز پیدا کیا ہو۔ لیکن تمدن نے اُن قدرتی خصوصیتون

کے علاوہ اور بھی بہت سے امتیاز قائم کردیے ہین۔ جو ہر قوم۔ ہر فرقہ۔ ہر ملک مین جدا جدا صورتون مین نظر آتے ہین۔ دنیا کے نہایت ابتدائی زمانہ مین غالبًا مردون اور عورتون کے لباس۔ وضع۔ طور۔ طریقے۔ بالکل یکسان رہے ہونگے اور بجز قدرتی خصوصیتون کے کوئی چیز اُنکو ایک دوسرے سے جدا نہ کرسکتی ہوگی لیکن تمدن کو جسقدر وسعت ہوتی گئی اُسیقدر یہ باہمی امتیازات بڑھتے گئے رفتہ رفتہ یہان تک نوبت پہونچی کہ آج دونون کے طریق تمدن اور معاشرت مین بہت کم چیزین باقی رہ گئین جو مشترک کہی جا سکتی ہین۔

دنیا کی ابتدائی تاریخ بالکل تاریکی کی حالت مین ہو۔ قدیم سے قدیم زمانہ جس کے تاریخی حالات معلوم ہوسکے ہین۔ دو تین ہزار برس سے زیادہ نہیں۔ یہ وہ زمانہ ہو جب موجودہ تفرقون کی بنیاد پڑچکی تھی اور دونون فریق کے اصول زندگی مین بہت سی ممتاز خصوصیتین پیدا ہو چکی تھین، اسلیے آج یہ پتا لگانا قریبًا ناممکن ہو کہ اول کن اسباب سے یہ تفرقے قائم ہوے اور جس زمانہ کو ہم اپنے علم تاریخ کی ابتدا قرار دیتے ہین اُس وقت تک کیونکر ان تفرقون نے وسعت حاصل کرلی تھی۔

اگر ہم بتانا چاہین کہ انسان کو ستر عورت کا خیال کیونکر ہوا اور مردون اور عورتون مین اُسکے مختلف حدود کس بنا پر قرار دیے گئے تو ہم کوئی کافی وجہ نہین بتا سکین گے۔ اسی طرح اور خصوصیتون کی نسبت بھی ہم کچھ جواب نہین دے سکتے۔ اسلیے نہایت قدیم تفرقون کی تاریخ قائم کرنی اور اُن کے وجوہ و اسباب پر غور کرنا تو بے فائدہ ہو۔ البتہ جو امور

زمانۂ مابعد مین پیدا ہوے اُنکے متعلق تحقیقات کی کوشش کرنی بیجا نہین ہی۔

پردہ کی دو قسمین قرار دی جاسکتی ہین۔

(۱) چہرہ اور تمام اعضا کا ڈھکنا۔

(۲) مردون کی مجلسون اور صحبتون مین شریک ہونا۔

پہلی قسم کا پردہ عرب مین اسلام سے پہلے موجود تھا اور زیادہ تر قدرتی ضرورتین اُسکے ایجاد کا باعث تھین۔ اول اول جب اس رسم کی ابتدا ہوئی تو عورتون کے ساتھ مخصوص نہ تھی کیونکہ زیادہ تر اُسکو قدرتی ضرورتون نے پیدا کیا تھا اور وہ مرد اور عورت سے یکسان متعلق تھین۔ غالبًا سب سے پہلے قبیلۂ حمیر مین جو [illegible] کے رہنے والے اور وہان کے حاکم تھے یہ طریقہ جاری ہوا۔ اسپین مین حمیر کے ایک خاندان کی حکومت قائم ہوگئی تھی جو **ملثمین** کہلاتے تھے۔ اس خاندان نے نہایت زور اور قوت کے ساتھ حکومت کی اور بہت سی فتوحات حاصل کین لیکن چہرہ پر ہمیشہ نقاب ڈالے رہتے تھے اور اس وجہ سے **ملثمین** کہلاتے تھے۔ اسمین یوسف بن تاشفین بڑی ہیبت و جبروت کا بادشاہ ہوا علامہ ابن خلکان نے اُسی کے ترجمہ مین اس رسم کے قائم ہونے کی یہ وجہ لکھی ہی۔

و سبب ذلك على ما قيل	یعنی اس کا سبب جیسا کہ کہا گیا ہی یہ ہے کہ
ان حمير كانت تتلثم	قبیلۂ حمیر گرمی اور سردی کی و[illegible]

لشدة الحر و البرد تفعله الخواص منهم فكثر ذلك حتى تفعله عامتهم۔		چہرون پر نقاب ڈالے رہتے تھے۔ پہلے خواص ایسا کرتے تھے پھر اُسکو اسقدر ترقی ہوئی کہ تمام قبیلہ مین اُسکا رواج ہوگیا۔

علامۂ موصوف نے ایک اور سبب بھی لکھا ہے۔ وہ یہ کہ قبیلۂ حمیر کی مخالف ایک قوم تھی جس کا معمول تھا کہ جب حمیر والے کسی ضرورت سے باہر جاتے تھے تو یہ لوگ اُنکے گھرون پر حملہ کرتے تھے اور عورتون کو گرفتار کرلیجاتے تھے۔ مجبور ہوکر اہل حمیر نے یہ تدبیر سوچی کہ ایک دفعہ عورتین۔ مردانہ لباس پہنکر باہر چلی گئین۔ اور مرد چہرون پر نقاب ڈالکر گھرون مین رہے، دشمنون نے معمول کے موافق حملہ کیا۔ یہ لوگ نقاب ڈالے ہوے نکلے اور نہایت دلیری سے لڑکر دشمنون کو قتل کرڈالا۔ چونکہ یہ فتح نقاب کے پردہ مین نصیب ہوئی تھی اسلیے یادگار کے طور پر یہ رسم قائم کرلیگئی۔ یہان تک کہ اسلام کے بعد بھی اس قبیلہ کے مرد اور عورت یکسان نقاب پوش رہتے تھے۔ ایک شاعر نے لکھا ہے۔

لما حووا احراز کل فضیلة		غلب الحیاء علیهم فتلثموا

بعض اور اتفاقی امور سے یہ طریقہ اختیار کیا گیا۔ مثلاً جو لوگ حسین اور خوشرو ہوتے تھے اس خیال سے کہ نظر بد سے محفوظ رہین، چہرے پر نقاب ڈالکر باہر نکلا کرتے تھے۔ اسکی مثالین زمانۂ اسلام مین بھی ملتی ہین۔

مقنع کندی جو دولت بنوامیہ کا مشہور شاعر ہی اسی خیال سے ہمیشہ نقاب ڈالکر باہر نکلتا تھا[1]۔ رفتہ رفتہ یہ طریقہ زیادہ تر مروج ہوگیا اور بڑے مجمعون مین اکثر لوگ برقع پہنکر شریک ہوتے تھے۔ چنانچہ بازار عکاظ مین جو عرب کی حوصلہ افزائیون کا مشہور دنگل تھا۔ اہل عرب عموماً چہرون پر نقاب ڈالکر آتے تھے۔ علامہ احمد ابن ابی یعقوب جو نہایت قدیم زمانہ کا مؤرخ ہی اپنی تاریخ مین لکھتا ہی کہ[2]

وکانت العرب تحضر سوق عکاظ و علی وجوھھا البراقع فیقال ان اول عربی کشف قناعہ ظریف بن غنم العنبری ففعلت العرب مثل فعلہ	یعنی اہل عرب عکاظ کے بازار مین آتے تھے اور اُنکے چہرون پر برقع پڑے ہوتے تھے۔ کہتے ہین کہ اول جس عربی نے برقع اُتارا وہ ظریف بن غنم تھا اُسکے بعد اورون نے بھی اُسکی تقلید کی

گو بعض وقتون مین خاص اسباب اس طریقہ کے اختیار کرنے کے باعث ہوے۔ لیکن اصل مین جس چیز نے اس طریقہ کی بنیاد قائم کی تھی وہ دو امر تھے۔

(۱) جسمانی حفاظت جسکا ذکر حمیر کے ذکر مین ہوچکا۔ حمیر مین تو عام و خاص سب اس طریقہ کو برتنے لگے تھے لیکن اور قبائل مین

[1] کتاب الاغانی ترجمۂ مقنع کندی۔

[2] تاریخ یعقوبی مطبوعۂ یورپ جلد دوم صفحۂ ۳۱۵۔

یہ طریقہ اُمرا اور اعیان کے ساتھ مخصوص تھا کیونکہ اس قسم کے تکلف اور آرام طلبی کی خواہش صرف امیرون ہی کو ہوسکتی تھی۔ رفتہ رفتہ ضرورت کی قید اُٹھگئی اور صرف اس خیال سے کہ نقاب اور برقع امرا کا امتیازی لباس ہے۔ بیوجہ اور بےضرورت بھی اُسکا استعمال ہونے لگا

(۲) امتیاز اور خصوصیت کا خیال۔ یہ خیال عجیب تدریج کے ساتھ قائم ہوا۔ اہل عرب محض ابتدائی زمانہ مین تو امیر غریب سب ایک سی حالت مین رہتے تھے لیکن جسقدر تمدن کو ترقی ہوتی گئی اُسی نسبت سے امتیازات قائم ہوتے گئے۔ ان مین سب سے مقدم یہ تھا کہ اُمرا اور سرداران قوم کے دربار، عام نہ ہونے چاہیین۔ چنانچہ جاہلیت ہی کے زمانہ مین دربان اور حاجب کے عہدے قائم ہوچکے تھے اور سلاطین اور سرداران قبائل کے دروازون پر اس قسم کی روک ٹوک ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ خیال یہان تک بڑھا کہ بادشاہ دربار مین بھی بیٹھے تو اُسکے جمال کی دولت عام نہ ہونے پائے۔ چنانچہ بعض سلاطین عرب صرف اسی خیال سے برقع کا استعمال کرتے تھے۔

عباسیون کی خلافت مین ایک زمانہ تک جو یہ طریقہ تھا کہ خلیفۂ وقت ایک پردہ کی اوٹ مین بیٹھتا تھا اور تمام شاہی احکام پردہ کی اوٹ سے صادر ہوتے تھے۔ اُسمین اسی خیال کا پرتو پایا جاتا ہے۔

جس زمانہ مین اس طریقہ کی ابتدا ہوئی اُسوقت تو عورتین اس رسم کے ساتھ مخصوص نہ تھین۔ لیکن مردون سے یہ التزام مالایلزم

نہ رہ سکا۔ چنانچہ جب عکاظ مین ظریف بن غنم نے چہرہ سے نقاب ہٹائی تو تمام عرب اُسکے مقلد بنکر اس قید سے آزاد ہو گئے۔ کبھی کبھی کسی نے شوقیہ یا فخر کے لحاظ سے استعمال کیا تو وہ رواج عام کے خلاف سمجھا گیا البتہ عورتون مین یہ رسم اسلام کے زمانہ تک باقی رہی جسکو اسلام نے اور بھی باقاعدہ اور لازمی کردیا۔ جس شخص نے عرب جاہلیت کے حالات غور سے پڑھے ہین وہ تو اس سے انکار نہین کرسکتا لیکن چونکہ عام خیال یہ ہی کہ پردہ کا رواج اسلام کے زمانہ سے پیدا ہوا اسلیے ہم متعدد قطعی شہادتین پیش کرتے ہین جن سے ثابت ہوگا کہ اس قسم کا پردہ اسلام سے پہلے بھی موجود تھا۔

عرب جاہلیۃ کے حالات معلوم کرنے کے لیے سب سے عمدہ اور مستند ذریعہ شعراے جاہلیت کے اشعار ہین اسلیے اس دعوے کے ثبوت مین ہم جاہلیت کے متعدد اشعار نقل کرتے ہین

ربیع بن زیاد عبسی جو جاہلیت کا ایک مشہور شاعر ہی، مالک ابن زہیر کے مرثیہ مین کہتا ہی۔

من کان مسرورًا بمقتل مالك	فلیأت نسوتنا بوجه نهار
جو شخص مالک کے قتل سے خوش ہوا ہو	وہ ہماری عورتون کو دن مین آکے دیکھے
یجد النساء حواسرًا یندبنه	یلطمن اوجهن بالاسحار
وہ دیکھیگا کہ عورتین برہنہ سر نوحہ کررہی ہین	اور اپنے چہرون پر صبح کو دوہتڑ مار رہی ہین
قد کن یخبأن الوجوہ تسترًا	فالیوم حین برزن للنظار

شرم اور ناموس سے ہمیشہ اپنا چہرہ چھپایا کرتی تھین — لیکن آج غیر معمولی طور سے دیکھنے والون کے سامنے بے پردہ آئی ہین

علامہ تبریزی نے تستراً کی شرح مین لکھا ہی عفۃً وحیاءً۔ یعنی وہ عفت اور شرم کی وجہ سے چہرہ چھپایا کرتی تھین۔

عمرو معدیکرب ایک سخت واقعۂ جنگ کے ذکر مین لکھتا ہی۔

وبدت لمیس کانہا — بدر السماء اذ اتبدا

اور لمیس کا چہرہ کھل گیا — گویا چاند نکل آیا ہی۔

عمرو معدیکرب اگرچہ مخضرمی شاعر ہی یعنی اُسکے اسلام کا زمانہ بھی پایا تھا۔ لیکن یہ اشعار اسلام کے قبل کے ہین۔

ایک اور جاہلی شاعر جسکا نام سبرۃ بن عمر فقعسی ہی اپنے دشمنون پر طعن کرتا ہو اور کہتا ہی۔

و نسوتکم فی الروع بادٍ وجوھہا — یخلن اِماءً والاماء حرائر[۱]

یعنی لڑائی مین تمہاری عورتون کے چہرے کھل گئے تھے — اور اسوجہ وہ لونڈیان معلوم ہوتی تھین حالانکہ وہ بیبیان تھین

نابغۂ ذبیانی جو زمانۂ جاہلیتہ کا مشہور شاعر ہی نعمان بن منذر کا بڑا مقرب اور درباری تھا۔ ایک دفعہ نعمان کی ملاقات کو گیا۔ اتفاق سے وہان نعمان کی بیوی جسکا نام متجردہ تھا بیٹھی تھی۔ نابغہ دفعۃً جا پڑا تو وہ اوٹھ کھڑی ہوئی اضطراب مین دوپٹا گر گیا۔ متجردہ نے فوراً ہاتھون سے چہرہ کو چھپا لیا۔ نابغہ کو یہ ادا نہایت پسند آئی۔ اسپر اُسنے ایک قصیدہ لکھا جسمین اس واقعہ کو اسطرح ذکر کیا ہی[۲]۔

[۱] یہ اور ناقبل کے اشعار حماسہ مین موجود ہین۔ [۲] اغانی ترجمۂ نابغۂ ذبیانی۔

سقط النصيف ولم ترد اسقاطها	فتناولته واتقتنا باليد
دوپٹہ گر گیا اور اُسنے قصداً نہین گرایا	اُسنے دوپٹہ کو سنبھالا اور ہاتون سے پردہ کیا

ایک اور شاعر عوف نامی یہ ذکر کرکے کہ بھوک کی شدت سے عورتین نکل آئین اور باہر جہان کھانا پک رہا تھا، چولہے کے پاس بیٹھ گئین۔ کہتا ہو

وکانوا قعوداً حولها یرقبونها	وکانت فتاة الحی ممن ینیرها
ستورہ لا یجعل الستر دونها	اذا اُخمد النیران لاح بغیرها

حقیقت یہ ہر کہ اہل عرب نے زمانۂ جاہلیۃ مین لباس کے متعلق بہت ترقی کرلی تھی اگرچہ یہ ترقیان صرف اُمرا اور سرداران قبائل تک محدود تھین لیکن جن لوگون مین تھین پوری تہذیب و شایستگی کے ساتھ تھین۔ عورتون کے لیے لباس کے جو اقسام اُسوقت تک ایجاد ہوچکے تھے وہ جسم کے ہر حصہ کے لیے بخوبی پردہ پوش تھے۔ لباسون کا یہ تنوع زیادہ تر فخر و امتیاز کی بنا پر تھا اور یہی وجہ تھی کہ عوام کا طبقہ اُس سے محروم تھا جہان تک ہماری تحقیق ہر عورتون کے لباس کے متعلق دولت بنو امیہ اور عباسیہ کے عہد مین کوئی معتدبہ اضافہ نہین ہوا۔ یعنی زمانۂ جاہلیۃ میں جسقدر لباس ایجاد ہوچکے تھے اُس سے زیادہ اقسام پیدا نہین ہوسکے۔ اس سے ثابت ہوتا ہو کہ پردہ اور ستر بدن کا خیال، جاہلیۃ ہی مین خوب زور پکڑچکا تھا۔ عورتین مختلف وضع کے کُرتے۔ استعمال کرتی تھین جنکی قسمین

سات آٹھ سے کم نہ تھین اور اسی اعتبار سے اُنکے مختلف نام تھے مثلاً درع۔ اتحب۔ قرقل۔ صدار۔ مجول۔ شوذر۔ خیعل۔ انین باہم بہت خفیف فرق ہوتا تھا۔ انکی وضع محرم۔ کرتی۔ فتوحی۔ اور قمیص سے ملتی جُلتی تھی۔ اشعار جاہلیت مین قریبًا یہ سب نام ملتے ہین لیکن بلحاظ تطویل ہم اُن اشعار کو قلم انداز کرتے ہین۔

قصابہ۔ مقنع۔ وغیرہ بھی استعمال کیے جاتے تھے۔

ان کپڑون کی ترتیب یہ تھی کہ سب سے پہلے ایک رومال سر پر باندھا جاتا تھا جس سے سر کے دونون اگلے اور پچھلے حصے چُھپ جاتے تھے لیکن بیچ کا حصہ کھلا رہتا تھا۔ اسکو بخنق کہتے تھے۔ اسکے بعد ایک اور رومال باندھتے جس سے یہ مقصود ہوتا تھا کہ بالون مین تیل لگا ہو تو اُسمین جذب ہوکر رہجائے۔ اور دوپٹہ مین نہ لگنے پائے، اِسکا نام غفارہ تھا۔ غفارہ کے اوپر مختلف طول و عرض کے دوپٹے استعمال کیے جاتے تھے۔ جنکے یہ نام ہین۔ صدار۔ خمار۔ نصیف۔ مقنعہ۔ معجر۔ رواء۔ خمار نہایت چھوٹا ہوتا تھا اُس سے بڑا نصیف اور نصیف سے بڑا مقنعہ وہکذا۔ خمار وغیرہ کو اکثر اس انداز سے اوڑھتی تھین کہ چہرہ کا اکثر حصہ چھپ جاتا تھا۔ اسی بنا پر شاعر کا قول ہے۔

سقط النصیف و لم ترد اسقاطه	فتناولته و اتقتنا بالید
بمخضب رخص کان بنانه	عنم یکاد من اللطافة یعقد

ایک خاص چہرہ کی حفاظت کے لیے برقع ہوتا تھا جسکی مختلف قسمین تھین - جو صرف آنکھ تک کا ہوتا تھا اُسکو وصواص کہتے تھے اس سے نیچا نقاب کہلاتا تھا - نقاب سے نیچا لفام - اور اس سے نیچا لثام کے نام سے موسوم تھا - لفام کی حد ہونٹون سے متجاوز نہ تھی سب سے بڑا نقاب جو چہرہ بلکہ سینہ کو بھی چھپاتا تھا اُسکو جنہ کہتے تھے - نقاب کے یہ تمام اقسام جاہلیت مین پیدا ہوچکے تھے اور استعمال کیے جاتے تھے - اشعار ذیل سے اسکی تصدیق ہوتی ہے -

و نقّبن الوصاوص للعیون	اَرَین محاسنا وکننن اُخری
و قد نزل عن غرالثنایا لفاما	یضیٔ لنا کالبدر تحت غمامۃ

غرض لباس کا پردہ تمام عرب مین جاری تھا - اور بجز عوام اور کنیزون کے تمام عورتین اُسکی پابند تھین -

بعض بعض مثالین اس رسم کے خلاف ملتی ہین مگر وہ نہایت شاذ ہین - لیکن دوسری قسم کا پردہ یعنی عورتون کا مردون کی سوسائٹیون مین شریک نہ ہوسکنا زمانۂ جاہلیت مین بالکل نہ تھا - عورتین عموماً مجلسون بازارون، لڑائیون مین شریک ہوتی تھین - بازار عکاظ مین جہان شعرا طبع آزمائیان کرتے تھے شاعرہ عورتین جاتی تھین اور اُسکے مستقل دربار قائم ہوتے تھے - وہ عام مجمع مین قصیدے پڑھتی تھین اور تحسین و آفرین کے صلے حاصل کرتی تھین -

ایک بار خنساء جو مرثیہ کہنے مین تمام عرب مین اپنا نظیر نہین رکھتی تھی عکاظ مین گئی اور نابغہ ذبیانی کے سامنے جو اُسوقت اُستاذ الشعرا تھا، اپنا قصیدہ پڑھا۔ نابغہ نے کہا افسوس! ابھی ایک شخص کو مین اشعر العرب کا خطاب دیچکا ہون ورنہ تجھکو یہ خطاب دیتا۔ تاہم کہتاہون کہ تو عورتون مین سب سے بڑھی شاعرہ ہو۔ خنساء نے کہا نہین بلکہ مین "اشعر الرجال والنساء ہون"۔

عام قاعدہ تھا کہ کسی گاؤن مین کسی شاعر کا گزر ہوتا تھا تو وہان کی تمام عورتین اُسکے پاس آتی تھین اور شعر پڑھنے کی فرمایش کرتی تھین اور چونکہ وہ عموماً سخن فہم ہوتی تھین شعرا بھی بڑے ذوق سے اُنکو اپنے اشعار سناتے تھے۔ غرض مشاعرہ۔ منافرہ۔ میلے۔ بازار۔ دنگل میدان جنگ۔ کوئی ایسا مجمع اور مجلس نہ تھی جسمین عورتین بے تکلف شریک نہ ہوتی تھین۔

یہ زمانۂ جاہلیت کا حال تھا، اسلام کے زمانہ سے نیا دور شروع ہوا، اس عہد مین جو تغیرات اور اصلاحین ہوئین انکی تفصیل حسب ذیل ہو۔

اسلام نے سب سے پہلی اصلاح یہ کی کہ جاہلیت مین کُرتون کے گریبان بہت چوڑے ہوتے تھے جن سے سینے نظر آتے تھے، اسیر ذوقعدہ سنہ ۵ھ مین یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ	اور چاہیے کہ وہ اپنے دوپٹے اپنے گریبانون پر ڈال لیا کرین

عینی نے بخاری کی شرح مین اس موقع پر لکھا ہے۔

وذلك لان جيوبهن كانت واسعة تبدو منها نحورهن وصدورهن وما حواليها وكن يسدلن الخمر من ورائهن فتبقى مكشوفة فامرن بان يسدلنها من قدامهن حتى يغطينها۔	یہ آیت اسلیے نازل ہوئی کہ اُنکے گریبان چوڑے ہوتے تھے جن سے اُنکے سینے اور اُسکے اطراف نظر آتے تھے۔ اور وہ دوپٹون کو پشت کی طرف ڈالتی تھیں اسلیے سینے کھلے رہجاتے تھے اسلیے اُنکو حکم ہوا کہ سامنے ڈالین تاکہ سینہ چھپ جائے۔

نقاب اور برقع کا طریقہ اگرچہ جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہین پہلے سے جاری تھا لیکن مدینہ منورہ مین یہود کے اختلاط کی وجہ سے اس کا رواج کم ہوچلا تھا، اکثر عورتین کھلے مونہ نکلتی تھین اسپر یہ آیت اُتری۔

يَآاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ۔	اے پیغمبر اپنی بیویون اور بیٹیون اور مسلمان بیبیون سے کہدو کہ اپنے اوپر اپنی چادرین ڈال لیا کرین (یعنی چادرون سے اپنا مونہ چھپالیا کرین)

اس آیت کے متعلق تین حیثیت سے بحث ہوسکتی ہے۔

آیت کا شان نزول کیا ہے۔

آیت کے معنی کیا ہین۔

ما اس آیت کے نازل ہونے کے بعد صحابہ کا طریق عمل کیا رہا

شان نزول کے متعلق تفسیر ابن کثیر مین جو محدثانہ تفسیر ہے یہ تصریح ہے۔

كان ناس من فساق اهل المدينة يخرجون بالليل حين يختلط الظلام الى طرق المدينة فيعرضون للنساء و كانت مساكن اهل المدينة ضيقة فاذا كان الليل خرج النساء الى الطرق يقضين حاجتهن فكان اولئك الفساق يبتغون ذلك منهن فاذا رأوا المرءة عليها جلباب قالوا هذه حرة فكفوا عنها و اذا رأوا المرءة ليس عليها جلباب قالوا هذه امة فوثبوا عليها۔

مدینہ مین بدمعاشون کا ایک گروہ تھا جو رات کی تاریکی مین نکلتا تھا اور عورتون کو چھیڑتا تھا۔ مدینہ کے مکانات چھوٹے اور تنگ تھے، رات کو جب عورتین قضاے حاجت کے لیے گھرون سے نکلتی تھین تو یہ بدمعاش اُنسے بُرا ارادہ کرتے تھے جس عورت کو دیکھتے تھے کہ چادر مین چھپی ہوئی ہو اُسکو شریف زادی سمجھکر چھوڑدیتے تھے ورنہ کہتے تھے کہ یہ لونڈی ہو اور اُسپر حملہ کرتے تھے۔

طبقات ابن سعد جو نہایت قدیم یعنی تیسری صدی کی تصنیف ہو۔ اُسمین بھی یہی شان نزول لکھا ہو۔ چنانچہ اُسکے الفاظ یہ ہین۔

كان رجل من المنافقين يتعرض لنساء المؤمنين يؤذيهن فاذا قيل له قال كنت احسبها امة فامرهن الله ان يخالفن زي الاماء و يدنين عليهن من جلابيبهن تخمر وجهها الا

ایک منافق تھا جو مسلمان عورتون کو چھیڑتا تھا تو جب اُس سے کہاجاتا تھا تو کہتا تھا کہ مین نے اُسکو لونڈی سمجھا تھا۔ اس بناپر خدانے حکم دیا کہ لونڈیون کی وضع نہ بنائین اور اپنے اوپر چادرین ڈال لین اسطرح کہ بجز ایک آنکھ کے

احدی عینہا۔	باقی سب چہرہ چھپ جاے۔
تفسیر کشاف مین ہو	
نّاءہن ان یخالفن بزیّہن عن زی الاماء بلبس الاردیۃ والملاحف وستر الرؤس والوجوہ	اسلیے انکو حکم ہوا کہ لونڈیون کی وضع سے الگ وضع اختیار کرین یعنی چادرین اور برقع استعمال کرین اور سر اور چہرہ چھپائین۔

ان تصریحات مین ایک خاص امر یاد رکھنا چاہیے۔ وہ یہ کہ ابن کثیر کی تصریح سے معلوم ہوتا ہو کہ بیبیون اور لونڈیون کے لباس اور وضع مین فرق تھا، اور وہ یہ تھا کہ بیبیان چادرون سے چہرہ چھپاتی تھین، اور لونڈیان کھلے مونھ نکلتی تھین۔

اشعار جاہلیۃ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہو۔ چنانچہ شاعر کہتا ہو

ونسوتکم فی الروع باد وجوھہا	یُخلن اماءً والاماء حرایر
تمھاری عورتون کے چہرے لڑائی مین کھل گئے تھے	اسلیے وہ لونڈیان معلوم ہوتی تھین، حالانکہ وہ لونڈیان نہ تھین

ابن کثیر کی عبارت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہو کہ اسلام کے زمانہ مین بھی یہ فرق قائم تھا اور اسی وجہ سے جب کوئی بی بی کھلے مونھ نکلتی تھی تو بدمعاشون کو انکے چھیڑنے کے لیے یہ عذر ہات آتا تھا کہ ہمنے انکو لونڈی سمجھا تھا۔

آیت کے معنی کے متعلق دو لفظ بحث طلب ہین۔

جلباب اور **اِدناء**۔ جلباب کے معنی مین اگرچہ متاخرین نے بہت سے اقوال نقل کیے ہین لیکن محقق یہ ہو کہ جلباب ایک قسم کا برقع یا چادر تھی جو تمام کپڑون سے زیادہ وسیع ہوتی تھی اور اسلیے سب کے اوپر استعمال کیجاتی تھی جسطرح آجکل ترکی خاتونین فراجہ استعمال کرتی ہین، تفسیر عماد بن کثیر مین ہو۔

والجلباب هو الرداء فوق الخمار قاله ابن مسعود وعبيدة والحسن البصری و سعيد بن جبير و ابراهيم النخعي و عطاء الخراسانی و غير واحد۔	جلباب چادر کو کہتے ہین جو خمار کے اوپر استعمال کیجاتی ہو۔ عبد اللہ بن مسعود۔ عبیدہ۔ حسن بصری۔ سعید بن جبیر۔ ابراہیم نخعی۔ عطاء خراسانی وغیرہ نے جلباب کے یہی معنی بیان کیے ہین۔

دوسرا لفظ جو بحث طلب ہو وہ اِدناء ہو۔ اِدناء جلباب کے معنی تمام مستند مفسرین نے جو فن لغت کے بھی امام ہین 'منھ چھپانے' کے لکھے ہین۔

حضرت عبد اللہ بن عباس جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور تمام صحابہ مین فن تفسیر کے اعتبار سے ممتاز ہین۔ اُن کا قول تفسیر ابن کثیر مین علی بن طلحہ کی روایت سے نقل کیا ہو کہ

امر الله نساء المومنين اذا خرجن من بيوتهن في حاجة ان يغطين وجوههن من فوق رؤسهن	خدا نے مسلمان عورتون کو حکم دیا کہ جب گھر سے کسی کام کو نکلین تو سر سے چادر اوڑھ کر چہرون کو چھپالین اور ایک آنکھ

بالجلباب ویبدین عینا واحدة۔		کھلی رکھین۔
تفسیر معالم التنزیل مین اس آیت کی تفسیر مین لکھا ہو۔		
قال ابن عباس و ابو عبیدۃ امر نساء المومنین ان یغطین رؤسھن و وجوھھن بالجلابیب الا عینا واحدۃ۔		ابن عباس اور ابو عبیدہ کا قول ہی کہ خدا نے مسلمان عورتون کو حکم دیا کہ چادر سے اپنا سر اور چہرہ چھپالین بجز ایک آنکھ کے۔
طبقات ابن سعد مین ہی[1]۔		
محمد بن عمر عن ابی بسرۃ عن ابی صخر عن ابن کعب القرظی قال کان رجل من المنافقین یتعرض لنساء المومنین یوذیھن فاذا قیل له قال کنت احسبھا امة فامرھن الله ان یخالفن زی الاماء ویدنین علیھن من جلابیبھن تخمر وجھھا الا احدی عینیھا۔		محمد بن عمر نے ابو بسرہ سے اُنھون نے ابو صخر سے اُنھون نے ابن کعب قرظی سے روایت کی ہو کہ مدینہ مین ایک منافق تھا جو مسلمان خاتونون کو چھیڑا کرتا تھا اور جب اُسکو ٹوکا جاتا تھا تو کہتا تھا کہ مین نے لونڈی سمجھا تھا۔ تو خدا نے حکم دیا کہ لونڈیون کی وضع ترک کرین، اور اپنے اوپر اسطرح سے چادر ڈال لین کہ چہرہ چھپ جائے بجز ایک آنکھ کے۔
تفسیر کشاف مین ادنا جلباب کی یہ تفسیر کی ہو۔		
یرخینھا علیھن ویغطین بھا وجوھھن۔		چادر کو اپنے اوپر ڈال لین اور چہرہ کو چھپالین۔

[1] جلد ہشتم صفحہ ۱۲۷ مطبوعہ یورپ۔

حضرت عبد اللہ بن عباس - ابو عبیدہ - ابن کعب قرظی - بغوی
بن کثیر - اور زمخشری - اس درجہ کے لوگ ہین کہ انکے مقابلہ مین
ر کسی مخالف کا قول ہوتا بھی تو اسکی کیا وقعت ہوسکتی، لیکن
ہان تک ہمکو معلوم ہو شاذ و نادر کے سوا، تمام اہل لغت اور
مفسرین نے یہی معنی بیان کیے ہین -

اس صورت مین صرف شاہ ولی اللہ صاحب کے مبہم ترجمہ
سے ایسے معرکۃ الآرا مسئلہ مین استدلال کرنا کسقدر تعجب انگیز ہو-

پردہ کے متعلق تمام دنیا مین مسلمانون کا جو طریق عمل رہا-
وہ یہ تھا کہ کبھی کسی زمانہ مین عورتین بغیر برقع اور نقاب کے
باہر نہین نکلتی تھین اور بجز کسی خاص حالت کے، نامحرمون سے ہمیشہ
مونھ چھپاتی تھین - یہان تک کہ یہ امر معاشرت کا سب سے بڑا، مقدم
مسئلہ بنگیا تھا -

تصدیق اسکی واقعات ذیل سے ہوگی -

ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ نے آن حضرت سے اپنا ارادہ
ظاہر کیا کہ مین فلان عورت سے شادی کرنی چاہتا ہون، آپ نے
فرمایا کہ پہلے جاکر اسکو دیکھ آؤ، اُنھون نے جاکر اُس عورت کے
والدین سے اپنا ارادہ ظاہر کیا اور آنحضرت کا پیغام سنایا - صحابہ
جسقدر آن حضرت کے حکم کی اطاعت کرتے تھے، محتاج بیان نہین
تاہم والدین کو ناگوار ہوا، کہ لڑکی اُنکے سامنے آئے اور یہ اسپر

نظر ڈال سکیں۔ لڑکی پردہ مین سے یہ باتین سن رہی تھی، بولی کہ اگر آنحضرت نے حکم دیا ہو تو تم مجکو آکر دیکھ لو، ورنہ مین تمکو خدا کی قسم دلاتی ہون کہ ایسا نہ کرنا۔ یہ واقعہ سنن ابن ماجہ باب النکاح مین مذکور ہو۔

محمد بن مسلمہ ایک صحابی تھے، اُنھون نے ایک عورت سے شادی کرنی چاہی اور اسلیے چاہا کہ چوری چھپے کسی طرح عورت کو دیکھ لین، لیکن موقع نہین ملتا تھا، یہان تک کہ ایک دن وہ عورت اپنے باغ مین گئی اُنھون نے موقع پاکر اُسکو دیکھ لیا لوگون کو معلوم ہوا تو نہایت تعجب سے لوگون نے اُن سے کہا کہ آپ صحابی ہوکر ایسا کام کرتے ہین۔ اُنھون نے کہا کہ مین نے آنحضرت سے سنا ہو کہ جب کسی عورت سے شادی کا ارادہ ہو تو اس مین کچھ مضایقہ نہین کہ پہلے اُسکو دیکھ لیا جائے۔ (سنن ابن ماجہ باب النکاح)

صاحب اغانی نے اخطل کے تذکرہ مین لکھا ہو کہ ایک دفعہ اخطل، سعید بن ایاس کا مہمان ہوا، سعید نے بڑے تپاک سے مہمانداری کی، یہان تک کہ اُسکی دونون لڑکیان جنکا نام زعوم و امامہ تھا، اخطل کی خدمتگزاری مین مصروف رہین۔ دوسری دفعہ جب اخطل کو یہ موقع پیش آیا تو یہ لڑکیان جوان ہوچکی تھین اسلیے اخطل کے سامنے نہ آئین، اغانی کے خاص الفاظ یہ ہین۔

ثم نزل علیہ ثانیۃ وقد
کبرتا فحجبتا فسأل عنھما وقال
فاین ابنتای فاخبر بکبرھما۔

اخطل دوبارہ سعید کا مہمان ہوا تو لڑکیاں بڑی ہو چکی تھیں
اسلیے اُنھوں نے پردہ کیا، اخطل نے پوچھا کہ تیری لڑکیاں
کہاں ہیں۔ سعید نے کہا اب وہ بالغ ہوگئی ہیں۔

پردہ کا اسقدر عام رواج ہوگیا تھا کہ جب کبھی کوئی واقعہ اسکے خلاف پیش آیا ہے تو مورخین اور واقعہ نگاروں نے ایک مستثنے واقعہ کی طرح اُسکا ذکر کیا ہے۔ ابن بطوطہ نے سفرنامہ مین جہان ترکون کا ذکر کیا ہے ایک عورت کا ذکر کرکے لکھتا ہے۔

وھی بادیۃ الوجہ لان نساء
الاتراک لا یحتجبن،

اُسکا چہرہ کھلا ہوا تھا کیونکہ ترکی عورتیں
پردہ نہیں کرتیں۔

صاحبِ اغانی نے اخطل کے تذکرہ مین ایک ضمنی موقع پر لکھا ہے۔

وکان اھل البدو اذ ذاک
یحدث رجالھم الی النساء لایرون
بذلک باسا۔

اس زمانہ مین صحرانشین عربون مین مرد عورتون کی
صحبتون مین شریک ہوتے تھے اور اُن سے بات چیت
کرتے تھے اور اسکو معیوب نہین خیال کرتے تھے۔

اسی کتاب مین جمیل کے تذکرہ مین جو ایک بدوی شاعر تھا۔ لکھا ہے۔

ان جمیل بن معمر خرج فی یوم عید و
النساء اذ ذاک یتزین ویبدو بعضھن لبعض
ویبدون للرجال فی کل عید۔

جمیل بن معمر ایک دفعہ عید کے دن نکلا۔ اس زمانہ مین
عید کے دن، عورتین آراستہ ہوکر، ایک دوسرے
سے ملتی تھین اور مردون کے سامنے آتی تھین۔

ان تمام واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ عورتون کا پردہ کرنا
اور مونہہ چھپانا، مسلمانون کی عام معاشرت تھی، اسکے خلاف
جو بھی واقعہ ہے تو وہ خاص کسی قوم یا کسی خاص زمانہ سے تعلق
رکھتا ہے اور کتابون مین بطور ایک مستثنیٰ واقعہ کے ذکر کیا جاتا ہے
اِس موقع پر ہم دوبارہ اپنے قومی نامور مصنف
(مولوی امیر علی) کے ان الفاظ پر توجہ دلاتے ہین کہ ۔
"خلفا کے زمانہ تک اعلےٰ طبقہ کی عورتین بلا برقع کے"
"۔۔۔ ان کے سامنے آتی تھین ۔ "
ذلك مبلغهم من العلم۔

صدر اول کی کتابین

عام خیال ہے کہ ہجرت کی پہلی صدی مین کوئی کتاب تصنیف نہین ہوئی، اور اسلامی تعلیمات کا وہ دلچسپ مجموعہ جس کو "حدیث" اور "اخلاق" کہتے ہین، قریبًا سو برس تک غیر مرتب رہا۔ سب سے پہلے تصنیفات کی ابتدا ابن جریج سے ہوئی۔ اور پھر امام مالک نے موطا لکھکر آنے والے گروہ کے لیے تصنیف و تالیف کا راستا صاف کردیا۔ لیکن تصنیف کی ابتدا اگر انھین بزرگون سے ہے، تو ابن جریج نے ۱۵۰ھ مین وفات پائی ہے اور امام مالک نے ۱۷۹ھ مین، لہذا کتاب ابن جریج اور موطا دوسری صدی کی تصنیفات ہین۔

مذہبی تعلیمات کا ایک قرن تک یون غیر منضبط رہنا ایک نکتہ سنج کی نگاہ مین ضرور کھٹکتا ہے۔ اور اسی بنا پر اہل یورپ نے اسلام پر صدہا اعتراضات کیے ہین، لیکن حقیقت یہ ہے

کہ اسلام مین دوسری صدی کے قبل کی کتابین اگر نہین ملتین تو حیرت کی کیا بات ہی، یہودیون کی کتب مقدسہ (عہد قدیم) کے نسخے سنہ ۹۰۰ء سے قبل کے نہین ملتے اور تاریخ بتا رہی ہی کہ عیسائیون کی کتب عہد جدید بھی سنہ ۳۵۰ء کے بعد کی ہین۔

• موسوئین (عہد ماثورین[1]) کی کتابین سنہ ء سے بعد کی ہین، تلمود سنہ ء مین تصنیف ہوئی، عزرا (عہد عزیر) کا سنہ تصنیف ولادت مسیح علیہ السلام سے ۵۰۰ برس قبل ہی، اسفار سامری سنہ ء مین لکھی گئین، اور سپٹواجنٹ (ترجمہ سبعینیہ) غالبا سنہ ۲۸۰ قبل مسیح کا لکھا ہوا ہی

عہد جدید کے ہزار سے زیادہ نسخون مین فقط تین نسخے ایسے دریافت ہوے ہین جو اب سے ۱۵۰۰ برس پہلے لکھے گئے تھے۔ اناجیل اربعہ کے سب سے قدیم چار نسخے بتائے جاتے ہین، جن کا سنہ ۲۵۰۔۔۔۴۵۰ کے درمیان کا زمانہ قرار دیا جاتا ہی۔ ویٹیکان کوڈکیس اور سینائک کوڈکیس ولادت مسیح علیہ السلام کے ۳۴۰ برس بعد کے ہین اور الیگزنڈرین کوڈکیس اور دی کوڈکیس افرائم سنہ ۴۵۰ء کے ہین، لیکن ان سب کے مقابلہ مین صرف اسلام ہی یہ دعوی کرسکتا ہی کہ اس کا مذہبی نسخہ "صحیفۂ عثمانی" اب بھی دنیا مین موجود ہی۔

---

[1] عبرانی زبان مین حدیث و تفسیر کو "ماثورا" کہتے ہین اور محدث و مفسر کو "ماثوری" ۱۲

اہل یورپ کی غلط فہمی رفع کرنے کے لیے مین اس مضمون مین مسلمانون کے سلسلۂ روایت کی توثیق نہین کرنا چاہتا، میرا موضوع بیان محدود ہو اور صرف صدر اول کی کتابون سے متعلق ہو- مسلمان ہمیشہ مذہبی تعلیمات کے متعلق قرآن کو کافی سمجھتے رہے لیکن اس کا یہ منشا نہ تھا کہ وہ قانون تمدن کی پہلی دفعہ (تصنیف و تالیف) سے بے خبر رہین-

بے شبہہ عرب مین کتابت کا عام رواج نہ تھا- ملک بھر مین ۱۷ شخصون کے علاوہ کسی کو لکھنا نہین آتا تھا، اور جو لکھنے کے ساتھ تیر اندازی اور پیرنا بھی جانتا ہو وہ صاحب کمال سمجھا جاتا تھا[1]- سارا عرب اسی جہالت مین مبتلا تھا، لیکن آفتاب اسلام کے طلوع ہوتے ہی تاریکی کافور ہوگئی اور تمدن کی مختلف شاخون مین مسلمانون نے اتنی جلدی ترقی کی جسے دیکھ کر اس دور ترقی کو بھی حیرت ہو-

اس کی تعیین تو نہین کی جا سکتی کہ سب سے پہلے کس کو تصنیف و تالیف کا خیال پیدا ہوا، لیکن یہ امر یقینی ہو کہ ہجرت کو فقط ۲۵ یا ۳۰ برس گزرنے پائے تھے کہ مسلمانون کو کتابت کی طرف توجہ ہوئی اور مختلف عنوانات پر کتابین لکھنا شروع کین زائدہ بن قدامہ نے جو حسن بن عطیہ کے ساتھ جنگ روم (سنہ یا سنہ)

[1] فتوح البلدان بلاذری صفحہ ۴۷۹-

مین شہید ہوے۔ فن حدیث، تفسیر، تجوید اور اخلاق مین کئی کتابین لکھین جن مین علامہ ابن الندیم نے کتاب السنن، کتاب القرآت، کتاب التفسیر، کتاب الزہد، اور کتاب المناقب کا تذکرہ کیا ہو۔

امیر معاویہ کے حکم سے عبید بن شریہ جرہمی نے دنیا کی مختلف قومون کی ایک تاریخ طیار کی اور عوانہ بن حکم نے خاص عرب کی ایک تاریخ لکھی۔ عوانہ نے فن بایوگرفی مین بھی ایک کتاب لکھی اور امیر معاویہ کی لائف مین بھی اُن کی ایک تصنیف ہو۔ لیکن کتاب الفہرست کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہو کہ یہ دونون کتابین ایک ہین۔

تفسیر کی ابتدا بھی اُسی مبارک عہد مین ہوئی حضرت علیؓ اکثر اوقات قرآن کے مطالب بیان کیا کرتے تھے۔ ابوحمزۂ ثمالی کو یہ سُن سُن کر تفسیر قرآن لکھنے کا شوق ہوا۔ چنانچہ قرآن کے جستہ جستہ مقامات کی جو تفسیر اُس نے لکھی تھی وہ کئی جزء مین تھی[1]

عجیب بات یہ ہو کہ ان کتابون کے عنوانات ہمیشہ نئے نئے ہوتے تھے۔ مسائل خلافت کے متعلق ابن میثم کی کتاب الامامہ و کتاب الاستحقاق، تاریخی حیثیت مین اشنانی کی کتاب

---

[1] ایک جز مین بسا اوقات دو دو سو یا اس سے زیادہ ورق ہوتے تھے۔ دیکھو کتاب الفہرست مطبوعۂ لیپزگ (جرمنی) صفحہ ۱۰۷ واللہ اعلم ۱۲

فضائل علی و مقتل حسن بن علی اور علم کلام مین کتاب سلیم بن قیس ہلالی مین یہ جدت کسی قدر وضاحت سے نظر آتی ہو۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ محض حدیث، تفسیر، کلام، اور سیرۃ مین تصنیف و تالیف کا اُٹھتا ہوا جوش محدود ہوتا۔ نہیں۔ بلکہ حسب اقتضاے زمانہ اکثر علوم کی طرف توجہ ہوئی اور خاص کر فن طب و کیمیا مین کئی کتابین لکھی گئین۔

غیر زبانون سے ترجمہ کی بنیاد بھی اسی عہد مین پڑی، جس کے لیے صاحب کتاب الفہرست لکھتے ہین کہ سب سے پہلے خالد بن یزید کے لیے عربی مین کتابین ترجمہ کی گئین لیکن واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اس اولیت کے مستحق خالد کے دادا معاویہ ہین، جن کے حکم سے شام کے ایک عیسائی طبیب ابن آثال نے طب کی کتابین عربی مین ترجمہ کین۔

سب سے زیادہ جس علم مین مسلمانون نے وقت صرف کیا، مشہور ہوے، اور صاحب فن و مجتہد کہلائے وہ علم کیمیا ہو۔ ابن الندیم نے صفحۂ ۳۵۱ سے ۳۶۰ تک اسی کا تذکرہ کیا ہو اور کیمیاوی تصنیفات و تراجم کی ایک طویل فہرست دی ہو، جس مین بہت سی کتابین پہلی صدی کی ہین۔ مثلاً کتاب الحرارات، کتاب الوصیت وغیرہ وغیرہ۔

خاتمۂ سخن میں ہم یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ جس قوم کو کتابوں کی جانب اس قدر انہماک ہوگا اُس کے لیے کتبخانہ قائم کرنا بھی ایک طبعی امر ہے۔ لیکن یہ امر کہ کتبخانے کی ابتدا کس سے ہوئی! ایک امر مشتبہ ہے۔ عام راے میں خالد بن یزید کا خزانۃ الکتب پہلا اسلامی کتبخانہ سمجھا جاتا ہے اور ہم بھی اُس کتبخانے کی وسعت، خوش انتظامی، کتابوں کی فراوانی اور حسن و خوبی کو دیکھکر اس راے کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن فی نفسہ کتبخانے کا وجود اس کے قبل بھی ثابت ہے۔ تاریخ ہم کو بتا رہی ہے کہ ابن ابی بعرہ کا کتبخانہ ہر حیثیت سے قابل وقعت تھا۔ محمد بن اسحاق صاحب مغازی متوفی ۱۵۰ھ نے اس کتبخانے کو خود جاکر دیکھا تھا۔ اُن کا بیان ہے کہ ابن ابی بعرہ کو اُن کے ایک دوست نے جو کوفہ کے سر برآوردہ شخص تھے، مرتے وقت یہ کتبخانہ ہبہ کردیا تھا، اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۶۳ھ کے بعد یہ کتبخانہ قائم ہوا تھا واللہ اعلم بالصواب۔

خادم قوم

عبداللہ عمادی

علمی خبرین

اورینٹیل کانفرنس - علماے یورپ نے مشرقی علوم اور زبانون کی تحقیقات کے لیے ایک انجمن قائم کی ہی- جس کا چودھوان سالانہ اجلاس اس سال الجزائر مین ہوا تھا- اس اجلاس مین ایک رزولیوشن یہ پاس ہوا ہی کہ ضرورت زمانہ سے عربی مین جس قدر غیر زبانون کے الفاظ دخیل ہوگئے ہین، بجاے اُن کے خاص عربی اصطلاحین قرار دینی چاہیین اس غرض کے لیے ایک کمیٹی قائم ہوگی جس کی شاخین مصر و شام وغیرہ مین بھی ہونگی -

تمدن اسلام - اورینٹیل کانفرنس کے اہتمام سے تمدن اسلام کے متعلق ایک سائیکلوپیڈیا طیار ہو رہی ہی، جس کی تالیف مین یورپ کے ۵۰ عالم شریک ہین - یہ کتاب ۱۵ برس مین مرتب ہوگی -

شکار کرنے والے نباتات - قریبًا ۴۰۰ ایسے نباتات

...ورنباتات ہوے ہین جن کا خاصہ کیڑے مکوڑون کا شکار کرنا ہے
ان نباتات کی اصلی قسمین ۱۹ ہین -

ٹوکیو - جاپان کے دارالسلطنت ٹوکیو مین ایک کالج عورتون کے لیے مخصوص ہے، جس مین ۵۸۲ لڑکیان تعلیم پاتی ہین - مدت تعلیم تین برس ہے، اور اسی تھوڑی سی مدت مین اکثر ضروری علوم، حفظ صحت، علم النفس، تاریخ فنون، اخلاق، کیمیا، طبیعیات اور حسن معاشرت وغیرہ کی تعلیم دی جاتی ہے -

مسٹر کارنجی - امریکہ کے مشہور سخی مسٹر کارنجی نے امریکن کالجون کے پروفیسرون کو سالانہ ۵ لاکھ ڈالر انعام دینا منظور کیا ہے - یہ انعام صرف قومی کالجون کی حوصلہ افزائی کے لیے ہے - گورنمنٹ کالج کو اس سے مطلب نہین -

ہیڈروسکوپ - رانٹجن صاحب کی شعاعون سے تو زمین پر کی چھپی ہوئی چیزین جو نظر نہ آتی ہون دکھائی دیتی ہین لیکن مسٹر پنو کی ہیڈروسکوپ سے سمندر کی تہ کا حال معلوم ہوجاتا ہے یہ آلہ اگر پانی مین لگادیا جائے اور ایک اخبار ۳۶۰ فیٹ کی گہرائی مین رکھدیا جائے تو پانی کی سطح کے اوپر سے صاف طور سے پڑھ سکتے ہین -

برقی روشنی - تجربہ کیا گیا ہے کہ زرد رنگ کی برقی روشنی سے اعمال جراحی مین آرام ملتا ہے - کلوروفارم کی طرح اسس روشنی

سے بھی مریض بے ہوش ہوجاتا ہی اور عمل بانُید کی تکلیف کا احساس نہین ہوتا۔

مچھلی۔ خراب مچھلی کھانے سے اکثر خون مین فساد آجاتا ہی، اور جن لوگون کا معدہ ضعیف ہو اور مزاج مین سوداویت یا بلغمیت غالب ہو، اُن کو مچھلی کی کثرت زیادہ مضر ہی اور جذام یا برص پیدا ہونے کا خوف ہی۔

کنز العلوم۔ مصر کے مشہور فاضل ڈاکٹر فرید وجدی اسلامی علوم کی ایک سائیکلوپیڈیا لکھ رہے ہین۔ اس کا نام کنز العلوم ہوگا۔

تصنیفات سے آمدنی۔ ہندوستان مین اول تو مفید کتابین لکھی نہین جاتین اور اگر کسی نے لکھین بھی تو ملک کی عام ناقدروانی سے اُسے کوئی فائدہ نہین ہوتا۔ لیکن یورپ مین یہ کیفیت نہین ہی۔ وہان ایک کتاب سے ہزارون کی آمدنی ہوتی ہی۔ سر والٹر اسکاٹ کو صرف اپنی کتابون کی وجہ سے ۸۰ ہزار لیرہ (لیوری) کی آمدنی ہوئی۔ مس جارج الیٹ کو صرف ایک ناول "رومولا" کی وجہ سے ۷۰ ہزار لیرہ ملے۔ لارڈ رابرٹس و مسٹر جون مصنف لائف آف گلیڈاسٹون اور مسٹر اسٹینلی کو ایک ایک کتاب مین دس دس ہزار لیرہ کی آمدنی ہوئی۔ مس میری کارلی کو ناول "زسکا" کی اشاعت سے ہزار لیرہ ملے۔ اور مسٹر ہل کائن کو فقط ایک کتاب

دی کرسچین" کی تصنیف سے ایک لاکھ لیرہ کا فائدہ ہوا۔

کائنات اور زندگی۔ ڈاکٹر رسل ولیس کی رائے مین تمام کائنات کی خلقت انسان کے لیے ہوئی ہی۔ اہل یورپ کائنات کی وسعت کے مقابلہ مین سمجھتے تھے کہ زمین ایک نقطہ کے برابر ہی۔ ڈاکٹر صاحب نے ثابت کیا ہی کہ یہ نقطہ مرکز کائنات مین واقع ہو، اور زندگی صرف مرکز کائنات مین ممکن ہی اطراف مین ممکن نہین۔ لہذا بجز کرۂ زمین کے کواکب وغیرہ مین حیوانات کی آبادی خلاف واقع ہی۔

انگلستان اور دیوانگی۔ انگلستان مین دیوانون اور پاگلون کے علاج کے لیے ہر سال ۴۰ لاکھ پونڈ صرف ہوتے ہین، لیکن پھر بھی نتیجہ حسب خواہش نہین نکلتا۔ اس وقت انگلستان مین ایک لاکھ ۵۷ ہزار پاگل موجود ہین، جن کی دیوانگی کا سبب کثرتِ زنا و شرابخواری ہی۔

راز تندرستی۔ تندرستی کا راز یہ ہی کہ کھانا اوقات معینہ پر کھایا جائے اور کبھی بے وقت نہونے پائے۔ غذا نہایت سادی اور معتدل ہو۔

حفظ صحت کی تدبیر۔ حفظ صحت کی سب سے اچھی تدبیر ریاضت جسمانی ہی، لیکن کسی سبب سے ریاضت کا اتفاق نہ پڑے تو دوسری تدبیر یہ ہی کہ حتی الوسع گوشت کھانا کم کیا جائے کیون کہ اس سے بہت سے نقصانات پیدا ہوتے ہین جن کی مضرتین ضعیفی مین محسوس ہوتی ہین۔

چندۂ ندوۃ العلما من ابتداے یکم محرم لغایت سلخ صفر ۱۳۲۳ھ

چندۂ ندوۃ العلما

نمبر شمار	اسماے گرامی	تعداد رقم
۱	جناب منشی تفضل حسین خانصاحب ومنشی محمود علیخانصاحب رئیس محمدپور ضلع بارہ بنکی	عـہ
۲	جناب مسٹر محمد سعید صاحب بیرسٹر ایٹ لا پرتاب گڈھ	دعـہ ر
۳	جناب مولوی فدا حسین صاحب رئیس موضع رتنی ضلع گیا	عـہ
۴	جناب محمد ضامن صاحب ونبی بخش صاحب تاجر سلطان پور	۸ر
۵	جناب شیخ کفایت اللہ صاحب رئیس پرتاب گڈھ	عـہ ر
۶	جناب شیخ باقر صاحب برادر خرد شیخ صاحب موصوف	عـہ
۷	جناب احکام الدین صاحب ناظر کلکٹری سلطان پور	۶ر
۸	جناب حاجی رحیم بخش صاحب پنشنر انسپکٹر پولیس سلطانپور	۶ر

نمبر شمار	اسماے گرامی	تعداد رقم
۹	جناب منشی بشیر الدین صاحب محافظ دفتر کلکٹری سلطان پور	۶ر
۱۰	جناب الٰہی بخش صاحب کوتوال شہر سلطان پور	۶ر
۱۱	جناب حقدار خانصاحب معلم پٹواریان سلطان پور	۶ر
۱۲	جناب کلّن صاحب بالا پورہ سلطانپور	۲ر
۱۳	جناب سید اشرف حسین صاحب رئیس خیرآباد ضلع سلطان پور	۶ر
۱۴	جناب شیخ ضیا حسین صاحب نقل نویس کلکٹری سلطان پور	۶ر
۱۵	جناب منشی ولی صاحب عرائض نویس سلطان پور	۶ر
۱۶	جناب عبدالولی خانصاحب سلطانپور	۶ر
۱۷	جناب منشی محمد باقر خانصاحب ڈپٹی کلکٹر سلطان پور	۶ر
۱۸	جناب مولوی شیخ عبدالسلام صاحب وکیل سلطانپور	۶ر
۱۹	جناب میان محمد ہادی صاحب محرر	

نمبر	نام	رقم
	شیخ عبدالسلام صاحب وکیل سلطان پور	۱۲/
۲۰	جناب منشی عظیم اللہ صاحب سررشتہ دار کلکٹری سلطان پور	۶/
۲۱	جناب شیخ تفضل حسین صاحب ریونیو ایجنٹ سلطان پور	۶/
۲۲	جناب داروغہ الفت علیخانصاحب سلطان پور	۶/
۲۳	جناب مولوی محمد اسمعیل صاحب آبرو سکرٹری معین الاسلام سلطان پور	۶/
۲۴	جناب سید فخر الحسن صاحب اسپیشل اسسٹنٹ سردار شہر ریاست بیکانیر	صہ/
۲۵	جناب مولوی اکرام الدین صاحب مدرس مدرسہ چترال	۷/
۲۶	جناب شیخ مبارک اللہ صاحب ریونیو ایجنٹ پرتاب گڈھ	
۲۷	جناب شیخ رجب علیصاحب پنشنر سب انسپکٹر	۱۲/
۲۸	جناب منشی یعقوب شاہ خانصاحب منصرم سب ججی پرتاب گڈھ	۱۲/
	جناب منشی احسان الحق صاحب محرر وکیل	صہ/
۳۰	جناب مولوی محمد حسین صاحب قبلہ	صہ/
۳۱	جناب حافظ شکر اللہ صاحب طبیب میونسپلٹی پرتاب گڈھ	صہ/
	جناب منشی مخدوم خانصاحب ماسٹر پرتاب گڈھ	صہ/
۳۴	جناب منشی سید احمد صاحب محرر جوڈیشل تحصیل پرتاب گڈھ	صہ/
۳۵	جناب منشی مختار احمد صاحب کلرک پولیس پرتاب گڈھ	صہ/
۳۶	جناب شیخ نور محمد صاحب عطار پرتاب گڈھ	عہ/
۳۷	جناب شیخ فضل الدین صاحب عرائض نویس پرتاب گڈھ	عہ/
۳۸	جناب منشی حیات علیصاحب محرر تھانہ پرتاب گڈھ	عہ/
۳۹	جناب الٰہی صاحب موکیری	۴/
۴۰	جناب موسیٰ صاحب موکیری	۴/
۴۱	جناب حافظ عاشق علیصاحب امام مسجد پرتاب گڈھ	عہ/

۴۲	بمعرفت موصوف الصدر	۰۵ ر
۴۳	بابو شیونندن پرشاد صاحب سب اوورسیر	[illegible]
۴۴	جناب شیخ کفایت احمد صاحب محافظ دفتر دیوانی پرتاب گڈھ	عہ ر
۴۵	جناب منشی شرف الدین صاحب اہلمد منصفی پرتاب گڈھ	عہ ر
۴۶	جناب سید شاہ صاحب ابن رشید الدین صاحب وکیل	عہ ر
۴۷	جناب عبد اللہ خان صاحب رئیس پرتاب گڈھ	سے ر
۴۸	جناب عبد الصمد صاحب ملازم عبد اللہ خانصاحب	عہ ر
۴۹	جناب شیخ حمایت حسین صاحب رئیس پرتاب گڈھ	عہ ر
۵۰	جناب خورشید حسین صاحب نقل نویس	۴ ر
۵۱	جناب محمد خان صاحب سوداگر کندروگنج	۴ ر
۵۲	جناب علی حسن صاحب اسٹامپ فروش بازار کندروگنج	۴ ر
۵۳	جناب مراد صاحب تمباکو فروش کندروگنج	۸ ر
۵۴	جناب ماسٹر فضل حسین صاحب	۸ ر
۵۵	جناب شیخ علی حسین صاحب گرداور قانون گو	۵
	جناب منشی غیاث الدین صاحب کلرک خزانہ پرتاب گڈھ	عہ ر
۵۷	جناب محسن خانصاحب زمیندار بہلول پور ضلع پرتاب گڈھ	عہ ر
۵۸	جناب میر تصدق حسین صاحب بورڈنگ محمدن پرتاب گڈھ	۴ ر
۵۹	جناب نظام الدین صاحب بورڈر محمدن پرتاب گڈھ	۲ ر
۶۰	جناب اشتیاق حسین صاحب بورڈر محمدن پرتاب گڈھ	۲ ر
۶۱	جناب وکیل احمد صاحب بورڈر محمدن پرتاب گڈھ	۲ ر
۶۲	جناب مرتضی حسین صاحب بورڈر محمدن پرتاب گڈھ	۲ ر
۶۳	جناب ممتاز حسین صاحب امین عدالت بوارہ	عہ ر

۶۴	جناب حسینی صاحب کبری کنہ رودگنج	۴ر	۷۶	جناب سید مومن علی صاحب مدرس	۴ر
۶۵	جناب منشی خلیل احمد صاحب سب انسپکٹر پولیس پرتاب گڈھ	عہ ر	۷۷	جناب دلدار حسین صاحب نائب داروغہ جیلر	عا ر
۶۶	جناب بھگوتی صاحب تاجر چرم لمندرو گنج	سے ر	۷۸	جناب منشی محمد حسین صاحب کلرک	عہ ر
۶۷	جناب منشی سوہن لال صاحب محرر پنڈت شیوراج صاحب	عہ	۷۹	جناب منشی مولوی خیرات علی صاحب مدرس	عہ
۶۸	جناب پنڈت دوارکا پرشاد صاحب مہاجن	عہ ر	۸۰	جناب شیخ ممتاز حسین صاحب اہل مد منصفی	عہ
۶۹	جناب دیوی پرشاد صاحب ٹھیکہ دار کندرو گنج	عا ر	۸۱	جناب شیخ محمد علی صاحب محرر بیرسٹر صاحب	عہ ر
۷۰	جناب منشی ... پرشاد صاحب اہل مد سب ججی	۸ر	۸۲	جناب مصطفیٰ خان صاحب چپراسی سب ججی پرتاب گڈھ	سے ر
۷۱	جناب منشی ابو سعید صاحب اہل مد سب ججی	عہ ر	۸۳	جناب محمد شفیع صاحب نائب ناظر فوجداری	صہ ر
۷۲	جناب منشی الٰہی بخش صاحب نقل نویس سب ججی	عہ	۸۴	صاحبزادہ سید رشید الدین صاحب بی-اے-ایل-ایل-بی وکیل پرتاب گڈھ	عہ ر
۷۳	جناب منشی احمد علی خان صاحب مدرس	عہ ر	۸۵	جناب شیخ سلطان حسن صاحب داروغہ جیل پرتاب گڈھ	سے ر
۷۴	جناب شیخ عبد العلیم صاحب مدرس	عہ ر	۸۶	جناب عبد الہادی صاحب لازم سب ججی پرتاب گڈھ	۸ر
۷۵	جناب محمد صدیق صاحب مدرس	۸ر			

۸۷	جناب مولوی اصلح الدین حیدر صاحب وکیل	صہ/
۸۸	جناب عظیم خان چپراسی	۵/
۸۹	جناب نجم الدین چپراسی	۲/
۹۰	جناب انتظار علی صاحب چپراسی	۲/
۹۱	جناب محمد اسمعیل صاحب	۲/
۹۲	جناب منشی احمد حسین صاحب اوورسیر	مہ/
۹۳	جناب احمد حسین خانصاحب قرق امین بستی	عمہ/
۹۴	ایک متنفس	عا/
۹۵	جناب شیخ محمد اسحاق صاحب	۴/
۹۶	جناب ضیاء الحق صاحب مختار راجہ صاحب	۸/
۹۷	جناب شیخ احمد اسد صاحب	۲/
	میزان کل	اللعہ ۴/

چندہ خزانہ محمدیہ

۱	جناب منشی محبوب الٰہی صاحب سب انسپکٹر پولیس کوہ جراہ	عہ
	حافظ محمد سعید صاحب شہر کہنہ مارہرہ	عہ
	میزان کل	۲عہ

چندہ اشاعت اسلام

۱	جناب سید امام علی صاحب ضلع ہردوئی	صہ/
۲	جناب غلام علی صاحب ایک آنہ ماہوار	۶/
	میزان کل	مہ

چندہ زکوۃ

۱	جناب منشی امام الدین صاحب ہیڈ کلرک انجنیرنگ آفس پرتاب گڈھ	عہ
۲	موفت مولوی شاہ تجمل حسین صاحب بہاری وسنہ ضلع پٹنہ بابت چندہ متفرق	للعہ
	میزان کل	ہ

چندہ یتیمخانہ کانپور

جناب سید امین الدین صاحب ہردوئی	۱۲/

چندہ دار العلوم من ابتدائے یکم محرم ۱۳۲۳ھ لغایت سلخ صفر ۱۳۲۳ھ

چندہ دار العلوم

جناب مسٹر غلام حسین صاحب عارف رئیس

	وتاجران تربیتین کلکتہ	الف	
۲	جناب منشی مرزا رجب علی صاحب رئیس محلیور و فیض آباد	للعہ	
۳	جناب منشی قمر خانصاحب ڈپٹی کلکٹر سلطانپور	سے	
۴	جناب مولوی شیخ عبدالسلام صاحب وکیل سلطانپور	سے	
۵	اہلیہ جناب عبدالسلام صاحب وکیل سلطانپور	سے	
۶	جناب شیخ نظام الرحمن صاحب ساکن بڑاگاؤں ضلع بارہ بنکی	صہ	
۷	جناب بابو نظیر حسن صاحب سلطانپور	عہ	
۸	معلوم الاسم	۸	
۹	جناب مرزا عبدالجبار صاحب داگر سلطانپور	عہ	
۱۰	جناب منشی عظیم اللہ صاحب سررشتہ دار کلکٹری سلطانپور	۶	
۱۱	جناب محمد رضا صاحب سوداگر سلطانپور	صہ	
۱۲	جناب مولوی محمد عمران صاحب انسپکٹر آبکاری سلطانپور	عہ	
۱۳	جناب منشی احتشام الدین صاحب ناظر کلکٹری سلطانپور	عہ	
۱۴	جناب الٰہی بخش خانصاحب پلٹن بازار سلطانپور	عہ	

۱۵	جناب بہادر علی صاحب چپراسی سلطانپور	عہ
۱۶	جناب شیخ تفضل حسین صاحب روڈینیو ایجنٹ سلطانپور	صہ
۱۷	جناب الٰہی بخش خانصاحب سلطانپور	عہ
۱۸	جناب داروغہ الفت علی صاحب سلطانپور	عہ
۱۹	جناب کولٹی صاحب سلطانپور	عہ
۲۰	جناب سعید الدین صاحب جوتہ فروش سلطانپور	۶
۲۱	جناب بدر محمد صاحب داگر سلطانپور	۶
۲۲	جناب حافظ عبدالغنی صاحب سلطانپور	عہ
۲۳	جناب منشی ریاض الدین صاحب سلطانپور	عہ
۲۴	جناب مصاحب علی صاحب سلطانپور	عہ
۲۵	جناب حکیم حمیدالدین صاحب سلطانپور	عہ
۲۶	جناب حاجی محمد حسین صاحب بساطی	عہ
۲۷	جناب حکیم آباد حسین صاحب مجتہد پرتاپگڈھ	صہ
۲۸	جناب شہاب الدین صاحب سب انسپکٹر سلطان پور	عہ
۲۹	جناب سیف اللہ صاحب خیرآباد	عہ
۳۰	جناب قادر بخش صاحب سلطانپور	۸

۳۱	جناب عبدالغفور صاحب بزازہ سلطانپور	۸/		سلطان پور	عہ/
۳۲	جناب ولی محمد صاحب بزازہ سلطانپور	۸/	۴۶	جناب جعفر خانصاحب سلطان پور	۴/
۳۳	جناب فیض اللہ صاحب بزازہ سلطانپور	۸/	۴۷	جناب نور محمد صاحب عطار سلطانپور	صہ/
۳۴	جناب منشی ارشد علیصاحب عرائض نویس سلطانپور	عہ/	۴۸	جناب رعایت علیخان صاحب کانسٹبل سلطان پور	غہ/
۳۵	جناب شیخ عبداحمد صاحب سلطانپور	۲/	۴۹	جناب منشی مظہرالحق صاحب سلطانپور	عہ/
۳۶	جناب بہادر حسین صاحب سلطانپور	۲/	۵۰	جناب صدرالدین صاحب سلطانپور	۸/
۳۷	جناب حاجی علی بخش صاحب خیاط سلطانپور	غہ/	۵۱	جناب میران بخش صاحب سوداگر سلطانپور	عہ/
			۵۲	جناب محمد یوسف صاحب حجام سلطانپور	۸/
۳۸	جناب برخوردار صاحب سلطانپور	۱/	۵۳	جناب محمد ابراہیم صاحب حجام سلطانپور	۸/
۳۹	والدہ صاحبہ ابوالبرکات	۳/	۵۴	جناب ضمیر احمد صاحب کانسٹبل سلطانپور	۸/
۴۰	معلوم الاسم صاحب	۱/	۵۵	جناب محمد بخش صاحب سوداگر ٹمٹم	۸/
۴۱	جناب منشی عبدالرحیم صاحب اسٹامپ فروش سلطانپور	۸/	۵۶	جناب شیخ شہاب الدین صاحب محرر رجسٹری	۸/
۴۲	جناب صاحب دین صاحب عرائض نویس سلطانپور	۴/	۵۷	جناب شیخ چھیدی لالہ پورہ سلطانپور	عہ/
			۵۸	جناب چھنگا صاحب لالہ پورہ سلطان پور	عہ/
۴۳	جناب عالم علیصاحب عرائض نویس سلطانپور	۴/	۵۹	جناب محمد کاظم صاحب مختار روہوروا سلطانپور	عہ/
۴۴	جناب سید رحمت حسین صاحب ٹھیکہ دار سلطانپور	ل۰/	۶۰	جناب رحیم بخش صاحب لالہ پورہ سلطانپور	۴/
			۶۱	جناب ثابت علیصاحب لالہ پورہ سلطانپور	۴/
۴۵	جناب منشی کریم صاحب محرر کوتوالی		۶۲	جناب مدد علیصاحب عرائض نویس سلطانپور	۴/

۶۳	صبیہ شیخ عبد السلام صاحب وکیل سلطان پور	عا/
۶۴	جناب نور محمد خانصاحب سلطانپور	۸/
۶۵	جناب سید منظور احمد صاحب	عمر
۶۶	جناب شیخ مبارک اللہ صاحب ریونیو ایجنٹ پرتاب گڈھ	عا
	میزان کل	۱۸۱لعہ ۱۵ ۲۹

سرمایہ دار العلوم

۱	جناب مولوی ممنون حسن خانصاحب تحصیلدار برنی	صہ/
۲	جناب منشی امیر حسن خانصاحب اسسٹنٹ مجسٹریٹ رامپور	عا
۳	جناب جمعہ خانصاحب جبر رامپور	عہ/
۴	جناب امراؤ اللہ دولہ خانصاحب ریاست رامپور	عہر
۵	جناب دولہ خان صاحب مجسٹریٹ رامپور	عا
۶	جناب محمد فاروق صاحب رامپور	عہ/
۷	جناب منشی شیر زمان خانصاحب بہادر ممبر کونسل رامپور	عا/
۸	جناب محمد محمود شاہ صاحب کپتان ریاست رامپور	عہ
۹	جناب سید مرتضی حسین صاحب کورٹ انسپکٹر ریاست رامپور	عا/
۱۰	جناب منشی ہدایت اللہ خانصاحب اسٹیشن ماسٹر کچھ ضلع نینی تال	عہ/
۱۱	جناب منشی نصرت اللہ خانصاحب زمیندار موضع دوریا تحصیل کچھ	عا/
۱۲	جناب نصر الدین صاحب موضع کرڈ د تحصیل کچھ	عا/
۱۳	جناب حافظ محمد خلیل صاحب قصبہ ہندولی ضلع نینی تال	عہ/
۱۴	جناب قاضی محمد اسحاق صاحب محرر تحصیل کچھ	عہ/
۱۵	جناب سید اطہر علی صاحب نائب تحصیلدار کچھ	ے/
۱۶	جناب منشی یاور حسن صاحب سب اورسیر کچھ	ے/
۱۷	جناب بابو امام الدین صاحب سب اورسیر کچھ	
۱۸	جناب فدا علی صاحب پیس کندرکی ضلع مراد آباد	صہ/
۱۹	جناب منشی محمد نور الحسن صاحب ڈپٹی کلکٹر	

اطلاع ضروری

کاغذ کے اختلاف کی بناپر، الندوہ کی قیمت مین
جو تفریق تھی، مٹادی گئی، اور کاغذ یکسان کردیا گیا۔
لیکن جو حضرات درجۂ اول کی پیشگی
قیمت ادا کرچکے ہین، اُن کی فاضل رقم جمع رہیگی،
اور دوسرے سال مین مجرا دی جائیگی۔

اس پرچہ کا کاغذ بعض مجبوریون کی وجہ سے
اچھا نہ مل سکا۔ آیندہ پرچے عمدہ اور صاف کاغذ پر نکلینگے۔
صحت کا خاص اہتمام ہوا ہی جو سب سے
زیادہ ضروری چیز ہی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ

ہمکو اس بات سے خوشی ہوئی کہ جو مضمون ہمارے دارالعلوم کے ایک طالب العلم کا پچھلے پرچے مین شائع ہوا، وہ پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا، جناب مولوی الطاف حسین صاحب **حالی** نے ایک خط حال مین ہمکو لکھا ہو، اس مین تحریر فرماتے ہین

"سب سے زیادہ اس بات کی خوشی ہو کہ دارالعلوم نے اپنی"
"تعلیم کا نہایت عمدہ نمونہ پہلی ہی بار پیش کیا ہو فبارک اللہ"
"فیہا و فی طلبتہا و فی تعلیمہا۔ مجھے امید نہین بلکہ یقین ہو"
"کہ عربی کی کامل تعلیم، اور انگریزی کی بقدر ضرورت، ہماری قوم"
"مین ایسے لائق مضمون نگار اور مصنف پیدا کریگی کہ محض انگریزی"
"تعلیم، آج تک ویسا ایک بھی نہین پیدا کرسکی۔"

مولانائے موصوف نے جو کچھ لکھا ہو، اسکی واقعیت سے کسکو انکار

ہوسکتا ہی۔ مسلمانون مین جو لوگ آج ملی معرکون کے علم بردار ہین گو وہ
ہین جو عربی تعلیم یافتہ، اور انگریزی مذاق سے آشنا ہین، محض انگریزی
دانی نے اب تک تو کوئی صاحب قلم نہین پیدا کیا، آیندہ کی نسبت
کون راے دیسکتا ہی۔

بنگلور کے مسلمان، نہایت شوق اور خواہش سے ندوۃ العلما
سے ایک وکیل بھیجنے کی درخواست کررہے ہین۔ انھون نے خود
معقول چندہ جمع کرلیا ہی، اور لکھا ہی کہ وکیل کے آنے پر چندہ
کی تعداد بہت بڑھ جائیگی۔ ان کی یہ بھی خواہش ہی کہ اس سال
ندوہ کا سالانہ جلسہ وہین ہو۔ ہم بھی ان کی اس درخواست سے
متفق ہین، اگر ممالک متحدہ کسی وجہ سے ندوہ کے ساتھ سردمہری کا
برتاو کررہا ہی۔ تو دنیا قدردانون سے خالی نہین۔

ہیچ کس عزت نہ دارد در دیارِ خویشتن
آب تا در گل بود، آب ست و در مینا گلاب

شملہ کے پرجوش مسلمان بڑے زورشور سے
ندوہ کی سفارت کی طیاریان کررہے ہین۔ ہمکو معلوم ہوا ہی
کہ اس سفارت مین بڑے بڑے معزز علما اور واعظین شریک
ہون گے، مثلاً جناب مولوی شاہ سلیمان صاحب، جناب

مولوی عبدالحق صاحب، جناب مولوی سید عبدالحی صاحب خاکسار شبلی بھی اس قافلہ کا گردِ راہ ہوگا۔

بے شبہہ نہایت شرم کی بات ہر کہ ہمارے ہندو بھائیون مین ایثار نفس کی جہان سیکڑون مثالین پائی جاتی ہین، اسکے مقابلہ مین ہم ایک دو نظیر بھی نہین پیش کرسکتے۔ ہم روز سنتے رہتے ہین کہ فلان ہندو یا فلان آریہ، نے اپنی خدمات تمام عمر کے لیے بلاکسی معاوضہ کے کسی قومی کام کی نذر کردین، یا اس قدر قلیل معاوضہ لینا گوارا کیا، جو اسکی قابلیت کے مقابلہ مین بالکل ہیچ ہر۔ لیکن آج تک یہ سننے مین نہ آیا کہ کسی مسلمان نے اس قسم کی فیاض دلی کی ہو، حالآنکہ قومی ہمدردی کا غلغلہ اس زور سے بلند کیا جاتا ہر کہ اسکی آواز نہ صرف ہندوستان، بلکہ اقصای یورپ مین گونج جاتی ہر۔

لیکن خدا نے چاہا تو یہ حالت دیر تک قائم نہ رہیگی اکثر قلوب متاثر ہونے لگے ہین اور ایک آدھ مثالین بھی نظر آنے لگی ہین۔ مولوي عبدالحی صاحب ایک مدت سے ندوۃ العلما مین مددگارِ ناظم کی خدمت پر مامور ہین

اور انھون نے نہایت خوبی سے اس خدمت کو آج تک انجام دیا۔ چند مہینے ہوے انھون نے معاوضہ لینے سے بالکل انکار کردیا اور اب بغیر کسی قسم کے حق الخدمۃ کے اپنے کام کو اُسی مستعدی اور سرگرمی اور دلسوزی سے انجام دے رہے ہین۔ یہ فیاضی اُس وقت اور بھی قابل قدر ہوجاتی ہی جب یہ خیال کیاجاتا ہی کہ مولوی صاحب موصوف کو معاش کی طرف سے بےاطمینانی ہی اور اس وجہ سے ان کی زندگی نہایت عسرت کے ساتھ بسر ہوتی ہی، لیکن اُن کی اس عسرت پر سیکڑون امیرانہ زندگیان نثار کردینے کے قابل ہین۔

انشاء اللہ ہم چند روز مین اس قسم کی اور بعض مثالین پیش کرسکین گے۔

مُتَنَبّیِ

الندوہ مین ہمنے اخلاقِ عرب کے عنوان سے ایک سلسلہ شروع کیا تھا، جس کا صرف ایک نمبر نکل کر رہگیا، آیندہ وہ سلسلہ پھر شروع ہوگا، لیکن اس مضمون مین بھی اُس عنوان کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

متنبی اگرچہ چوتھی صدی کا شاعر ہی جبکہ شعرائے عرب کے تمام اوصاف مٹ چکے تھے اور جبکہ شاعری صرف بھٹئی اور گداگری رہگئی تھی تاہم چونکہ متنبی کا بچپن، صحرائے عرب اور بدوون مین گزرا تھا، اس لیے عرب کے بہت سے شریفانہ اخلاق اُس مین نظر آتے ہین۔

متنبی کا کلام درس مین داخل ہی، لیکن درس کا طریقہ ایسا ہی جس سے طلبا مین بجز اسکے کہ اشعار کے معمولی معنی یاد کرلین کسی قسم کی استعداد پیدا نہین ہوتی، اس کا یہ نتیجہ ہی کہ اگر

پوچھا جائے کہ متنبی کا خاص انداز کیا ہے؟ اسکے ہم عصر شعرا سے اسکو کیا نسبت ہے؟ اسکی شاعری مین کیا عیوب اور کیا محاسن ہین؟ تو طلبہ ایک طرف، اکثر علما بھی اسکے جواب سے قاصر رہینگے۔ اسلیے ہمنے اختصار کے ساتھ اسکے کلام پر تنقید بھی کی ہے، اور یہ حصہ طلبا اور علما کے خاص ملاحظہ کے قابل ہے۔

متنبی[1] کا نام و نسب یہ ہے۔ احمد بن الحسین بن الحسن بن عبد الصمد جعفی کندی کوفی۔ کوفہ مین ایک محلہ تھا جسکو کندہ کہتے تھے، متنبی اسی محلہ مین ۳۰۳ھ مین پیدا ہوا، اسی محلہ مین ایک مکتب تھا جس مین شرفاے کوفہ کی اولاد تعلیم پاتی تھی؛ متنبی نے اسی مکتب مین تعلیم پائی، اس زمانے تک مکاتب مین ادب، شعر اور لغت کی تعلیم ہوتی تھی۔ متنبی نے بھی یہی فنون حاصل کیے۔

شباب کا ابھی آغاز بھی نہین ہوا تھا کہ اس کا باپ اس کو

[1] متنبی کے حالات اگرچہ اکثر تذکرون مین ملتے ہین لیکن خزانۃ الادب (جلد اول صفحہ ۳۸۲) مین نہایت مستند ذریعہ سے اسکے حالات لکھے ہین۔ ایک مستقل کتاب بھی اسکی سوانح عمری مین لکھی گئی ہے، جو شرح دیوان متنبی کے حاشیہ پر مصر مین چھاپی گئی ہے اور جس کا نام "الصبح المنبی" ہے۔

لیکر عرب چلاگیا۔ اور ایک مدت تک مختلف قبیلون مین دورہ کرتا
رہا۔ خلفای بنوامیہ کے ہان دستور تھا کہ بچپن ہی مین اولاد کو،
قبائل عرب کے ہان بھیجدیتے تھے۔ تاکہ ان مین دلیری آزادی اور
زور تقریر کے وہ جوہر پیدا ہون جو صحرا نورد عربون کا خاصہ ہی۔
متنبی کو خوش قسمتی سے یہ موقع ہاتھ آیا اور اسکی سوانح مین
عزم اور بلند ہمتی کے جو آثار نظر آتے ہین اسی تربیت کے
نتائج ہین۔

متنبی فطرۃً شاعر تھا، بدویون مین رہ کر یہ ملکہ اور راسخ ہوگیا
اسنے ہوش سنبھالنے کے ساتھ شعر کہنا شروع کردیا تھا۔ اور چونکہ
عام عرب کے انداز کے خلاف، اسکی طبیعت مضمون آفرینی اور
نازک خیالی کی طرف مائل تھی، اسکو اپنا کلام، تمام شعرا سے ممتاز
نظر آتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اسنے نبوت کا دعوی کردیا اور اپنے اشعار
کو معجزہ قرار دیا۔ سوانح متنبی مین لکھا ہی کہ اسنے قرآن کے جواب
مین ایک کتاب بھی لکھی تھی۔ چنانچہ اسکے چند فقرے یہ ہین۔

" والنجم السیار و الفلك الدوار و اللیل و النہار ان الکافر"
" لفی اخطار امض علی سُنتك واقف اثر من کان قبلك "
" من المرسلین فان الله قامع بك زیغ من الحد فی الدین "
" و ضل عن السبیل۔ "

ابو العلاء معرّی اور عبداللہ بن المقفع کی نسبت بھی یہ مشہور ہی کہ

یہی وجہ ہے کہ معرکۂ جنگ کی تصویر جس طرح وہ کھینچ سکتا ہے، اس کے معاصرین سے نہین کھنچ سکتی۔

سیف الدولہ اگرچہ متنبی کی قدردانی مین کوئی کمی نہین کرتا تھا چنانچہ ایک دفعہ جب اسنے دریافت کیا کہ متنبی کو دفتر انعام سے کس قدر رقم دیجاچکی ہے تو معلوم ہوا کہ چاربرس کی مدت مین پینتیس ہزار[۳۵] اشرفیان اس کو مل چکی ہین، تاہم وہ، متنبی کی بیحد خودپرستی اور غرور سے تنگ آگیا تھا۔ اسلیے اسکے غرور توڑنے کے لیے وہ اکثر دربار کے اور شعرا کو متنبی کے مقابلہ کا حوصلہ دلاتا رہتا تھا۔ متنبی کو یہ سخت ناگوار ہوتا تھا۔ اسکےسوا ناراضی کے اور اسباب بھی جمع ہوتے جاتے تھے۔ متنبی کے آنےسے پہلے، سیف الدولہ کے دربار مین ابوالعباس نامی شاعر بڑا رسوخ رکھتا تھا لیکن متنبی کی سحرکاریون نے اس کا رنگ پھیکا کردیا، ایک دن تنہائی مین ابوالعباس نے اس کی شکایت کی، سیف الدولہ چپ رہا جب ابوالعباس نے زیادہ اصرار کیا تو سیف الدولہ نے کہا تم متنبی کا مقابلہ نہین کرسکتے، کیا تم متنبی کے اس شعر کا جواب کہہ سکتے ہو؟

یعود من کل فتح غیر مفتخر		و قد اعد علیه غیر محتفل
وہ فتح پر فتح حاصل کرتا ہے لیکن اسکو غرور نہین پیدا ہوتا		حال آنکہ جب لڑائی کے لیے چلا تھا تو کچھ طیاری بھی نہین کی تھی

ابوالعباس برہم ہوکر اٹھا، اور اسکو یقین ہوگیا کہ متنبی کے آگے اس کا چراغ نہین جل سکتا۔

اس سے بڑھکر یہ کہ امیر ابو فراس جو سیف الدولہ کا بھائی اور بہت بڑا شاعر تھا، متنبی کی نخوت پرستی سے ناراض ہوکر سیف الدولہ کے پاس گیا اور کہا کہ آپ اس مغرور کو تین ہزار دینار سالانہ دیتے ہین حالانکہ اس تنخواہ مین بیس شاعر اس درجہ کے مل سکتے ہین۔ غرض دربار کا دربار متنبی کا مخالف ہوگیا، اور سبنے سیف الدولہ کے کان بھرنے شروع کیے۔ آخر سیف الدولہ نے ناراضی کا اظہار کیا۔ اس موقع پر اگر کوئی ایرانی شاعر ہوتا تو اس حد تک خوشامد اور غلامانہ تملق کرتا کہ خواہ مخواہ ممدوح کا دل نرم ہوجاتا لیکن ایک عرب کا شاعر ایسا نہین کرسکتا تھا، متنبی نے ایک پُرزور قصیدہ لکھا، جس مین نہایت آزادی اور دلیری سے سیف الدولہ کی ناقدردانی، و ناانصافی اور اپنی بلندقدری اور خودداری ظاہر کی۔ اس قصیدہ کے جستہ جستہ اشعار سننے اور یاد رکھنے کے قابل ہین۔

ہم ان مین سے چند اشعار کا ترجمہ درج کرتے ہین۔

اے سب سے زیادہ عادل، (بجز میرے معاملہ کے)	تیرے ہی بارہ مین نزاع ہی، اور تو ہی دشمن، اور تو ہی ثالث ہی۔
آدمی کو آنکھ سے کیا حاصل	اگر اسکو تاریکی اور روشنی مین فرق نہ معلوم ہو (یعنی سیف الدولہ کو نیک و بد کی تمیز نہین)
مجھکو، گھوڑے، راتین، صحرا، تلوار، نیزے۔	اور کاغذ و قلم سب پہچانتے ہین۔
کاش یہ بادل (سیف الدولہ) جہان برستا ہی	وہین جاکر گرجتا بھی، (یعنی جن پر مہربانی کرتا ہو انھین پر ناراض بھی ہوتا)

اس قصیدہ پر تمام دربار برہم ہوا، یہان تک کہ ایک شخص نے سیف الدولہ کی زبان سے ابوالعشائر کے پاس کہلا بھیجا کہ متنبی نے یہ گستاخیان کین؛ ابوالعشائر نے دس آدمی انطاکیہ سے روانہ کیے کہ متنبی کو اس کی سزا دین۔ سیف الدولہ کے آستانہ پر متنبی سے اور اُن سے مُٹ بھیڑ ہوئی، ایک نے متنبی کی باگ پر ہاتھ ڈالا، متنبی نے تلوار کا ہاتھ مارا جو کمان کو کاٹ کر ہاتھ تک پونچا اور وہ شخص زخمی ہوکر گرا، اب سبنے مل کر تیر برسائے لیکن متنبی لڑ بھڑ کر نکل آیا۔

غرض ۳۴۶ھ مین متنبی حلب سے جو سیف الدولہ کا پاے تخت تھا، نکلا اور دمشق مین آیا۔ دولت عباسیہ کے ضعف سے ملک مین ہرطرف خودمختار حکومتین قائم ہوگئی تھین جو براے نام دربار خلافت سے اپنا تعلق ظاہر کرتی تھین۔ انھین مین مصر کی سلطنت تھی جس کا فرمان روا اس وقت کافور ایک خواجہ سرا تھا، اسلام نے غلامون کو جو رتبہ دیا اس کے نتائج مین ایک یہ بھی تھا کہ مصر و شام کی وسیع حکومت ایک حبشی غلام کے قبضۂ اقتدار مین تھی اور اس کا خطبہ حرمین مین پڑھا جاتا تھا۔ کافور پہلے نہایت ادنے درجے کا غلام تھا۔ چونکہ نہایت کریہ المنظر اور عجیب الہیئۃ تھا راہ چلتے لوگ اس کو چھیڑتے تھے رفتہ رفتہ والی مصر ابوبکر بن طغج کی خدمت مین پونچا جس کو دربار خلافت سے

اخشید کا لقب ملا تھا، ابوبکر کے مرنے پر کافور نے اس قدر اقتدار حاصل کرلیا کہ اس کا جانشین بنگیا اور جب تک زندہ رہا بڑی شان و شوکت سے حکومت کی، مصر و شام، حجاز۔ نجد و یمن مین اسی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

متنبی مداحی اور بھٹئی سے بالطبع متنفر تھا، وہ چاہتا تھا کہ کسی صوبہ یا ضلع کی حکومت مل جائے تو آزادانہ زندگی بسر کرے اسی توقع پر وہ کافور کے دربار مین حاضر ہوا۔ پہلا قصیدہ جو سنہ ۳۴۶ھ مین اسنے کافور کے سامنے پڑھا اس کا مطلع یہ ہے۔

کفی بک داءً ان تری الموت شافیا	وحسب المنایا ان یکن امانیا

کافور نے مختلف موقعون پر اس کو گران بہا صلے دیے لیکن اسکی بلندنظری کو ان چیزون سے تسلی نہین ہوسکتی تھی، اسنے اکثر قصیدون مین اس خیال کو ظاہر کیا، ایک قصیدہ کا خاتمہ یہ ہے۔

فارم بی ما اردت منی فانی	اسد القلب آدمی الرواء
جو خدمت چاہے میرے سپرد کر	کیونکہ مین آدمی کی صورت مین شیر ہون
وفوادی من الملوک وان کا	ن لسانی من الشعراء
میرا دل بادشاہون کا دل ہے	گو میری زبان شاعرون کی ہے

ایک اور قصیدہ مین لکھتا ہے،

ابا المسک هل فی الکاس فضل اناله	فانی اغنی منذ حین وتشرب
اے کافور! پیالہ مین کچھ باقی بھی ہے؟ جو میرے کام آئے	بڑی دیر سے مین گا رہا ہون اور تو پی رہا ہے

وهبت على مقدار كفي زماننا	ونفسي على مقدار كفك يطلب
تونے جو دیا وہ زمانہ کے ہاتھوں کے انداز سے دیا	لیکن میں تو تیرے ہاتھ کے انداز سے چاہتا ہوں
اذا لم تنط بی ضیعة او ولایة	فجودك يكسوني وشغلك يسلب
اگر تونے مجھکو کوئی جاگیر یا کہیں کی حکومت نہ دی	تو تیری سخاوت مجھکو کپڑے پہنائیگی اور دربار کی حاضری اسکو چھین لیگی

کافور ۔ متنبی کی درخواست کو منظور کرلیتا لیکن متنبی کی بلندحوصلگیوں کا اسکو جو تجربہ ہوا اسنے یقین دلادیا کہ متنبی کی حوصلہ مندی کی یہ ابتدائی منزلیں ہیں، ورنہ وہ سلطنت اور حکومت کے بغیر چین نہیں لے سکتا ۔ متنبی کو جب اپنی ناکامی کا یقین ہوگیا تو اسنے کافور کے دربار میں جانا چھوڑدیا اور ہرطرح کے تعلقات ترک کردیے، ایک ایشیائی دربار میں اس قسم کی گستاخی بہت بڑا جُرم تھی - کافور نے متنبی کو سزا دینی چاہی، جس کی ابتدا یہ تھی کہ متنبی پر پہرے بٹھادیے گئے کہ بھاگ کر نکل نہ جانے پائے ۔ سوانح متنبی میں لکھا ہے کہ جب کافور نے متنبی کو ضرر پونہچانے کا ارادہ کرلیا اور اس کی جان معرض خطر میں آگئی تو بعض شخصوں نے ہمدردی کے لحاظ سے متنبی کو اس حال سے مطلع کردینا چاہا لیکن کافور کے خوف سے یہ جرأت نہ کرسکے متنبی نے آخر تنگ آکر کافور کی ہجو لکھی جسکے دوشعر یہ ہیں

صار الخصی امام الآبقين بها	فالحر مستعبد والعبد معبود
یہاں ایک خواجہ سرا فراری غلاموں کا امام ہے	آزاد، غلام بن گئے ہیں اور غلام معبود بن گیا ہے
ماكنت احسبنی ابقى الى زمن	يسيئ بی فیه كلب وهو محمود

مین یہ نہین خیال کرتا تھا کہ مین ایسا زمانہ دیکھون گا	جس مین ایک کتا مجھکو ستائے اور پھر مجھکو اسکی تعریف کرنی پڑے

سلاطین اور امرا سے ناراض ہوکر ہجو لکھنا ایشیائی شعرا کا عام شعار تھا اور یہ ایشیائی شاعری کے چہرہ کا بڑا بدنما داغ ہے۔ فردوسی نے محمود کے تمام احسانات اور کارنامون کو یہ کہکر مٹادیا

پرستار زادہ نیاید بکار	وگرچند دارد پدر شہریار

تاہم متنبی مین اس قدر شرافت کی ادا نظر آتی ہے کہ گو وہ اکثر امرا اور ہمعصرون سے ناراض ہوا لیکن ہجو صرف اُن کی لکھی جو ہجو کے قابل بھی تھے۔ سیف الدولہ سے بھی وہ ناراض ہوا اور یہ ناراضی بجا بھی تھی تاہم اسنے بجز ایک دوستانہ شکایت آمیز قصیدے کے ایک حرف بھی اسکی شان مین نہین کہا۔

متنبی نے سمجھ لیا تھا کہ ہجو کے بعد مصر مین رہنا آسان نہین چنانچہ اسنے پہلے سے طیاریان کررکھی تھین، جس راستہ سے سفر کرنا تھا، آدمی بھیجکر جابجا زمین کے نیچے نیزے اور ہتھیار دبوا دیے، جان نثار غلامون کو مسلح کیا دس دن کی خوراک کے موافق اونٹون پر پانی کے مشکیزے رکھوالیے، یہ سب سامان کرکے عین عید کے دن ۳۵۰ھ مین مصر سے نکلا، کافور کو یہ خبر لگی تو فوراً ہر طرف ناکہ بندیان کرادین، تمام عرب قبائل کے پاس قاصد دوڑا دیے کہ متنبی جہان ملے گرفتار کرکے بھیجدو، یہ سب کچھ ہوا لیکن متنبی دو منزلہ سہ منزلہ طے کرتا لڑتا بھڑتا صاف نکل گیا راہ مین اس کے

غلاموں نے بیوفائی کی، اسنے ان کو بھی چھوڑا اور جریدہ و تنہا تمام منزلین طے کین، کوفہ مین پہنچکر ایک طول طویل قصیدہ لکھا جسمین سفر کے تمام حالات اور راستہ کے مقامات نہایت تفصیل سے بیان کیے، چنانچہ مقامات کے نام گناکر فخریہ لکھتا ہے۔

فلما انخنا رکزنا الرماح	فوق مکارمنا والعلا
جب ہم سواری سے اُترا	تو نیزون کو بلند ہمتی اور شرافت کی سطح پر گاڑا
وبتنا نقبل اسیافنا	ونمسحها من دماء العدا
اور تلوار کو بوسے دیے	اور دشمنون کے خون کے دھبے مٹائے
لتعلم مصر ومن بالعراق	ومن بالعواصم انی الفتی
تاکہ مصر اور عراق اور عواصم کو	معلوم ہوجائے کہ مین مرد ہون

کوفہ سے متنبی نے بغداد کا رخ کیا، بغداد اس زمانے مین دیلمیون کے زیر اثر تھا اور **مہلبی** جو معزالدولہ کا وزیر تھا سیاہ و سپید کا مالک تھا۔ متنبی اسکے دربار مین حاضر ہوا، اتفاق سے اُس وقت ابوالفرج اصفہانی (مصنف کتاب الاغانی) بھی موجود تھا۔ علمی چرچے ہورہے تھے کہ کسی نے یہ شعر پڑھا۔

سقی الله امواها عرفت مکانها	جراما وملکوما وبذرا فابغما

متنبی نے کہا جراما نہین بلکہ جرابا صحیح ہے۔ ابوالفرج اصفہانی نے اس سے انکار کیا۔ متنبی دوسرے دن دربار مین گیا، تو مہلبی منتظر تھا کہ مدحیہ قصیدہ کہکر لایا ہوگا، لیکن متنبی

اس درجہ کے لوگون کی ہجا گوئی کو عار سمجھتا تھا۔ تیسرے دن بھی جب متنبی دربار مین خالی ہاتھ گیا تو مہلبی کو نہایت رنج ہوا۔ اسنے شعرا کو اشارہ کردیا کہ متنبی کی خبرلین چنانچہ شعرا نے ہجوون کا طومار لگادیا۔ لیکن متنبی خبرتک نہ ہوا اور جب لوگون نے کہا کہ آپ کی طرف سے بھی جواب ہونا چاہیے تو اسنے کہا کہ مین پہلے کہہ چکا ہون

واذا اتتك مذمتی من ناقص	فهی الشهادة لی بانی کامل
جب کم درجہ کے لوگ میری برائیان بیان کرین۔	تو یہی دلیل ہو کہ مین کامل ہون

بغداد کی ناقدردانی دیکھکر متنبی نے یہان سے بھی نکلنے کا ارادہ کیا، بغداد چھوڑکر اہل فن کا کہین ٹھکانا تھا تو فارس و شیراز تھا جو عضدالدولہ کا پایۂ تخت تھا۔ عضدالدولہ اس زمانے کا سب سے بڑا بادشاہ تھا اور اسی وجہ سے شاہنشاہ کہلاتا تھا، اس کے درباریون مین محمد بن العمید بڑے پایہ کا شخص تھا۔ خود صاحب علم و فن اور علم و فن کا نہایت قدردان تھا، اس کو جب یہ خبرلگی کہ متنبی نے فارس کا رخ کیا ہی تو اس کو بڑا تردد یہ پیدا ہوا کہ اگر متنبی نے مہلبی کی طرح مجھکو قابل خطاب نہ سمجھا تو میری بڑی تحقیر ہوگی، پیشبندی کے طور پر جب متنبی کا ذکر آتا تو حقارت سے نام لیتا تھا۔ الصبح المنبی مین لکھا ہی کہ ایک دن ابن العمید کے درباریون

[1] خزانۃ الادب تذکرۂ متنبی۔

مین سے ایک شخص اُس کے دربار مین گیا تو دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے مغموم بیٹھا ہی، درباری نے پوچھا کہ حضور کیون متفکر ہین۔ ابن العمید نے کہا میری بہن کے انتقال مین کچھ اوپر ساٹھ خط تعزیت کے آئے ہین ہر خط متنبی کے اس شعر سے شروع ہوتا ہو۔

طوی الجزیرۃ حتی جاءنی خبر		فزعت فیہ بآمالی الی الکذب

ایسے شخص کی شہرت کو مین کیونکر مٹا دون۔

متنبی نے اگرچہ مختلف موقعون پر یہ خیال ظاہر کردیا تھا کہ مین بادشاہون سے نیچے نہین اُترتا اور اسی بناپر اُس نے مُہلبی کی مدح سے انکار کردیا تھا لیکن ابن العمید کے متعلق اس کو اپنی ضد سے بازآنا پڑا۔ ابن العمید دولت و حشمت، جاہ و جلال، انتظام و تدبیر کے لحاظ سے تو جو کچھ تھا، تھا ہی، علم و فضل، مین بھی وہ متنبی کا ہمسر بلکہ بعض حیثیتون سے بڑھکر تھا، علمای ادب کا، اتفاق ہو کہ انشاپردازی اور نثاری مین تمام اسلامی دنیا مین اُسکا جواب نہ تھا، یہ مشہور فقرہ ہو کہ انشاپردازی عبدالحمید سے شروع ہوئی اور ابن العمید پر ختم ہوگئی، **صاحب بن عباد** جو فن ادب کا ایک رکن ہو ابن العمید ہی کا تربیت یافتہ ہو، اس کے علاوہ وہ فلسفہ اور حکمت مین کمال رکھتا تھا، اسلیے متنبی نے اگر اسکی مداحی گوارا کی تو کچھ بیجا نہ کیا، تاہم مداحی مین یہ آن قائم رکھی کہ مدح امیرانہ انداز سے نہین کی بلکہ اُس کے علمی اوصاف بیان کیے

بخلاف اس کے شعرای عجم، کسی شاعر یا مصنف کی بھی مدح کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ سکندر و دارا کی داستان سنا رہے ہیں۔

بہرحال متنبی نے ارجان کا رخ کیا جہاں ابن العمید قیام پذیر تھا، شہر سے باہر ایک جگہ ٹھہر کر اپنے غلام کو بھیجا کہ ابن العمید کو جاکر خبر کرے۔ یہ دوپہر کا وقت تھا اور ابن العمید خواب راحت کرنا چاہتا تھا کہ یہ مژدہ پہنچا۔ بیساختہ اٹھ بیٹھا اور نہایت استعجاب سے پوچھا کہ کیا واقعی متنبی یہاں آگیا، اسی وقت استقبال کے لیے اپنے خاص حاجب کو بھیجا۔ حاجب سوار ہوا تو راہ میں جو لوگ ملتے گئے سب کو ساتھ لیتا گیا، متنبی بڑے سروسامان سے شہر میں داخل ہوا۔ دربار میں آیا تو ابن العمید نے سروقد تعظیم دی متنبی کے لیے پہلے سے ایک کرسی بچھا دی گئی تھی جس پر کمخواب کا گدا پڑا ہوا تھا۔ ابن العمید نے کہا میں آپ سے ملنے کا بہت مشتاق تھا۔ معمولی بات چیت کے بعد متنبی نے آستین سے ایک کاغذ نکالا اور یہ قصیدہ پڑھا۔

بادٍ هواك صبرت او لم تصبرا	وبكاك ان لم يجر دمعك او جرى

تشبیب کے بعد مدح کے بعض اشعار یہ ہیں۔

من مبلغ الاعراب عنى اننى	شاهدت رسطاليس والاسكندرا
بدویوں سے یہ پیغام کون جاکر کہیگا	کہ میں نے ارسطو اور سکندر دونوں کو دیکھا
وسمعت بطلميوس دارس كتبه	متملكا متبديا متحضرا

بن لے بطلیوس کو درس دیتے سنا		جو فراتر دہابھی ہی، بدوی بھی ہی، شہری بھی ہو

ابن العمید نے متنبی کی شاگردی اختیار کی، یعنی مجموعۂ لغت جو متنبی نے خاص اپنی تحقیق اور تفحص سے مرتب کیا تھا اس سے پڑھا۔

ابن العمید نے خلعت و تحائف کے علاوہ پچاس ہزار اشرفیاں متنبی کی نذر کین۔[1]

متنبی ارجان ہی مین تھا کہ عضدالدولہ کو یہ خبر پونچی، اسنے ابن العمید کو لکھا کہ متنبی کو یہان بھیجدو، ابن العمید نے یہ پیغام متنبی سے کہا اسنے کہا۔ عجمی میری قدر کیا جان سکتے ہین۔ ابن العمید نے کہا عضدالدولہ مجھسے ہربات مین بڑھکر ہی۔ متنبی نے کہا مین بادشاہون کی ملاقات سے تنگ آگیا ہون، مین انکو بقای دوام کا تاج پہنا دیتا ہون اور وہ مجھکو صلہ مین ایسی چیزین دیتے ہین جو چار دن بھی نہین ٹھہرتین، اس کے علاوہ مین ایک جگہ جمکر قیام نہین کرسکتا، اور سلاطین، مجھکو قیام پر مجبور کرتے ہین، نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ بڑی بےلطفی سے مجھکو قطع تعلق کرنا پڑتا ہی۔ ابن العمید نے تمام باتین عضدالدولہ کو لکھ بھیجین۔ وہان سے جواب آیا کہ متنبی کو ہربات کا پورا اختیار ہی، غرض متنبی ارجان سے روانہ ہوا شیراز کو جب بارہ میل باقی رہ گئے تو عضدالدولہ نے ابوعمر صباغ کو متنبی کی پیشوائی کے لیے بھیجا۔ دونون ساتھ ساتھ آئے، صباغ کی

[1] یہ پوری تفصیل خزانۃ الادب مین ہی۔

فرمایش پر متنبی نے راہ مین قصیدۂ مصریہ کے اشعار سنائے،
متنبی کے لیے پہلے سے ایک آراستہ مکان طیار رکھا گیا تھا، سفر
کی تکان مٹنے کے بعد وہ عضدالدولہ کے دربار مین گیا، اور
عضدالدولہ کے تخت شاہی کے متصل دربار کے قاعدہ کے موافق
پا انداز کو بوسہ دیا پھر سروقد کھڑا ہوا اور کہا کہ مین اُس سواری کا ممنون
ہون جو مجھکو یہان تک لائی، عضدالدولہ نے گرمجوشی سے سفر کے
حالات پوچھے۔ متنبی نے مناسب جواب دیا۔

چندروز کے بعد مدحیہ قصیدہ لیکر گیا اور چاہا کہ دربار کے
دستور کے موافق کھڑے ہوکر پڑھے لیکن عضدالدولہ نے بٹھالیا
متنبی قصیدہ پڑھکر چلا آیا تو عضدالدولہ نے کافور۔ عنبر۔ مشک
عود۔ اسپ خاصہ جو پچاس ہزار بکریون کے عوض مین خریدا گیا تھا
کمخواب کے استر کی چادر، عمامہ جسکی قیمت پانچ ہزار دینار تھی۔
ہندوستانی مرصع تلوار جس کا پرتلا سونے کا تھا، ان سب کے علاوہ
روپیون کے توڑے، صلے مین بھیجے۔ ایک موقع پر جب اسنے
گل افشانی کے جشن مین یہ شعر پڑھے

قد صدق الورد فی الذی زعما	انک صیرت نثرہ دیما
کانما مایج الھواء بہ	بحر حوی مثل مایہ عنما

تو شاہانہ خلعت عطا کیا۔

متنبی نے اگرچہ عضدالدولہ کی مدح مین بہت کچھ زورطبیعت

صرف کیا لیکن سیف الدولہ کے علمی دربار مین جن حریفون کا اس کو مقابلہ رہتا تھا، اس پایہ کے لوگ، عضدالدولہ کے دربار مین کہان سے آسکتے تھے اسلیے کلام مین وہ زور نہ پیدا ہوگا عضدالدولہ نے اس تنزل کو محسوس کیا چنانچہ لوگون سے کہا کہ متنبی کا زور کلام اُسی وقت تک رہا جب تک وہ عرب مین تھا، متنبی نے سنا تو کہا کہ جیسے مخاطب ہوتے ہین ویساہی شعر بھی کہا جاتا ہے۔

تاہم عضدالدولہ نے قدردانی مین کچھ کمی نہین کی، سوانح متنبی مین لکھا ہے کہ متنبی کو دولاکھ درہم صلہ مین عطا کیے۔ آخر متنبی کا دل یہان سے بھی اُچاٹ ہوا، ایک وداعی قصیدہ لکھا اور عضدالدولہ سے رخصت ہوکر کوفہ کو روانہ ہوا، اھواز پہنچکر مقام کیا، راہ مین بارش کی وجہ سے اسباب اور کپڑے نم ہوگئے تھے صندوق کھلواکر کپڑے دھوپ مین پھیلا دیے، ابوالحسن سوسی کا بیان ہے کہ مین اس وقت موجود تھا، رنگین اور بیش بہا کپڑے میدان مین پھیلائے گئے تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ ہرطرف چمن زار کھِل گیا ہے۔

متنبی کی دولتمندی کی خبر عام ہوئی تو بدویان کا سردار فاتک اسدی آیا اور متنبی سے کہا کہ آگے راستہ بہت پرخطر ہے اگر ارشاد ہو تو میرے قبیلہ کے آدمی حضور کے ہمراہ جائین حضور اُن کو کچھ انعام دلا دین۔ متنبی کو اپنی شجاعت و سپہگری پر ناز تھا، اس کے ساتھ وہ نہایت بخیل اور حریص بھی تھا

تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا، اور کہا کہ جب تک یہ میرے ہاتھ مین ہو، مین آسمان کے نیچے کسی کی پروا نہین کرتا، فاتک اٹھکر، چلا آیا، اور ساٹھ ستر آدمی لیکر ایک کمین گاہ مین چھپ کر بیٹھا، متنبی سامنے سے گزرا تو دفعتہ حملہ آور ہوا۔ متنبی دیر تک لڑتا رہا۔ لیکن ایک آدمی جماعت کثیر کا کیا مقابلہ کرسکتا تھا، شکست کھائی اور چاہا کہ جان بچاکر نکل جائے۔ متنبی کے غلام نے کہا کہ آپ کا وہ شعر کیا ہوا

الخیل واللیل والبیداء تعرفنی	والحرب والضرب والقرطاس والقلم
مجھکو گھوڑے، راتین، صحرا	جنگ وجدل، کاغذ اور قلم سب پہچانتے ہین

متنبی نے کہا ہان خوب یاد دلایا، یہ کہکر پلٹا اور لڑکر مارا گیا۔

اس قسم کا موقع ایران کے مشہور شاعر **انوری** کو بھی پیش آیا تھا، یعنی راستہ مین چورون نے آلیا تھا، انوری کے ساتھ ایک درزی اور ایک حکیم صاحب بھی تھے، سب جان بچاکر بھاگے۔ انوری نے اس واقعہ کو خود لکھا ہو اور معذرت یہ کی ہو کہ (مصرع)

حکیم و شاعر و درزی چگونہ جنگ کند!!

بعض مورخون نے لکھا ہو کہ فاتک اسدی کی دشمنی کی یہ وجہ تھی کہ متنبی نے قبیلۂ بنوضبہ کی ہجو کہی تھی، بہرحال جوکچھ ہو فاتک کی ناقدردانی نے ایک ایسے شخص کو کھودیا جس کا جواب اُس وقت سے آج تک نہ پیدا ہوسکا۔

متنبی کے ساتھ اُس کا بیٹا اور غلام بھی مارا گیا، اور اُس کی بے شمار دولت بے رحم غارتگرون کے ہاتھ آئی،

ز مرغانِ حرم در کامِ زاغان طعمہ اندازد
مدارِ روزگارِ سفلہ پرور را تماشا کن

(باقی آیندہ)

اعجاز القرآن

مسلمانون کا اعتقاد ہو کہ قرآن شریف الفاظ و معانی دونون حیثیتون سے معجزہ ہو، ایسا معجزہ کہ دنیا مین بڑے بڑے ادیب ہوے لیکن دو چار فقرون کے نشستِ الفاظ مین بھی وہ زور نہ پیدا کرسکے جو قرآن کے ایک ایک لفظ ایک ایک آیت مین موجود ہو۔ مسلمانون مین جب علم تھا تو قرآن کے وجوہِ اعجاز پہ تفصیل سے بحث کی جاتی تھی، اور خاص اعجاز القرآن کا ایک فن مرتب ہوگیا تھا، جس مین اکثر اہل علم طبع آزمائی کرتے تھے .. عرب مین اس فن کی جو کتابین مشہور تھین، اُن مین ابوبکر بن کامل کی کتاب موجز التاویل عن معجز التنزیل، احمد بن علی مہرجانی کی جوابات القرآن، ابوعبید کی کتاب المجاز، جاحظ کی نظم القرآن، محمد بن یزید واسطی کی اعجاز القرآن، ابن اخشید کی نظم القرآن، ابومقسم کی کتاب الانوار، حسن بن جعفر بریلی کی کتاب البیان، ابوعلی حسن بن علی بن نصر کی نظم القرآن، ابن جنید کی الامثال فی القرآن

اور شریف مرتضیٰ کی معجز القرآن کا خاص رتبہ تھا، لیکن اب ان کتابون کا نام ہی نام رہ گیا ہی۔ اور دنیا مین بہت تھوڑے باکمال ایسے ہین جو یہ بتا سکین کہ قرآن کی وہ کیا خصوصیتین ہین جن کی بناپر اُس کو معجزہ کہہ سکتے ہین۔

قرآن مین اعجاز کی بہت سی صورتین ہین، اور خدانے چاہا تو آئندہ حصے کے مختلف نمبرون مین۔ مین ان سب پر بحث کرونگا، لیکن یہ مضمون خشک ہوگا اور انتہائی متانت کا پہلو لیے ہوے، ضرورت ہی کہ پہلے ناظرین کے مذاق کا اندازہ کرلیا جائے اور اس نمبر مین صرف ایک دو معمولی باتین لکھی جائین۔

یہ باتین زیادہ تر نصر بن محمد بن محمد بن عبدالکریم کی پیدا کی ہوئی ہین۔ یہ شخص سلطان صلاح الدین یوسف کے عہد مین تھا، اور ملک الافضل و ملک العادل کا میرمنشی تھا۔ فن اعجاز القرآن مین اُس کو خاص مناسبت تھی اور اس باب مین اُس کو اپنی نکتہ سنجی پر فخر تھا۔

وہ لکھتا ہی کہ بلاغت کی ابتدائی حد یہ ہی کہ جتنے الفاظ مستعمل ہون، اُن مین کوئی مبتذل اور نامانوس نہو۔ لیکن اس قید کی کُلیتہً پابندی آج تک کسی سے نہو سکی۔ مثلاً "لقالق" کا لفظ نہایت مبتذل ہی، لیکن متنبی لکھتا ہی " یصیح الحصا فیہا صیاح اللقالق"۔

سله المثل السائر۔ مطبوعۂ بولاق۔ سنۂ ۱۲۸۲ ۔صفحۂ ۴۰ ۔

"مندف" ایک بازاری اصطلاح ہو لیکن فرزدق کہتا ہو "علی معروات البیت قطن مندف"۔ "مزاج" عامی لفظ ہو لیکن بحتری کہتاہو "ام صبغت بعدی بالمزاج"۔ "شطار" اور "شطارہ" سوقیون کی بول چال ہو لیکن ابونواس کہتا ہو "بالجهل اترك صحبة الشطار" اینٹ کے معنی مین عربی مین کئی لفظ ہین، آجر، آجور، قرمد، قرمید، اور طوب۔ لیکن ان سب مین ابتذال اور غرابت ہو پھر بھی نابغۂ ذبیانی کہتاہو

أو دمية فی مرمر مرفوعة	بنیت بآجر یشاد بقرمد

قرآن کی بلاغت دیکھو، اسی اینٹ کے استعمال کی ضرورت پڑی تو ارشاد ہوا "فَاَوْقِدْ لِیْ یٰهَامٰنُ عَلَى الطِّیْنِ"، نامانوس الفاظ چھوڑ دیے اور وقود علی الطین سے کیا بات پیدا کرلی - ایک اور مقام پر بیان یہ کرنا ہو کہ ہاتھ اور پانؤن اور جتنے اعضا ہین سب اپنے اپنے گناہون کا اقرار کرینگے اور بدکارون کے اعضای تناسل بھی زنا کی گواہی دینگے - بیان واقعہ مین اعضای تناسل کا ذکرہ ضروری بھی ہو اور شرمناک بھی، لیکن دیکھنا کس لطافت سے یہ عقدہ حل ہوا ہو: "وَیَوْمَ یُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ یُوْزَعُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝" لفظ جلود مین سارا مطلب آگیا اور کس تہذیب سے -

بعض الفاظ مانوس بھی ہوتے ہین اور فصیح بھی لیکن

ترکیب مین نامانوس ہوجاتے ہین - مثلاً شریف رضی کہتے ہین :

اعزز علی بان اراک وقد خلا		عن جانبیک مقاعد العواد	

اس مین مقاعد کا لفظ بھی فصیح ہی اور عواد بھی، لیکن مقاعد العواد کی ترکیب نے شعر کو مبتذل کردیا - اب دیکھو یہی لفظ قرآن مین دو جگہ آیا ہی - ایک وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ اور دوسرے وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ - جملۂ ترکیبی یہان بھی ہی لیکن کس قدر فصیح و بلیغ ہی شعر مذکور مین بھی اگر بجاے مقاعد العواد کے مقاعد الزیارۃ ہوتا تو اتنا ثقل نہوتا -

قرآن مین ترکیب الفاظ ایک خاص طرز پر واقع ہی - اور بڑی بلاغت یہ ہی کہ ایک معنی کے دو لفظ ہین اور دونون دو مقام پر مستعمل ہوے ہین لیکن نشست بدل دی جائے تو عبارت یون ہی سی رہ جاتی ہی - مثلاً مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ اور رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا - یہ دونون دو آیتین ہین - ایک مین جوف کا لفظ ہی اور دوسری مین بطن کا اور معنی دونون کے ایک ہین - لیکن اگر پہلی آیت مین جوف کو بدل کر بطن اور دوسری مین جوف کا استعمال ہو تو عبارت بلاغت سے گرجائیگی - اسی طرح فواد اور قلب دونون قریبًا ایک ہین اور قرآن مین دونون دو مختلف مقامات مین مستعمل ہوے

ہین - ایک مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰی اور دوسرے اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِیْدٌ لیکن مقام تبدیل ہوجائے تو پھر کوئی بات نہین رہتی - جو لفظ جہان آیا ہو وہین کے لیے موزون ہو- ذرا بھی تبدل و تغیر ہوا 'اور کلام کی روانی مین فرق آیا -

شہد جسے فارسی مین انگبین کہتے ہین عربی مین اُسے شہد بھی کہتے ہین اور عسل بھی، اور یہ دونون لفظ فصیح ہین، لیکن عسل مین شہد سے زیادہ شیرینی ہو- قرآن مین بھی عسل ہی وارد ہو اور اعرج جاہلی نے بھی عسل ہی لکھا ہو (الموت احلے عندنا من العسل) متنبی نے شہد کا لفظ استعمال کیا ہو (رجال کان الموت فی فمہا شہد) لیکن یہ شہد اعرج کے عسل سے زیادہ میٹھا اور بامزہ ہو- الفاظ وہی ہین لیکن قرآن کا اعجاز یہ ہو کہ استعمال سے شاندار ہوجاتے ہین -

حقیقت مین یہ امر انسان کی قدرت سے باہر ہو کہ جو بات کہے دلنشین ہو، جو لفظ بولے خوش آیند ہو، فطرت کا اقتضا یہی ہو کہ کبھی نہ کبھی کُلّیہ ٹوٹ جائے اور کسی نہ کسی وقت طبعی کمزوری بھی سامنے آئے - یہ شان خدا ہی کے کلام مین ہو کہ جو لفظ ہو، جو جملہ ہو، جو آیت ہو، سب ایک رنگ مین رنگے ہوے - صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً دیکھو ایک معمولی لفظ "یوذی" قرآن مین آیا ہو: فَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ لِحَدِیْثٍ اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْكُمْ وَاللّٰهُ

لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ۔ یہی لفظ متنبی نے بھی استعمال کیا ہو۔

تلذ له المروءة وهی توذی		ومن یعشق یلذ له الغرام	

مضمون کس قدر بلند ہی۔ لیکن وہی لفظ جو آیت مین دل آویز تھا شعرمین اُس کی ترکیب بگڑگئی۔ سبب یہ ہو کہ اس لفظ کا موقع استعمال یہ ہو کہ لپنے مابعد کے ساتھ مندرج اور متعلق ہو جیسا کہ قرآن مین ہو اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ يُؤْذِي النَّبِيَّ۔ متنبی نے اس کو منقطع استعمال کیا ہو اور کلام کو مستانف کردیا ہو اس لیے لطافت نہین رہ گئی۔ یون ہی قرآن مین ہو: اِنَّ هٰذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ۔ اس مین لفظ "لِيَ" متعلق بمابعد ہو اور فصیح ہو۔ یہی لفظ شعرمین منقطع آیا ہو اور فصاحت سے گرگیا ہو۔

تسلی الامانی صرعی دون مبلغه		فما یقول لشیء ان ذلك لی	

اسی طرح لفظ "قمل" قرآن مین بھی آیا ہو اور فرزدق کے شعر مین بھی۔ قرآن مین فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ اور شعر مین ہو:

من عزه احتجرت کلیب عنده		زربا کانهم لدیه القمل	

آیت مین ایک کلام کے ضمن مین وارد ہوا ہو اور کلام وہان منقطع نہین ہو لہذا فصیح ہو اور شعرمین قافیہ یعنی مقطع کلام مین آیا ہو لہذا غیرفصیح ہو۔ ایک بات اس آیت مین اور بھی قابل غور ہو کہ اس مین پانچ لفظ آئے ہین، طوفان، جراد، قمل، ضفادع، اور دم۔ ان مین طوفان، جراد، اور دم کے الفاظ دلکش ہین اور قمل و ضفادع معمولی

قرآن مین ان پانچون کو ایک آیت مین لانا ہوا تو یون لائے کہ طوفان وجواد ودا اچھے لفظون سے ابتدا کی کہ پہلے پہل سننے مین بھلے معلوم ہون اور دم آخر مین لائے کہ خاتمہ بھی بخیر وخوبی ہو۔ لفظ دم مین ایک بات یہ بھی ہو کہ اور الفاظ سے سبک ہو، اُس کے آخر مین لانے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس سے قمل و ضفادع کے ثقل کی تلافی ہوجائے۔ چند الفاظ کی نشست مین اس قدر بلاغت کا لحاظ انسانی طاقت کا کام نہین ہو۔

بعض الفاظ فی نفسہ ثقیل ہوتے ہین اور شعرا اُن کے استعمال مین لساا اوقات مجبور ہوتے ہین، مگر قرآن مین استعمال کی ضرورت ہوتی ہو تو خفیف تغیر سے وہی لفظ سبک اور مانوس ہوجاتا ہو۔ مثلاً لفظ "ودع" کہ فعل ماضی ثلاثی ہو اور ثقیل نہین، لیکن اگر کسی جملہ مین بصیغۂ ماضی مستعمل ہو تو ثقل پیدا ہوجاتا ہو۔ ابوالعتاھیہ لکھتا ہو:

اثروا فلم يدخلوا قبورهم	شيئاً من الثروة التي جمعوا
وكان ما قدموا لانفسهم	اعظم نفعاً من الذي ودعوا

قرآن مین اس لفظ کی ضرورت ہوئی تو ثقالت اس طرح پر رفع کی گئی کہ بجائے ماضی کے امر کا صیغہ استعمال کیا گیا وَدَعْ اَذٰهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ۔ یون ہی لفظ "وذر" ہو کہ اگر ماضی استعمال ہو تو نہایت گرانی ہوگی، لیکن قرآن مین بصیغۂ امر و مستقبل استعمال ہوا ہو اور فصیح ہو (ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا۔ اور سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ)

بعض الفاظ مین تو فصیح لیکن صیغۂ واحد سے صیغۂ جمع مین بلاغت زائد

ہوتی ہو- قرآن مین ایسے الفاظ ہمیشہ بصیغۂ جمع استعمال ہوئے- جیسے لفظ "لب"
بمعنی عقل کہ وزن مین ثقالت ہو، بولنے مین سبک ہو، مخرج کے حروف بھی
بعید ہین اور ثقیل و مکروہ بھی نہین- اس کی جمع "الباب" ہو اور اس مین
زیادہ حلاوت ہو اور قرآن مین بھی جہان آیا ہو یہی لفظ آیا ہو (وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُوا الْأَلْبَابِ
إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِأُولِي الْأَلْبَابِ) لفظ "کوب" بھی مانوس ہو لیکن اس کی جمع
"اکواب" زیادہ فصیح ہو اور قرآن مین بھی اسی کا استعمال ہوا ہو وَأَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ
کنارے کے معنی مین "رجا" کا لفظ اچھا ہو اور بحالتِ اضافت فصیح بھی ہو-
قرآن مین بصیغۂ جمع (ارجاء) استعمال ہوا ہو اور دیکھنا کیسی لطافت آگئی ہو وَالْمَلَكُ
عَلَىٰ أَرْجَائِهَا وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ

بعض الفاظ صیغۂ واحد ہی مین فصیح ہین، جمع مین فصاحت نہین رہتی-
قرآن مین جب استعمال ہوے بصیغۂ واحد استعمال ہوے- مثلاً لفظ "بقعہ"
فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِن شَاطِئِ الْوَادِ الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ مِنَ الشَّجَرَةِ أَن يَا مُوسَىٰ إِنِّي أَنَا
اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ- بقعہ کی جمع بقاع ہو، بقاع کا استعمال چندان فصیح نہین، اگر
ضرورت ہو تو باضافت لانا چاہیے جیسے بقاع الارض- ارض کا لفظ قرآن مین
بہت آیا ہو، اور سماوات (جمع سما) کے ساتھ آیا ہو- مگر تمام مفرد، جمع کہین نہین-
ارض کی جمع اراضی و ارضین دونون غیر فصیح ہین، پھر کیونکر ممکن تھا کہ قرآن مین
ان کو جگہ ملے- اعجاز بلاغت یہ ہو کہ جب جمع لانے کی ضرورت ہوئی تو ارشاد ہوا
اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ-

خادم قوم- عبداللہ عمادی-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الندوہ

ذوالنون مصری.

مسلمانون مین ذوالنون کی غیر معمولی شہرت ہی، اُن کا نام ادب سے لیا جاتا ہی، اور اُن کی کرامتین نہایت دلچسپی سے بیان کی جاتی ہین۔ لیکن بااین ہمہ شہرت یہ بہت کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ ذوالنون کیمیا مین بھی صاحب فن تھے اور مرکبات کے تجزیہ وتحلیل اور مفردات کی ترکیب و تالیف مین اُن کو خاص دستگاہ تھی۔ اس لائف مین ہم اُنکے اُسی قدر سوانح سے گفتگو کرینگے جن کا تعلق کیمیا سے ہی اور بقیہ واقعات کو حدیث و تصوف کے لیے اُٹھا رکھتے ہین۔

کیمیا کا شوق ہر قوم کو تھا۔ اہل مصر وبابل سونا چاندی بنانے مین وقت صرف کرنے کے لیے ضرب المثل تھے۔ یونانیون مین اغاذیمون، انطوس، افلاطون اور دیمقراط۔ ایرانیون مین کیمابس اور جاماسپ اور ہندوستانیون مین خاطف ہندی کو اس مین بڑا انہماک تھا، لیکن یہ سب صنعت گر تھے، کیمیا مین بحیثیت فن صرف مسلمانون نے

توجہ کی، اور اُنھین کی غیر معمولی توجہ سے اس صناعت کا مستقل فن قائم ہوا۔

اس فن کی ابتدا مسلمانون مین بھی اسی سونے چاندی بنانے کے شوق سے ہوی، اور گو ہم یہ نہین جانتے کہ اس مقصد مین اُنھین کہان تک کامیابی ہوی، لیکن یہ ضرور جانتے ہین کہ انھون نے اس انہاک کی بدولت ایسی ایسی اہم چیزین دریافت کین اور بنائین جن سے علم معرفۃ الاشیا، طبقات الارض، انجینیری اور اصول دوا سازی وغیرہ کو بہت بڑی مدد ملی۔ اہل یورپ اس کیمیا کو اسلامی کیمیا کہتے ہین، اور اُنھین صاف اعتراف ہو کہ جدید کیمسٹری جن اصول پر قائم کی گئی وہ مسلمانون ہی کے ایجاد ہین۔

علم کیمیا مین مسلمانون کی کوشش جس مبالغہ کی حد تک پونہچی ہوی تھی اُس کا سرسری اندازہ اس سے بھی ہوتا ہو کہ ابوبکر رازی کا قول ہو کہ "جب تک کسی عالم کو کیمیا مین دخل نہو نہ اُس کو علم و فلسفہ مین مہارت ہوسکتی ہو اور نہ اُسے فلاسفر کہنا صحیح ہو[1]"

موسیو فلا ماریہ اس کی توثیق کرتے ہوے لکھتے ہین کہ فی الواقع یہ قول صحیح ہو۔ کیونکہ کیمیا ہی ایک ایسا علم ہو جس سے فلسفہ کی حقیقت اور سائنس کی فلاسفی معلوم ہوتی ہو[2]..............

اہل عرب کی عادت تھی کہ اُس میدان مین خوشی سے قدم

[1] ابن الندیم جزو دہم۔ مقالہ دہم۔ صفحہ ۳۵۱ - ۱۲ [2] علم الکیمیاء۔ صفحہ ۷ - ۱۲

رکھتے تھے جس کی زمین سنگلاخ اور راستا دشوار گزار ہو - اسی دقت پسندی نے کیمیا کی منزلین طے کرنے پر ان کو مائل کیا اور ایسا مائل کیا کہ اس ہفتخوان مین بھی کامیابی کا پھریرا اُن کے سر پر لہراتا رہا۔

ہجرت کی پہلی صدی مین یہ فن اسلام مین داخل ہوا اور کچھ کم ۵۰۰ برس تک ترقی کرتا رہا۔ اس مدت مین بہت سے اور مجتہد الفن پیدا ہوے، جن مین ۵ اشخاص کے نام ابن الندیم نے بھی لکھے ہین اور انھین ارباب اجتہاد مین ذوالنون مصری بھی شامل ہین۔ گو کیمیا کا چرچا ساتوین صدی بلکہ اُس کے بعد بھی رہا مگر ابوالحسن انصاری لکھتے ہین کہ اس زمانے کے صنعت گر کیمیا ساز نہ تھے کیمیا فروش تھے۔

ذوالنون کے واقعات ذوالنون کا نام ثوبان تھا۔ اور ابوالفیض کنیت تھی۔ ارض نوبہ (نوبیا واقع افریقیہ) کے ایک گاؤن مین پیدا ہوے اور سوڈانیون کے طرزِ ماند و بود کے مطابق ابتدائی زندگی بہت معمولی حالت مین بسر کی۔ ان کے والد ابراہیم ایک مصری امیر کے غلام تھے اور اُن کی حیثیت ایک ادنی شخص سے زیادہ نہ تھی۔ آقا نے کچھ دنون بعد اخمیم مین اقامت اختیار کی، جہان ملازمت کی ضرورت سے ابراہیم اور اُن کے بال بچون کو بھی قیام کرنا پڑا۔ آقا دل کا امیر تھا، اُس نے اہل و عیال کی خاطر سے ابراہیم کی تنخواہ بڑھا دی تھی۔

تعلیم و تربیت ذوالنون کی معیشت پھر بھی معمولی تھی اور تربیت

بھی ہوئی تو ایک غلام زادہ کی حیثیت سے ہوئی، لیکن المرء ابن استعداده لا ابن ابائه و اجداده[۱] ذوالنون نے اپنی استعداد سے اسی بیٹھی حالت مین ترقی کرلی اور آقا زادے جن کی تعلیم کا خاص اہتمام تھا یون ہی رہ گئے[۲]۔ درس قران کے بعد ذوالنون نے تعلیم ترک کردی اور کسی عہدہ کی ملازمت اختیار کرلی۔ شباب کا زمانہ تھا امنگین زورون پر تھین، اور طبیعت مین جوش بھرا ہوا تھا، اس پر طرہ صحبت بد، نتیجہ یہ ہوا کہ ہوا وہوس مین پڑ گئے اور شراب کا ایسا چسکا پڑا کہ اکثر اوقات بزم عیش آراستہ رہتی اور تسلسل کے ساتھ جام کا دور رہتا۔ مورخ ابن یونس کہتے ہین کہ اسی حالت مین انھون نے ایک روز کسی صاحبدل کو یہ آیت پڑھتے سنی کہ الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ[۳] اس کا اُن پر ایسا اثر ہوا کہ تمام مناہی سے توبہ کرلی اور پھر کبھی اس طرف متوجہ نہوئے[۴]

توبہ کے بعد حج کے قصد سے عرب کا سفر کیا اور ینبع کے راستے سے پہلے پہل مدینہ منورہ پونچے۔ وہان امام مالک کا دور تھا اور

[۱] انسان اپنی استعداد کا لڑکا ہے اپنے باپ دادا کا لڑکا نہین ہے ۱۲ [۲] صاحب علم الکیمیا لکھتے ہین کہ ایک وہ وقت آیا کہ ذوالنون کے آقا زادے اُن سے تعلیم حاصل کرنے آتے تھے اور انکو شیخ طریقت کہا کرتے تھے۔ میری راے مین یہ صحیح نہین۔ کیونکہ ذوالنون کی مشیخت کے زمانے مین آقا زادون سے اُنکی ملاقات ثابت نہین۔ [۳] ایماندارون کے لیے کیا ابھی وہ وقت نہین آیا کہ اُنکے دل مین ذکر الٰہی سے خشوع پیدا ہو ۱۲

[۴] ابن خلکان نے ایک اور روایت توبہ کی لکھی ہے لیکن ابن یونس کی روایت موصول السند ہے لہذا زیادہ قابل تسلیم ہے ۱۲

اُن کے حلقۂ درس مین مختلف مقامات کے طلبہ کا مجمع تھا حدود چین سے لیکر سواحل دریای لوآر (واقع فرانس) تک کے مسلمان حدیث پڑھنے کے لیے آستانۂ امامت پر حاضر رہتے تھے۔ خلیفہ ہارون رشید نے خود آکر حدیث پڑھی تھی، اور عام طالب علمون کے ساتھ بیٹھ کر موطا کا سبق لیا تھا ذوالنون کے دل مین بھی حدیث پڑھنے کی خواہش پیدا ہوی اور بڑے شوق سے امام مالک بن انس کی شاگردی اختیار کی، اور اس فن مین کچھ ایسی مہارت بہم پہونچائی کہ خود امام صاحب اُن کے مداح تھے۔

دربار خلافت سے تعلقات دربار بغداد سے بھی ذوالنون کو تعلق تھا مگر نہایت سادگی سے۔ وزیراعظم فتح بن خاقان اور خلیفہ زادہ عبداللہ بن معتز بڑی عزت کرتے تھے۔ اور جب کبھی مجلس مین آجاتے تو خلیفۂ متوکل خود ان کی تعظیم کرتے، بٹھاتے، وعظ سنتے، اور روتے ایک مرتبہ لوگون نے اُن کی بدگوئی کی۔ خلیفہ نے اُنھین مصر سے بلوا بھیجا۔ دربار مین آئے تو کچھ بزرگداشت نہین ہوی۔ لیکن جب اُنھون نے سر محفل ان بعض الظن اثم[1] کی تفسیر ایک دلگیر پیرایہ مین بیان کرنا شروع کی تو خلیفہ بے اختیار ہوکر رونے لگا۔[2]

فضل وکمال یہ عجیب بات ہے کہ ذوالنون کے فضل وکمال کا ہر طبقہ معترف ہے۔ محدثین اُن کو شیخ الحدیث لکھتے ہین اور موطا کے

[1] بعض بدگمانیان گناہ ہین [2] ابن خلکان جلد ۱ صفحہ ۱۰۱ و محاضرات صفحہ ۲۷

رواۃ مین اُن کو شمار کرتے ہین۔ شعرا اُن کو مخضر مین کا ہمپایہ سمجھتے ہین۔ اہل تصوف طبقۂ اوّل مین اُنھین جگہ دیتے ہین۔ اور فلاسفۂ کیمیا اُنکی نسبت لکھتے ہین کہ له آثار محسوسة فی الصنعة وعمل الرأس و الاکسیر التام۔[1]

مزاج اورصورت وشکل مزاج بہت سادہ تھا۔ تمکنت نام کو نہ تھی۔ کسی کام مین عذر نہ تھا اور بےکسون کی حاجت روائی اپنا فرض سمجھتے تھے۔ نحیف الجثہ تھے۔ دبلا پتلا بدن تھا۔ رنگ گورا اور سرخی مائل تھا۔ ڈاڑھی سفید نہ تھی۔

آثار قدیمہ ذوالنون کو آثار قدیمہ دریافت کرنے اور اُسکے رموز حل کرنے کا بڑا شوق تھا۔ مصر کے قدیم خط ہیرو غلیف سے بھی اُن کو واقفیت تھی اور ہیرو غلیفی کتابے روزمرہ اکثر پڑھتے اور اُسکے معانی حل کرتے تھے۔

تصوف صاحب جواہرالعلوم لکھتے ہین کہ تصوّف مین اسرافیل مغربی سے تعلیم پائی تھی۔ لیکن ابن خلکان شقران زاہد کو اُن کا شیخ طریقت بتاتے ہین۔ اُس زمانے تک پیری و مریدی رسم نہین سمجھی جاتی تھی۔ ارادتمند خاص طور پر اخلاقی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے۔ اکثر صاحب استعداد مرد اور عورتین ذوالنون کی گرویدہ تھین۔

[1] مصر کے نامور فاضل نقیب الاشراف سید توفیق آفندی نے ذوالنون کے بہت سے اشعار نقل کیے ہین [2] جواہرالعلوم صفحہ ۳۴۰ [3] کتاب الفہرست مطبوعہ یورپ [4] خطط و آثار مقریزی۔ جلد اول۔ ذکر عجائب و برابی۔ صفحہ ۳۹ و ۴۰۔

سہل بن عبداللہ تستری اور رابعۂ عدویہ کو خاص عقیدت تھی خلیفۂ متوکل پر جب کسی مذہبی تقریر کا اثر ہوتا ذوالنون کو یاد کرتے۔[1]

کیمیا کا شوق ذوالنون کو خالد بن یزید کی صحیفۂ صغیر وصحیفۂ کبیر دیکھکر کیمیا کا شوق ہوا اور جابر بن حیان کے مقالات عشرہ سے (جس مین جابر نے فن کیمیا کے متعلق فیثاغورس، سقراط، افلاطون، ارسطو، ارسجانس، ارکاغانیس، امورس، دیمقراطیس اور حربی کی غلطیون کی تصحیح کرکے آخر مین خود اپنی راے تفصیل کے ساتھ بیان کی ہی) اس فن مین بڑی مدد ملی اور انھین کتابون کی اعانت سے حکماے سابقین کی تقلید سے آزاد ہوکر تجربہ پر اس فن کی بنیاد رکھی۔

اجتہاد اور رائین ذوالنون کی کیمیا کا مدار خود اُن کے تجربہ اور اجتہاد پر ہی۔ اُن کے نزدیک اعمال کیمیا کو افلاک سے بڑا تعلق ہی، لیکن اُن کی راے مین فلک کے یہ معنی نہین ہین جو آجکل مشہور ہین، وہ کواکب کے اُس مدار کو فلک کہتے ہین جو طبائع اور عناصر کے طرح طرح کے تغیرات وانقلابات کی آخری حد ہو۔ افلاک کو عناصر کا آخری تغیر اس لیے کہتے ہین کہ عناصر مین تدریجی ترقی ہوتی ہی۔ ارضیت سے مائیت مین، مائیت سے ہوائیت مین، اور پھر ناریت مین، لیکن نہایت اتصال سے جس مین ہر ایک جسم بالقوہ مستعد ہو کہ صعود خواہ ہبوط کے ذریعہ سے جسم متصل مین مستحیل ہو جائے۔[2] صعود سے جن اجسام کا استحالہ ہوگا اُن مین لطافت زیادہ ہوگی اور افلاک تک پہونچکر

[1] ابن خلکان جلد اول صفحہ ۱۰۱
[2] اجتہاد کی پوری بحث الکیمیا سے ماخوذ ہے ۱۲

یہ استحالہ ختم ہو جائیگا۔ خود افلاک کسی جسم مین مستحیل نہین ہو سکتے۔

آجکل کے مذاق کے مطابق استحالہ کی کیفیت یون سمجھنی چاہیے کہ مثلاً پانی ایک ظرف مین رکھا ہو۔ حرارت کا درجہ اگر تحت الصفر آگیا تو وہی جاری پانی ایک جسم جامد (یعنی برف) مین مستحیل ہو جائیگا اور اگر حرارت بڑھتے بڑھتے نوّ درجہ سے تجاوز کرگئی تو بخارات پیدا ہونگے اور پانی کی گیس (غاز) بن جائیگی۔ اگر اس گیس کی تحلیل ہو تو ایک ایسا جزو محترق مل سکتا ہی جو لیمپ مین پٹیرول (مٹی کے تیل) کی طرح روشن ہو جائیگا۔ بڑے بڑے شہرون مین سڑکون پر اسی ہوا کے گیس کی روشنی ہوتی ہی جو دراصل ہیڈروجن یعنی وہ جز ہی جس سے پانی کی تولید ہوا کرتی ہی۔

بڑی بات یہ معلوم کی کہ ہوا مین کوئی چیز ایسی ہی جس سے شعلے نکلتے ہین، سانس پیدا ہوتی ہی، اور وہ نہ صرف کرۂ ہوا مین ہی بلکہ تیزاب مین بھی اُس کا وجود ممکن ہی۔ یہ راے نہایت اہمیت پر مبنی تھی، اور بعد مین اہل یورپ کو "فائرایر" کے دریافت مین ذوالنون کی اسی راے سے مدد ملی[1]۔

ذوالنون کی راے مین سونا[2] مرکب ہی اور اُس کے اجزاے ترکیبی مین زیادہ تر دو جز کو دخل ہی[3]۔ ایک تو لطیف پارہ دوسرے صاف رنگ کی

[1] علم الکیمیاء المحدیث للشیخ عبدالقادر السمادی۔ صفحہ ۱۳ [2] ذوالنون نے سونے کو جان لکھا ہی آفتاب لکھا ہی اور جابر بھی یہی لکھتے ہین۔ محرّم کے اِلندوہ صفحہ ۱۲ کے حاشیہ مین چاندی کا لقب آفتاب بتایا گیا ہی۔ لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حاشیہ صاحب مطبع کا ہی ۱۲ [3] علم الکیمیا۔ صفحہ ۱۷۔

گندھک۔ لیکن یہ راے ذوالنون کی نہین جابر بن حیان کی ہی۔ ذوالنون نے اس طریقہ مین محض جابر کی پیروی کی ہی۔ بہرحال کسی کی راے بھی ہو صحیح راے ہی۔ پہلے اہل یورپ اسکے قائل نہ تھے لیکن اب فرانس کی کیمیکل سوسائٹی نے مان لیا ہی کہ سونا مرکب ہی بسیط نہین ہی۔

انکشافات کیمیا کے متعلق ذوالنون نے بہت سی باتین دریافت کین جن مین بعض باتین موجودہ کیمسٹری کی جان ہین۔ برودت اور حرارت کی مقدار کا مسألہ پہلے غیر مشخص تھا۔ ذوالنون نے دریافت کیا کہ حرارت کی کمی یا زیادتی سے جب کوئی ذریعہ ملسکیگا فوراً اُن جسمون کی تعداد بڑھ جائیگی جن مین فعلاً استحالہ ممکن ہی۔ اور یہ اس طریق پر ہو سکتا ہی کہ فلزات صلبہ سیال بنالی جائین۔ اُن دنون یہ ایک معرکۃ الآرا بات تھی لیکن اب ہر شخص سمجھ سکتا ہی کہ لوہا یا پلاٹینم (امریکن سلور) جیسی سخت دھاتین بھی ڈیڑھ ہزار یا دو ہزار درجہ تک کی حرارت سے پگھل سکتی ہین اور آزوت و آکسیجن کا پگھلانا بھی درجات حرارت تحت الصفر کم کرنے سے ممکن ہی۔ ذوالنون کی راے مین ہواکو پانی کی صورت مین لاسکتے ہین اور سخت و صلب بھی بنا سکتے ہین۔ مگر اسکا کوئی قاعدہ انھون نے نہین لکھا، یا لکھا ہو تو ہمین معلوم نہین۔ آجکل اسکا قاعدہ یہ ہی کہ ہوا کو سیال بنانا چاہو تو آزوت کیلیے ۱۱۸ درجہ تحت الصفر سے کم، اکسیجن کے لیے ۱۴۶ درجہ سے کم اور ہیڈروجن کے لئے ۲۴۴ درجہ سے حرارت کم کر دینی چاہئے، اور ٹھوس ہوا بنانے کے لیئے

منشیگراد سے برودت کا درجہ فوق الصفر ہونا چاہیے۔

ذوالنون کو معلوم تھا کہ ہوا مین ایک ایسی کیفیت موجود ہی جس سے نباتات کو نشوو نما مین اور حیوانات کو زندگی مین مدد ملتی ہی ہوا مین جب تک یہ کیفیت بقدر معتدبہ رہتی ہی اُس کا وزن گران ہونا چاہئے اور جب کم ہو جاتی ہی تو ہوا کو ہلکا ہو جانا چاہئے۔[1] ذوالنون نے نوین صدی عیسوی کے شروع مین اس مسئلہ کو دریافت کیا تھا اور اسی انکشاف کی بناپر سترہوین صدی مین جان مُوصاحب نے دریافت کیا کہ ہوا کی یہ دونون کیفیتین اکسیجن اور نائٹروجن ہین۔ بھاری اوکسیجن ہی اور ہلکا نائٹروجن۔

تصنیف وتالیف فن کیمیا مین ذوالنون نے بہت سی کتابین لکھی تھین، جن مین اب اکثر کا نام ونشان مفقود ہی۔ ۳۷۷ھ تک بغداد مین بعض کتابین موجود تھین، جن مین دو کتابون، رکن اکبر اور کتاب الثقہ کا تذکرہ علامہ ابن الندیم نے بھی کیا ہے

وفات ذوالنون نے ذی قعدہ ۲۴۵ھ مین وفات پائی بغداد مین جب یہ خبر پونہچی تو اہل علم نہایت متاسف ہوے اور ہر طبقہ مین اُن کے انتقال کا ماتم رہا۔ بعضون نے سال وفات ۲۴۶ھ اور ۲۴۸ھ لکھا ہی مگر صحیح ۲۴۵ھ ہی۔ واللہ اعلم

خادم قوم

عبداللہ عمادی

[1] علم الکیمیاء الحدیث۔ صفحہ ۱۴۔

جبر و مقابلہ کی تاریخ

مصر کے ایک صاحب قلم (فارس الخوری آفندی) نے بڑے طمطراق سے دعوی کیا ہی کہ "مسلمانون کی طرف جبر و مقابلہ کی نسبت صحیح نہین، مسلمانون نے یونانیون کی کچھ کتابین ترجمہ کین، خود نہ اس فن مین وہ صاحب تصنیف ہوے اور نہ مجتہدانہ حیثیت پیدا کی" صاحب موصوف نے دو سال ہوتے ہین المقتطف (نمبر ۵ بابت ماہ مئی ۱۹۱۰ء) مین بھی اسی قسم کی گل افشانی کی تھی اور اب التقدم مین اس عنوان پر زور دے کر لکھا ہی۔

اس دعوی پر نہ ہم جرح و قدح کرنا چاہتے ہین اور نہ تردید یا تائید ہمارا مقصود ہی، ہم صرف واقعات دکھانا چاہتے ہین، ناظرین نتیجہ نکال لین۔

واضع جبر و مقابلہ موجودہ علوم و فنون کی بابت یہ بتانا کہ فلان علم کا واضع اول کون ہی، دشوار ہی، علوم حسب ضرورت نکلے اور جسقدر ضرورتین بڑھتی گئین۔ ان مین بھی ترقی ہوتی گئی۔ گنتی حساب کا

ایک جز ہی، اشکال جامیٹری (علم ہندسہ) مین داخل ہین، ستارونکی چال علم ہیأت سے متعلق ہی، تجزیہ شناوری - حرارت - ملایمت اور احتراق وغیرہ کو سائنس مین دخل ہی، پتھر اور مٹی سے واقفیت جیالوجی کی شاخ ہی، اطراف وبلاد جغرافیہ مین شامل ہین، نشوونما اور تولید مین علم نباتات وعلم حیوانات کا شائبہ ہی، بات مین بات پیداکرنا اور نتیجہ نکالنا منطق کا نام ہی،

ان علوم مین خاصکر ریاضیات یعنی حساب، جبرومقابلہ، ہندسہ اور ہیأت کے متعلق یہ دریافت کرلینا کہ جمع وتقسیم کے قاعدے کس نے نکالے اور اعداد کے مراتب ابتدائً کس نے معین کیے، نہایت دشوار ہی۔ ضرور ہی کہ ان باتونکی ضرورت انسان کو ابتدا ہی مین پڑی ہو۔ شکاری شکار کو گنتے ہین؛ چرواہے بھیڑ اور بکریون کو جمع یا تقسیم کررہے ہین، کسان کھیت ناپ رہا ہی، رات کو کہین آنے جانے والے ستارون کی سمت درست کررہے ہین۔ یہ سب فطرت کی ابتدائی باتین ہین، یہین سے علوم کی بنیاد پڑتی ہی اور ترقی ہوکر یہی انتہائی باتین قرار پاتی ہین۔

ضرورت اُم الاختراع ہی۔ اہل فینیقیا تاجر تھے۔ لین دین کی ضرورت سے اُنکو حساب کی حاجت محسوس ہوی ہوگی۔ اہل مصر زراعت پیشہ تھے۔ کھیتون کی تقسیم اور زمین کو سیر حاصل بنانے کی غرض سے ہندسہ اور مساحت کی طرف متوجہ ہوے ہونگے۔ کلدانی اوقات مقررہ پر اپنے معبودون کی عبادت کیا کرتے تھے اور غالبا اسی ضرورت سے

اجرام فلکی کے طلوع وغروب وغیرہ کے قاعدے مرتب کیے ہونگے۔

قاعدے شدہ شدہ بنتے ہین۔ یکلخت بنائے نہین جاتے۔ جتنے علوم وفنون ہین، ایک خفیف مادہ سے سب نے جسمیت تک ترقی کی ہی اور بساطت کے بعد ترکیب پیدا ہوی ہی۔ ایک شخص نے چار پھل توڑے۔ دو خود لیے اور دو ایک دوست کو دیے، غور کرو تو علم حساب کا وہی موجد ہی۔ علم درحقیقت چیزون مین ٹھیک شناخت اور صحیح معرفت قائم رکھنے کا نام ہی۔ تو کیا کوئی کہ سکتا ہی کہ اس سادگی کی تقسیم مین یہ بات نہین رہی۔

یہی حال جبرو مقابلہ کا ہی۔ کہتے ہین قبل اسلام اقلیدس، ابرخس اور دیوفنطس وغیرہ حکمای یونان اس کو وضع کرچکے تھے، لیکن وضع کرنا اور بات ہی اور فن کی حیثیت پیدا کرنا اور بات ہی۔ حساب، ہندسہ اور فلکیات نے دوش بدوش ترقی کی لیکن جبرو مقابلہ مین فن کی حیثیت اُس وقت پیدا ہوی جب ان چیزون مین علمی شان آگئی ہی۔ یہ تبدیلیان (جہانتک ہمارے مضمون سے متعلق ہین) تین دور مین تمام ہوتی ہین۔ مسلمانون سے پہلے جبرو مقابلہ کا کہان تک رواج تھا۔ مسلمانون نے اس مین کسقدر ترقی کی مسلمانون کی تحقیقات سے غیر قومون نے کس حد تک فائدہ اُٹھایا۔

پہلا دور اقلیدس نے حساب مین ایک کتاب لکھی تھی۔ اُسکے معاصرین اُسکو حساب کتاب بتاتے ہین مگر سمجھ سکتے نہ تھے،

یہ نہ بتا سکے کہ اُس میں کیا باتیں تھیں یونانیون کی تحقیق سے پتا چلتا ہو کہ اقلیدس نے حساب عالی مین ایک کتاب لکھی تھی جواب ناپید ہو۔ اقلیدس نے جبرو مقابلہ کی باتین اپنی کتابون مین استعمال کی ہین، قرین قیاس ہو کہ وہ کتاب جبرو مقابلہ ہی مین رہی ہوگی۔

یونانیون مین حکیم ابرخس متوفی ۲۰۰۰ء قبل مسیح اور دیوفنطس متوفی ۳۳۰ء کی دو کتابین جبرو مقابلہ مین ملین اور دونون عربی مین ترجمہ ہوئین ابرخس کی کتاب کا نام کتاب الحدود ہو اور محمد بن محمد نیشاپوری نے اس کی اور کتاب دیوفنطس کی دو شرحین لکھی تھین۔ مسلمانون مین کتاب الحدود کی بڑی شہرت ہوی، اس مین دلیلین یا تو تھین نہین اور یا تھین تو کمزور تھین۔ ابوالوفا نے اس مین ہندسی دلیلین بھی بڑھا دین اور اصل کتاب کی غلطیان بھی درست کردین۔ یورپ مین کئی صدی تک ان کتابون کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔ کتاب الحدود تو مفقود ہی ہوگئی لیکن دیوفنطس عربی سے یونانی مین ترجمہ کی گئی اور پھر یونانی ترجمہ کو اصل قرار دے کر اُسی سے لاطینی و فرنچ وغیرہ مین ترجمہ ہوا۔ یہ کتاب دراصل تیرہ مقالہ مین تھی اور عربی مین تیرہون مقالہ کا ترجمہ ہوا، لیکن اب صرف چھ ابتدائی مقالے موجود ہین اور آخر کے سات مفقود۔ ان مین فقط درجۂ اول کے مجہول معادلات بسیطہ و سیالہ کی بحث ہو، کچھ مسائل مشق کے لیے دیے ہین اور ہر مقالے کے آخر مین انکا حل بھی ہو۔ مجہولات کی دلیل ایک ہی دی ہو۔ دوسرے درجہ کے

معادلات مفردہ بھی بیان کیے ہین یعنی وہ جن مین مجہول فقط مربع ہین۔ ٹیڑھی سیدھی علامتین بھی رکھی ہین اور تقسیم کی علامت کیلیے ذرا ذراسے ڈیش استعمال کیے ہین۔

۶۹۰ء مین ہندوستان کے ایک مشہور پنڈت برہم گپتا نے جبر و مقابلہ مین ایک کتاب لکھی اور وہی مسائل جو دیوفنطوس نے بیان کیے تھے وضاحت سے لکھدیے۔ عربی مین اس کتاب کا بھی ترجمہ ہوا اور اس کے حسن و قبح پر بڑی آزادی سے بحث ہوی۔ یونانی ولاطینی مین اعداد وارقام کی علامتین درست نہ تھین اور نہ ٹھیک طرح پر ان کا کوئی قاعدہ منضبط تھا۔ ذرا سا حساب کرتے تو اعداد کے لکھنے مین کئی ورق کاغذ سیاہ ہوجاتا۔ برہم گپتا نے رقم کی وہ علامتین جو ہندوستان مین مروج تھین استعمال کین۔ مسلمانون نے بھی عربی کتابون مین یہی صورت اختیار کی اور تقلیداً یورپ نے بھی یہی روش پسند کی اور کثرت مزاولت کی وجہ سے ساری دنیا مین رقم عربی کے نام سے یہ طریقہ مشہور ہوا۔ اہل یورپ اس کو اب تک عربون کی ایجاد سمجھتے ہین لیکن عربی کتابون مین صراحۃً ان علامتون کا نام ارقام ہندیہ بتایا گیا ہے۔

دوسرا دور دیوفنطوس اور برہم گپتا نے چند قاعدے لکھے تھے، مسلمانون نے انھین اصول کے روسے علم "الجبر" نامے حساب کا ایک نہایت دقیق علم وضع کیا جو اب تک دنیا کی مہذب

زبانون مین اسی نام (الجبر یا الجبرا) سے مشہور ہی۔ مجہولات کی تجذیر، تربیع، اُن مقادیر کی جمع وتفریق وضرب جن مین صرف ایک مجہول ہو، درجات، قیمت نکالنے کی علامتین، تیسرے درجہ کے معادلات مفردہ، وغیرہ وغیرہ۔ بہت سے قاعدے اختراع کیے، اصطلاحین قرار دین۔ اضلاع کے قوس مین نئی نئی باتین پیدا کین، مثلث قائم الزاویہ (وتراً ومساحۃً) کی دو ساقین نکالین یعنی ا اور ی کی قیمت استخراج کی مختصر یہ کہ چند ($ا^2 \times ی^2 = ب$ ، $\frac{ا ی}{2} = ت$) مبہم قاعدون سے ایک عظیم الشان علم کی بنیاد ڈالی اور چند روز کی عالمانہ جانفشانی مین ایک ذرہ کو آفتاب بناکر چھوڑا علامہ ابن الندیم بغدادی نے صفحہ ٢٠١ سے ٢٨٤ تک ان باکمال محاسبون کی فہرست بھی دی ہی۔

خاص اس عنوان مین بہت سی کتابین تصنیف ہوئین، مثلاً جبر ومقابلۂ یعقوب بن اسحاق کندی سہل بن بشر ربانی، ابوالطیب سند بن علی، خوارزمی، سنان الحرانی، مصیصی، علی بن احمد موصلی، ابوالوفا، ابوکامل صیدلانی محمد بن موسی۔ محمد بن موسی نے کئی کتابین لکھی تھین، جن مین ایک کا ترجمہ یورپ کی اکثر زبانون مین ہوا، اور لاطینی وفرانسیسی وغیرہ مین کئی شرحین اُس پر لکھی گئین۔ تیرہوین صدی عیسوی تک یورپ کی درسگاہون مین یہ کتاب داخل تھی۔

خود مسلمانون مین ابوکامل، محمد بن موسی، اور خوارزمی کی کتابین زیادہ مقبول ہوئین، اور بہت سے شروح وحواشی ان پر تحریر ہوے۔

مثلاً شرح جبر ومقابلہ ابوکامل از عمرانی، شرح جبر ومقابلہ ابن موسی از صیدناتی، شرح جبر ومقابلہ خوارزمی از محمد بن محمد بن یحیی النیسابوری۔

اسلام مین ۵۰۰ برس تک جبر ومقابلہ کو ترقی رہی اور قابل تذکرہ یہ امر ہی کہ علم ہندسہ اور جامیٹری مین جبر ومقابلہ سے مدد لی گئی اور اس طرح پر دو علٰحدہ فنون ایک کردیے گئے۔ اس ایجاد کا فخر ثابت بن قرہ کو حاصل ہی۔

تیسرا دور مسلمانون مین جن دنون جبر ومقابلہ کو ترقی تھی، یورپ کی طبائع اُس وقت سخت گیری اور جبر کے مقابلے مین منہمک تھی۔ عُلما کے لیے طرح طرح کی سختیان تھین اور علمی کتابین ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر تلف کی جاتی تھین۔ اُن دنون ہسپانیہ کی اسلامی درسگاہون مین ان علوم کی تعلیم دی جاتی تھی، جو عیسائی وہان سے پڑھکر آتا مصیبتون مین مبتلا ہوجاتا مسلمان کافر اور بے دین سمجھے جاتے تھے، اندیشہ تھا کہ اُنکے علوم سے لوگ گمراہ نہوجائین اور عیسائیت کو صدمہ نہ پوہنچے۔ خاص اسی غرض کے لیے یورپ مین ایک محکمہ قائم تھا، جس مین اسقدر سختی کی جاتی تھی کہ فقط ۱۴۸۱ء سے ۱۴۹۹ء تک محکمہ کے حکم سے ۱۰۲۲۰ شخص زندہ جلادیے گئے۔ ۶۸۰۶ نے تشہیر کے بعد پھانسی پائی اور ۹۷۰۲۳ شخص مختلف سزاؤن مین سزایاب ہوے۔

ایسی حالت مین اہل یورپ کا مسلمانون سے استفادہ کرنا

دشوار تھا، لیکن، شوق در ہردل کہ باشد جستجو دشوار نیست۔ زبردستی کسی چیز سے باز رکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ اُس کی خواہش بڑھتی جاتی ہی۔ اسکا عملی ثبوت یوں ہوا کہ فرانس کے خود ایک پادری نے ہسپانیہ مین جاکر مسلمانون سے جبر ومقابلہ کی کتابین پڑھین[1]

۱۲۰۲ء مین ایک اٹالین سیاح (لیونارڈوی بیز) نے مشرق کا سفر کیا اور مسلمانون سے علوم ریاضی پڑھے اور خصوصا جبر ومقابلہ کی تحصیل وتکمیل کی۔ ان فن مین اُس کو اسقدر دستگاہ تھی کہ فریڈریک شاہ جرمنی کو حیرت ہوتی تھی اور حیرت کی بات بھی تھی۔

مسلمانون سے یورپ ہی نے استفادہ نہین کیا، ہندوستان بھی اس خصوص مین پیچھے نہین رہا۔ بارہوین صدی عیسوی مین پنڈت بھسکارا (یہ شخص ہندوستان کا سربرآوردہ حکیم تھا) نے برھم گپتا کے جبر ومقابلہ کی شرح لکھی اور عربون کی تحقیقات سے سنسکرت مین بہت کچھ اضافہ کیا۔ یہ کتاب جرمنی وفرانسیسی مین ترجمہ ہوی اور انگریزی مین شرح، انتخاب، انتخاب الانتخاب، ریمارک سب کچھ لکھے گئے اور بڑی قدر ہوی

اس وقت دنیا مین جبر ومقابلہ کو نہایت فروغ ہی،

---

[1] اس پادری کا نام جربرٹ تھا۔ ۹۳۰ء مین پیدا ہوا اور ۱۰۰۳ء مین وفات پائی۔ اُسنے عربی کتابین ترجمہ کین اور ایک مدرسہ قائم کرکے اُس مین درس دیتا تھا۔ آخر مین سلفسطروس کے نام سے پوپ آف روما کا مسند نشین ہوا ۱۲

نئے نئے قاعدے اور مسائلے ایجاد ہوئے ہین، مثالین سہل اور آسان دی جاتی ہین، مختلف علوم مین اس سے مدد لی جاتی ہی اور اب ایک بکارآمد فن ہوگیا ہی، لیکن تاریخ ہم کو بتارہی ہی کہ اس علم کے موجد ومخترع مسلمان ہین اور یورپ اُنھین کے نقش قدم پر چل رہا ہی،

بلبل ازفیض گل آموخت سخن ورنہ نبود
این ہمہ قول و غزل تعبیہ درمنقارش

خادم قوم
عبداللہ عمادی

(باقی)

ٹائیٹل کے صفحۂ ۲ و ۳ پر اطلاع ضروری اور فہرست چندہ مکرر چھپ گئی ہی، حال آن کہ یہ گزشتہ اشاعت سے مخصوص تھی، ناظرین اس کو کالعدم تصور فرمائین - ہم اس غلطی کی معافی چاہتے ہین

ادب الہند

یعنی

اسلام مین ہندی لٹریچر کا رواج

ایک ہندو مضمون نگار نے مسلمانون پر الزام لگایا ہو، کہ اگلے زمانے مین "ہندوون کی باتون کی طرف متوجہ ہونے سے مسلمان کافر سمجھے جاتے تھے یہی وجہ ہو کہ مسلمان ہندوون کے لٹریچر سے ہمیشہ محروم رہے اور یہ سلسلہ آج تک ویسا ہی چلا آتا ہو"۔ لائق مضمون نگار نے صرف اسی غلط بیانی پر اکتفا نہین کی ہو بلکہ مسلمانون کی اس نفرت انگیز بے توجہی پر آپ جوش مین آکر فرماتے ہین "مسلمانون نے صدیون اس ملک (ہندوستان) پر حکومت کی اور اُس کا خاتمہ بھی ہوگیا، مگر اس ملک کے علم ادب کی طرف انھون نے بہت ہی کم توجہ کی۔ اس وقت وہ یہان کے حاکم نہین ہین رعایا ہین...... مگر یہان کے لٹریچر کی طرف اُن کی وہی بے توجہی اب بھی ہو جیسی حاکم ہونے کے وقت تھی۔ ہندو جب اُن کی رعایا تھی تب بھی وہ ہندوون کے علم ادب سے بیخبر تھے اور اب جبکہ وہ اور ہندو دونون دوسرے کی رعایا ہین تب بھی وہی بے پروائی ہو"

اس مبحث مین دو باتین تنقیح طلب ہین۔

(۱) کیا مسلمان ہندوون کی طرف متوجہ ہونے سے کافر سمجھے جاتے تھے؟

(۲) کیا مسلمانون نے ہندوون کے لٹریچر کی طرف توجہ نہین کی ؟

امر اول کے متعلق شریعت اسلام مین کوئی ایسا حکم نہین جس سے ایک حدتک ہندوون کے ساتھ ربط وضبط رکھنا کفر کا باعث سمجھا جاتا ہو۔ اسلامی تاریخین ہم کو بتارہی ہین کہ مسلمانون نے ہندوون کی سیکڑون کتابین ترجمہ کین، ہندوستان مین اُس وقت آکر رہے جب ہندو مسلمانون کے نام سے بھی آگاہ نہ تھے، سنسکرت مین مہارت پیدا کی، شاستر کی کتابین پڑھین، ہندوون کے علوم مین اضافہ کیا، اور علاوہ ترجمۂ کتب ہندیہ کے عربی کتابین بھی ہندی مین ترجمہ کین اور اسطرح پر ہندوون کو نہایت عمدہ موقع دیا کہ وہ مسلمانون سے علمی تعلقات قائم کرسکین لیکن۔ جنھین ہم نے سینے مین جگہ دی نہ وہ دل سے خوش نہ جگر سے خوش۔

شاید بے توجہی اسی کا نام ہوگا کہ مسلمانون نے ہندو مذہب کی فلاسفی پر مستقل کتابین تصنیف کین اور اصول مذہب کے متعلق ایسی عمیق تحقیقات کی کہ خود مہاتما پنڈتون کو بھی اُسکی تہ تک پونہچنے مین وقفہ ہوگا۔ کتاب الہند[۱] کے متعلق جو ہندوستان کے نامور عالم بیرونی کی تصنیف ہی زخاؤ لکھتا ہے وہ ہمارے زمانہ مین اگر کوئی شخص سنسکرت اور ہندوون کے علوم کو مطالعہ کرے تو باوجود معلومات کے آسان وسائل موجود ہونے اور علمی ترقی کی وسعت کے بھی وہ ہندوون کے قدیم علوم کی

[۱] بیرونی ہندوستان کا باشندہ تھا اور بنا بر تحقیق علامۂ شہرزوری شہر بیرون واقع سندھ اوسکا مولد تھا۔ تاریخ الحکماء شہرزوری جلد ۲ نمبر ۲۲۲۹۹

برسون کے بعد وہ خدمت کرسکیگا جو ابوریحان بیرونی نے چوتھی صدی مین کی ہے۔
ایک ابوریحان بیرونی پر کیا موقوف ہی، قائمۃ العلوم والمذاہب مین کم
ایسی کتابین تصنیف ہوین جن مین ہندوون کے مذہب وعلوم کا تذکرہ نہو۔
کتاب الفہرست قدیم مصنفات و مترجمات کی ایک انڈکس ہے لیکن اس مین
بھی صفحہ ۳۴۵ سے ۳۴۹ تک ہندوون کے مختلف مذہبون اور اُن کے
طریق عبادت کا تذکرہ کیا ہی اور علوم وفنون تو بڑی چیز ہین، ہندی قصے
کہانیون کی کتابین جو عربی مین ترجمہ ہوین، ایک خاص فصل انہین
کے بیان مین ہی۔

مسلمانون نے ہندوستان سے اس قدر تعلقات پیدا کرلیے
تھے کہ بسا اوقات تعلیم و تربیت کے لیے لڑکونکو ہندوستان بھیج دیتے
تھے، چنانچہ خالد بن جعفر جو خلیفہ منصور کے عہد مین دیوان الخراج کا
افسر یعنے وزیر مال تھا، کشمیر کے پہاڑون مین اُسکی تعلیم وتربیت ہوی تھی[1]
یحییٰ بن خالد برمکی نے ایک خاص ایجنٹ ہندوستان مین اس لیے
متعین کررکھا تھا کہ ہندوستان کے علوم وفنون اور وہان کے باکمال پنڈتون
کی رایون سے اہل عرب کو روشناس کرتا رہے۔ بظاہر اس شخص کا
تعین فقط ہندوستان کی جڑی بوٹیون کے دریافت کرنے کے لیے
تھا لیکن اُس کو یہ بھی ہدایت تھی کہ ہندوون کے مذاہب وغیرہ کے
متعلق بھی معلومات فراہم کرتا رہے[2]۔

---

[1] تاج العروس۔ جلد ۷ صفحہ ۱۰۹۔ [2] کتاب الفہرست مطبوعۂ یورپ صفحہ ۳۴۵

جس شخص کو مسلمانون کے علوم وفنون پر نظر ہوگی اور کم از کم کتاب الفہرست، آثار باقیہ، طبقات ابن اصیبعہ اور شمس العلما مولوی شبلی صاحب نعمانی کی کتاب التراجم دیکھی ہوگی، وہ ہرگز مسلمانون پر اس تنگدلی کا الزام نہین لگا سکتا۔

امر دوم کے متعلق متعلی ریویو مین ایک مبسوط اور برزور مضمون شائع ہوا ہی۔ اس مضمون کے اکثر حصے تراجم صفحہ ۱۸۸ و ۱۸۳ و ۲۵۵ لغایت ۲۶۳ سے ماخوذ ہین، لیکن تراجم مین ہمارے شمس العلما نے صرف اس قدر بتایا ہی کہ مسلمانون نے ہندوستان کے علوم وفنون کی طرف کہان تک توجہ کی اور ریاضی وطب مین ہندوون کی کسقدر کتابین ترجمہ کین۔ یہ عنوان ہمارے سبجکٹ کا موضوع نہین ہی، ہم یہ دکھانا چاہتے ہین کہ مسلمانون کو ہندوون کے علم ادب کی طرف بھی انہماک تھا یا نہین؟ جہانتک مین سمجھتا ہون یہ مضمون بالکل اچھوتا، غیرمسبوق، اور اوریجنل ہی اور خاص اس عنوان پر شاید اب تک کسی صاحب قلم نے خامہ فرسائی نہین کی۔

اصل یہ ہی کہ بہت دن تک مسلمان ہندوون کی مذہبی روایتون اور بے سروپا قصون سے محترز رہے، لیکن پھر یہ سمجھکر کہ انھین دور ازکار خرافات سے آریہ ورت کی قدیم تاریخ کا انکشاف ممکن ہی ہندی لٹریچر کی طرف توجہ کی، اور کتاب البد (بد عربی مین بت کو کہتے ہین)

بوباسف، یوباسف وبلوہر، ادب الہند، سندباد کبیر، سندباد صغیر، بائل، قصۂ ہبوط آدمؑ بروایت اہل ہند، طرق، دبک (اس کتاب مین عورت و مرد کا بیان ہی)، ہندی بول چال، سادیرم، جنگ وشناوری، تدبیر یہ کتاب شاہان ہندی کی ہی) آشر، بیدپا[۵۱]، زجر الہند، سخی وبخیل، سکرسری کتاب الادب[۵۲]، وغیرہ ہندی علم ادب وانشا پردازی کی کتابین عربی مین ترجمہ کین۔ بسسہ ہندوستان مین سنسکرت کا ایک مشہور انشا پرداز تھا، اُس کے اکثر خیالات عربی مین لے لیے گئے اور خاص فن مسمریزم مین جو کتاب اُس نے لکھی تھی، عربی مین اُسکا ترجمہ بھی ہوا۔ علامہ ابن الندیم بغدادی نے مسمریزم کا نام فن توہم رکھا ہی[۵۳]

سنسکرت کی مشہور کتاب کلیلہ ودمنہ، دراصل ۱۷ یا ۱۸ بابون مین تھی، عربی مین اُس کے کئی ترجمے ہوے۔ عبداللہ بن مقفع سہل بن ہارون (بغداد مین بیت الحکمہ کا افسر تھا) اور مرید اسود نے مختلف اوقات مین بجای خود اسکے بہت اچھے ترجمے کیے۔ مرید اسود کو خلیفہ متوکل نے خاص اسی کام کے لیے ایران سے بلوایا تھا۔ اکثر شعرای عرب بھی ادھر ملتفت ہوے، اور ابان بن عبدالحمید رقاشی، علی بن داؤد اور بشر بن معتمد نے اس کتاب کو نظم بھی کیا[۵۴]

کہنے کو تو جو چاہے مسلمانون کو اب متعصب کہ لے لیکن حقیقت

---

[۵۱] ابن الندیم صفحہ ۳۰۵ [۵۲] ابن الندیم صفحہ ۳۱۵ [۵۳] ابن الندیم صفحہ ۳۱۶-۱۲
[۵۴] ابن الندیم صفحہ ۳۱۲ [۵۵] یہ تمام تفصیل کتاب الفہرست صفحہ ۳۰۵ سے ماخوذ ہی ۱۲

یہ ہی کہ آج مسلمانون ہی کے ترجمون سے دنیا مین بہت سی ہندی کتابون کا نام باقی ہی۔ موجودہ نسل کو شکرگزار ہونا چاہیے کہ مسلمانون کی وجہ سے ہندو مصنفین کا نام زندہ ہی، ورنہ کون ہی جو۔ کنکہ، جودر، صنجہل، نہق، راجہ، صکہ، داہر، آنکو، زنکل، اریکل، جبھر، اندی، جبارہی[^١]، وغیرہ کا پتہ بتا سکتا ہی یا ہندی مین ان مصنفون کی اصل تصنیفات دکھا سکتا ہی۔ بیشک یہ مسلمانون کا احسان ہی کہ ہندی کتابین ترجمہ کرکے ہمیشہ کے لیے ان مشہور مصنفون کو گمنامی سے بچالیا ورنہ پنڈتون مین تو اب کوئی انکے نام کا جاننے والا بھی نہین رہا۔

اسی کلیلہ ودمنہ کو دیکھو۔ ہندی لٹریچر کی کیسی بیش بہا کتاب ہی، لیکن اُسکا اصل سنسکرت نسخہ کہین بھی موجود ہی اور کوئی بھی اسکا نام جانتا ہی؟ صرف عربی ترجمہ کی وجہ سے یہ کتاب اب تک دنیا مین موجود ہی۔ مختلف زبانون مین اسکے جتنے ترجمے ہوے قریبا سب عربی سے ہوے۔ گیارہوین صدی عیسوی مین بزبان سریانی، ۱۰۸۰ء مین بزبان یونانی، بارہوین صدی مین بزبان عبرانی، ۱۲۳۰ء مین بزبان فارسی قدیم، ۱۲۸۲ء مین بزبان لاطینی، (لاطینی مین ایک قدیم ترجمہ ۱۲۷۰ء کا بھی ہی، لیکن یہ عبرانی زبان سے ترجمہ ہوا تھا اور عبرانی عربی سے) ۱۴۹۳ء و ۱۴۱۶ء مین بزبان اسپانش، ۱۴۸۰ء مین بزبان

[^١]: کتاب الفہرست صفحہ ۲۷۰ و ۲۷۱ ہندوستانیون اور اُن کی کتابون کے اصل نام کسیطرح نہ معلوم ہوسکے اور ہمکو افسوس ہی کہ اس امر مین ہماری کوشش بے نتیجہ رہی۔ یہ جتنے نام لکھے گئے سب معرب ہین ۱۲

جرمنی اور ۱۸۴۳ء مین ڈچ زبان مین اس کتاب کے ترجمے ہوے، اور ایک عربی اصل سے اتنی شاخین نکلین۔ فارسی مین عیاردانش وانوارسہیلی اور اُردو مین بستان حکمت بھی اسی عربی کتاب کلیلہ ودمنہ کی ترجمہ یاانتخاب ہین انگریزی وترکی زبان مین بھی ترجمہ ہوا تھا لیکن سنہ معلوم نہین۔

ابوالاشعث نے ایک موقع پر بہلہ ہندی سے پوچھا کہ ہندوون مین بلاغت کی کیا تعریف ہی۔ بہلہ نے جواب مین علم بلاغت کی ایک ہندی کتاب نکال کر دی۔ ابوالاشعث نے اُس کو شوق سے پڑھا اورعربی مین بہت جلد اُس کا ترجمہ ہوگیا۔ ابراہیم بن علی الحصری نے زہرالالباب مین کچھ عبارت بھی اُس کی نقل کی ہی۔

ہندوون اور مسلمانون کے دوستانہ ربط وضبط اورعلمی تعلقات کی داستان بہت دراز ہی۔ مسلمانون نے بیشک ہندوون کا ملک لے لیا تھا لیکن اُن دنون فاتحانہ حیثیت کے یہ معنے نہ تھے کہ مفتوح رعایا کی تحقیر کی جائے اور اُن سے ہربات مین الگ تھلگ رہین۔ تھوڑی دیر کے لیے پالیٹکس سے علحدہ ہوکر دیکھا جائے تو صاف نظر آئیگا کہ شاہی دور ہی، بزم طرب آراستہ ہی، ہندو اور مسلمان دست وبغل ہین، شیرۂ شیراز مین ہندوستان کی افیون آمیز ہی اور یاران محفل سر ودستار دونون کے بار سے سبکدوش ہوکر ایک بےخودی کے

---

۵ زہرالالباب برحاشیہ عقدالفرید ابن عبد ربہ۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۰۲ ع ۵ میکس مولر ۲

عالم مین نغمہ سنج ہین :

نہ ایم منکر صہبا ولیک می گوئیم

کہ رام رنگی ما نشۂ دگر دارد

مسلمانون کو اس دیوبانی زبان (سنسکرت) کے سیکھنے کا بڑا شوق تھا اور ہندی انشا پردازی مین تو اکثر باکمال گزرے ہین ابو ریحان بیرونی، مورخ مسعودی، مسعود بن سعد بن سلمان لاہوری، امیر خسرو دہلوی، ملک الشعرا شیخ ابوالفیض فیضی، حکیم فتح اللہ، علامہ ابوالفضل، کمل خان گجراتی، مولانا شاہ محمد، ملا بشیری، حاجی ابراہیم سرہندی، شیخ سلطان تھانیسری، نقیب خان، ملک محمد جایسی، عبدالرحیم خان خانان، شہزادہ دارا شکوہ، شیخ محمد غوث، شیخ حسین گوالیاری، سید عبدالجلیل بلگرامی، میر غلام علی آزاد، شیخ عبدالقادر عمادی[1]، یہ سب بزرگ ہندی لٹریچر کے رکن تھے، اور اُس زمانے پر موقوف نہین اب بھی سنسکرت کے جاننے والے موجود ہین اور بنظر تامل دیکھا جائے تو شمس العلما مولوی سید علی بلگرامی پروفیسر آکسفورڈ یونی ورسٹی و مسٹر بادشاہ حسین بی اے کے علاوہ بھی مسلمانون مین ہندی انشا پرداز نظر آئینگے۔

جن دنون مسلمانون نے ہندوستان سے پولیٹکل تعلقات قائم

---

[1] شیخ عبدالقادر عمادی متوفی ۱۲۰۲ھ ہندوستان کے ایک سربر آوردہ ہذب و فلاسفر تھے۔ عربی مین آپ کی کتاب "التعقیب علی الفیلسوف باکون" نیچرل سائنس کی ایک بیمثل تصنیف ہے۔ اس مین لارڈ بیکن کی غلطیان دکھائی ہین۔ ہندی مین ایک رسالہ آپ نے نظم کیا ہے۔ مفصل حالات کے لیے ملاحظہ ہو کتاب فصول مسعودیہ صفحہ ۲۹۶ - ۱۲

نہیں گئے تھے، علمی تعلقات اُسی زمانے سے قائم ہین - اسلام نے ہندو
ناموون کی قدردانی کی اور فیاضانہ کشش سے اکثر باکمال ہندو، ہندوستان
کو چھوڑکر دارالسلام بغداد مین جارہے - منکہ، سالی، بہلہ، بازیگر، سندبار،
اور ابن دھن وغیرہ علمای ہند کی خلافت سے ہمیشہ عزت کی اور بغداد مین
غیرمعمولی وقعت اور نہایت ازادی سے ان بزرگوارون کی بسر ہوتی رہی - ان مین
حکیم ابن دھن ایک میڈیکل ہاسپٹل کا اعلی افسر تھا[1]، اور اوسکے دوسرے
ہمصفیر مسلمانون کے وظیفہ خوار تھے -

ہم نے یہ چند واقعات بیان کردیے ہین، اور ضرورت ہوگی تو
اور بھی لکھینگے - اس سے نتیجہ اخذ کرنا ہمارا کام نہین ہمارے فاضل
معترض .... کا کام ہی - آخرمین ہم اُن کے الفاظ کو دوبارہ پبلک کے
روبرو پیش کرتے ہین کہ "مسلمان ہندون کی طرف توجہ کرنے سے کافر
سمجھے جاتے تھے اور اسی وجہ سے وہ اب تک ہندوون کے لٹریچر سے
محروم ہین" ہم پوچھتے ہین کہ جس قوم نے علمی دنیا مین اس قدر یکجہتی کا
ثبوت دیا ہو یہ تنگ خیالی اُس پہ صادق آتی ہی یا اُس پر جو بے اصل
باتون کو بھی مایہ الاعتراض قرار دیا کرے ؟

سامنے غیر کے تم فتنہ سمجھے کہتے ہو
چھائی جاتی ہی یہ دیکھو تو سراپا کس پر

خادم قوم
عبداللہ عمادی

[1] کتاب الفہرست صفحہ ۲۴۵ - ۱۲

علمی خبرین

الحمی مین فیح جہنم حدیث شریف مین بخار کی حرارت کو دوزخ کی گرمی سے تشبیہ دی گئی ہی اور بتایا گیا ہی کہ اس گرمی کو ٹھنڈے پانی سے دفع کرنا چاہیے۔ اطبای قدیم کو اس طریق علاج مین اختلاف تھا، لیکن یورپ کی موجودہ میڈیکل تحقیقات سے ثابت کیا ہی کہ حمام مین سرد پانی سے نہانا اور مُبترِدات و دافع حرارت دواؤن کا استعمال کرنا تپ لرزہ مین بہت مفید ہی۔

ذرات غبار غبار کے ذرے ہر جگہ ہوا مین ملے ہوتے ہین، حتی کہ سمندرون مین بھی ہوا کے ساتھ ساتھ رہتے ہین۔ ان کی شکل کروی، مثلث، مربع، اہلیلجی ہوتی ہی۔

علاج زکام زکام یا انفلوئنزا اکثر برودت سے ہوتا ہی، جس سے جسم مین میکروب زکام کی قابلیت پیدا ہو جاتی ہی۔ اس کا علاج یہ ہی کہ سرد حمام مین بدن کو خنک رکھنے کی عادت ڈالی جائے۔ میکروب کی تاثیر اس طرح پر دفع ہو جائیگی۔

مصر مین تعلیمی ترقی مصر مین سررشتۂ تعلیم کا سالانہ خرچ ۱۸۸۲ء مین ۶۳ ہزار پونڈ تھا اور اب دو لاکھ چار ہزار پونڈ ہی، یعنی باعتبار سابق سہ گونہ زیادتی ہوی۔

تیز رفتاری تجربے سے دریافت ہوا ہی کہ تیز روی اور دوڑنے کی قوت چارپایہ حیوانات مین حسب ذیل ہی :

نام	میل	گھنٹہ
تازی کتا	۳۴	ایک گھنٹہ مین دوڑ سکتا ہی
تازی گھوڑا	۳۲	"
ہرن	۳۰	"
خرگوش	۲۸	"
لومڑی	۲۶	"
شکاری کتا	۲۲	"
امریکن بھیڑیا	۲۰	"
آدمی	۱۴	"

تھکن تمھارا دماغ اگر ایک کام کرتے کرتے تھک گیا ہی تو اُسے چھوڑ کر دوسرا کام کرو۔ کیونکہ مشاغل کے بدلتے رہنے سے دماغ کو راحت ہوتی ہی۔

جدید تحقیقات امریکہ کے ایک مشہور حکیم اور لینڈ کی رای ترقی نے شائع کی ہی کہ زمین کروی الشکل نہین مربع ہی اور متحرک نہین ہی ساکن ہی زمین کے مرکز پر برف کا ایک اس قدر بلند پہاڑ واقع ہی کہ کوئی چیز اُس کی چوٹی پر نہین پہونچ سکتی اور اگر پہونچ جائے تو زندہ نہین رہ سکتی۔ یہ پہاڑ شمال زمین ہی۔ آفتاب وماہتاب اور سب ستارے اُس کے گرد گردش کرتے ہین۔ جب آفتاب اُس کے ایک طرف ہوتا ہی تو اس طرف دن اور

دوسری طرف رات ہوتی ہی۔ آفتاب اُس کے گرد ۲۴ گھنٹے مین ایک دورہ ختم کرلیتا ہی اور گردش کرنے کے بعد پھر پہاڑ کی طرف چلا جاتا ہی۔ ۲۱- مارچ کو وہ ایک ایسے مقام پر ہوتا ہی جو شمال وجنوب دونون کے درمیان ہی، یہ مقام خط استوا ہی، اس پر آفتاب کے پہونچنے سے رات اور دن برابر ہو جاتے ہین۔ تحقیقات کا یہ عجیب نتیجہ ۲۰ سال کی مسلسل عالمانہ کاوش اور لاکھون روپے صرف کرنے کے بعد ظہور پزیر ہوا ہی۔

عرب عرب کے نامعلوم مقامات دریافت کرنے کے لیے اہل یورپ نے اب یہ ترکیب نکالی ہی کہ غبارہ اور بے تار کے ذریعۂ خبر رسانی سے یہ مہم سر کی جائے۔ چند غبارون مین کچھ لوگ بیٹھینگے اور دو ایک خالی غبارے فقط گیس سے بھرے ہونگے۔ جب کسی غبارے کا گیس کم ہوجائیگا تو دوسرے غبارون سے لے کر اس کمی کی تلافی کردی جائیگی۔ ساتھ مین فوٹوگراف بھی ہوگا جس سے آثار عرب کا عکس لیا جائیگا اور مارکونی ٹیلیگراف کے ذریعے سے باہم گفتگو ہوسکیگی۔

آنسو کیمیاوی تحلیل سے معلوم ہوا کہ آنسو مین نمک اور سوڈا کے اجزا ہوتے ہین۔

مصری قرض مصر مین دول یورپ کی نگرانی صرف سرکاری قرض کی وجہ سے پیدا ہوی تھی، جس مین اکثر ابواب آمدنی کمفول ہین۔ بہت کچھ قرضہ ادا ہوچکا ہی لیکن پھر بھی دس کرور ۲۱ لاکھ ۸۷ ہزار پونڈ باقی ہی۔

حیوانات مین طاقت مشہور ہو کہ ہاتھی سب سے بڑا طاقتور ہو، لیکن حقیقت یہ ہو کہ ہاتھی طاقت مین اونٹ سے بھی کم ہو طاقت کا اندازہ باعتبار جُثّہ اور وزن کے ذیل کی جدول سے ہوسکتا ہو۔

نام	وزن جثہ بحساب رطل	طاقت بحساب رطل	طاقت بحساب اوسط
گھوڑا	۱۶۰۰	۱۸۷۵	۱۱۷۲
آدمی	۱۵۰	۱۷۵	۱۱۶۶
اونٹ	۱۸۰۰	۱۳۷۵	۷۶۰
ہاتھی	۱۲۰۰۰	۸۷۵	۷۳۰

اہل فینیقیا صحرای بلقا وارض فلسطین (شام) مین ایک قسم کے قدیم پتھر پائے جاتے ہین، یہ پتھر تاریخی ہین اور ان سے اہل فینیقیا کے حالات دریافت ہوتے ہین، بالفعل انگلستان وفرانس مین بھی اسی قسم کے پتھر کھودنے سے ملے ہین، جس سے پتہ چلتا ہو کہ اہل فینیقیا ان پتھرون کو لائے ہونگے۔ علمای یورپ کو حیرت ہو کہ اس قدیم ایشیائی قوم نے ولادت مسیحؑ کے ہزارون برس قبل شام سے یورپ کا سفر کیون کر طے کیا۔ آدمی سے کیا نہو پر عزم و ہمت ہو تو ہو۔

ناظرین کو شکایت ہو کہ الندوہ کے خط مین الفاظ کے جدا جدا لکھنے اور منفصل و علحدہ علحدہ رہنے سے مضمون کی کم گنجایش ہوتی ہو۔ ہم اطلاع دیتے ہین کہ آیندہ سے الندوہ کا خط حسب دستور سابق درآوردہ ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الندوہ

شملہ مین ندوہ کا ڈپوٹیشن اس ڈپوٹیشن کے حالات اس تفصیل سے اخبارات مین چھپ چکے ہین کہ اب ان کا اعادہ، تحصیل حاصل ہی، البتہ مولوی شبلی اور شاہ سلیمان صاحب کی تقریرون اور وعظون کا جو خلاصہ شائع ہوا ہی اسکو اصل سے کوئی نسبت نہین، لیکن اس کا علاج کیا؟ وعظ قلمبند کرنے کی چیز نہین، لکچر لکھے جاتے ہین لیکن مولوی شبلی صاحب کی عام عادت ہی کہ وہ کبھی تحریری لکچر نہین دیتے، نہ لکچر کے بعد قلمبند کرتے، سننے والے اپنی یاد سے جو کچھ چاہتے ہین لکھ لیتے ہین، لیکن اُسمین نہ پورے واقعات ہوتے ہین، نہ نشست الفاظ، نہ ترتیب، نہ زور کلام، اسیلیے اس سے لکچرار کی تقریر کا مطلق اندازہ نہین ہوسکتا، ۔

شملہ مین ڈپوٹیشن کا جو خاص تجربہ ہوا وہ یہ تھا کہ ندوہ کے مقاصد سے ابھی تک ملک کو اچھی طرح آگاہی نہین، یا غلط آگاہی ہی اور اسیلیے اکثرون کو ندوہ کی طرف سے بے اعتنائی اور بعضون کو مخالفت ہی شملہ مین جدید تعلیم یافتہ جماعت کو ندوہ کے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی نہ تھی، بلکہ یہ خیال تھا کہ ان کی طرف سے مخالفت کا ظہور ہوگا لیکن پہلے ہی لکچر کے بعد اُن کی رائین بدل گئین اور وہ سب

زیادہ مستعد اور پرجوش بن گئے،

شملہ کوئی ایسا مقام نہین جہان سے کسی بڑی تعداد کے چندہ کی توقع ہو سکتی، تاہم آج تک کسی

شہر میں ڈیپوٹیشن کو اسقدر چندہ وصول نہ ہو سکا جو ندوہ کو وصول ہوا،

شملہ کے ارکان اور احباب نے جس خلوص محبت اور گرمجوشی کا برتاؤ کیا، وہ مدت تک یاد

رہیگا، خصوصاً خان بہادر منشی فخر الدین صاحب۔ خان بہادر اللہ بخش خان صاحب۔ پیر محمد خان صاحب وکیل

مسٹر پیر محمد خان بیرسٹر۔ منشی محمد حسن خان صاحب۔ بابو عبد القادر صاحب۔ میر مشتاق حسین صاحب

میر جمال الدین صاحب۔ منشی سیف اللہ صاحب۔ پیرجی حبیب اللہ صاحب۔ مولوی عبد السلام صاحب

محمد ہاشم صاحب۔ محمد رمضان صاحب۔ مولوی سید عبد اللہ صاحب۔ مولوی سعید الدین احمد صاحب

بابو غضنفر محمد صاحب۔ بابو تاج الدین صاحب۔ بابو شیر محمد خان صاحب۔ بابو عبد اللہ صاحب مہتمم

نائب صاحب۔ مولوی سید عبد الغفور صاحب۔ مسٹر بدر الدین قریشی۔ بابو محی الدین صاحب، وغیرہ وغیرہ

بزرگون کی مہمان پرستی اور گرمجوشی مدت تک یاد رہیگی،۔

اخیر مین ہم معین الندوہ شملہ کا خاص شکریہ ادا کرتے ہین اور کہتے ہین کہ مصرع

اے باد صبا این ہمہ آوردۂ تست،۔

شمس العلما جناب مولوی نذیر احمد صاحب نے الندوہ کی نسبت جن خیالات

کا اظہار فرمایا ہے ہم اُنکو فخریہ اُنھین کے الفاظ مین درج کرتے ہین،

رفارمرون نے ع ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است، + رفارم کے مختلف شیون اختیار کیے

ہین، اگر آپ اس کو تملق نہ سمجھین تو مین کہہ سکتا ہون کہ آپ کی شان سب سے منفرد اور متیقن الفوز و الفلاح ہے۔

مسلمانون کی ترقی مین بہت سے موانع ہین جن مین سے مانع قوی مذہبی غلط فہمیان ہین جنکو دور کرنے کا

آپ نے بیڑا اُٹھایا ہی، مادہ فاسد محتاج مسہل قوی ہوتا ہی، **الندوہ** وہ مسہل قوی ہی جسکے محتاج طبائع زمانہ ہین، مین رسالہ الندوہ پر یا بعبارت دیگر آپ کی مشن پر مفصل ریویو لکھتا مگر کیا کرون جیسے ریویو لکھنے کو دل چاہتا ہی اس کے قدر مطلق فرصت نہین، بلکہ مین نے تو **ندوہ** کی مدح مین عربی نظم بھی لکھنی چاہی تھی جسکے دو شعر ذیل مین درج ہین :-

یقولون ان الفضل فی العلم والنھی	حبیس علے المتقدم المستبصر
لوگ کہتے ہین کہ علم اور عقل مین فضل ہونا	اگلے صاحبان بصیرت پر ختم ہوچکا
فلما تصفحنا صحائف ندوۃ	حکمنا بان الفضل للمتاخر
لیکن جب ہم نے ندوہ کے صفحے غور سے دیکھے	تو فیصلہ کیا کہ فضیلت ہی متاخر کو

ہم افسوس کے ساتھ دیکھتے ہین کہ جو اخبارات۔ الندوہ سے مضامین نقل کرتے ہین، وہ الندوہ کا مطلق حوالہ نہین دیتے۔ یہ کسقدر خیانت ہی اور زیادہ افسوس یہ ہی کہ نامور اخبارات بھی اسکے مرتکب ہوتے ہین جو خود اورون کو اپنے مضامین کے متعلق بھی طعنہ دیتے ہین، کاش وہ اسپر عمل کرتے کہ " ہرچہ برخود نپسندی بردیگران ہم مپسند "

اکثر ناظرین اور احباب نے اصرار کیا ہی کہ چونکہ الندوہ کے دو اڈیٹر ہین اسلیے اڈیٹوریل مضامین مین نام کا اظہار کردیا جائے، ورنہ تعین نہین ہوسکتا کہ کون مضمون کس اڈیٹر کا ہی، لیکن درحقیقت اسکی چندان ضرورت نہین، اس وقت تک جسقدر مضامین اڈیٹوریل نکلے ہین وہ سب خاکسار **شبلی** کے ہین، ایک دو مضمون جو مولوی حبیب الرحمن خان صاحب کے قلم سے نکلے ہین اُن کے ساتھ اُن کا نام بھی درج ہی۔ مولوی صاحب موصوف کو ایسا نہ مشاغل سے

مضمون نگاری کی فرصت بہت کم ملتی ہے اور جسقدر ملتی بھی ہے اسمین اور مستحقین کا حصہ نکل جاتا ہے۔

ہمت بلند دار کہ نزد خدا و خلق — باشد بقدر ہمت تو اعتبار تو

تاہم اگر احباب کا یہی اصرار ہے تو ہم اپنے مضامین کے نیچے اپنا نام بھی لکھہ دیا کرینگے۔

فلسفۂ اسلام

اور

علوم قدیمہ وجدیدہ

عناصر اربعہ

(۲)

آج سے ہزارون برس پہلے خدا جانے کسنے اپنی اٹکل سے کہدیا تھا کہ **عناصر** چار ہین۔ آگ۔ پانی۔ ہوا۔ خاک۔ یہ بادہوائی بات معلوم نہین قبول کا کیا اثر رکھتی تھی کہ یورپ کی موجودہ تحقیقات سے قبل تک تمام دنیا اسکو تسلیم کرتی آئی اور قدیم تعلیم یافتہ مسلمان تو آج بھی اس مسئلہ کو وحی آسمانی سمجھتے ہین۔ ندوۃ العلما کے ایک جلسہ مین ایک نظم پڑھی گئی تھی جس کا ایک شعر یہ تھا۔

از عناصر سہ و شصت آمدہ اینک بشمار — تو ہمان در گرو آتش و آب است و باد

اسپر یہ بھی ہوئی کہ ایک بڑے ہمہ دان فاضل نے ایک نظم اسکے جواب مین لکھی جو رسالہ البیان مین شائع ہوئی تھی۔

بہرحال قدماے یونان کی تحقیقات جو **عناصر** کے متعلق تھی حسب ذیل ہے +

۱۔ عناصر چار ہین کیونکہ کوئی جسم حرارت ۔ برودت ۔ رطوبت ۔ اور یبوست سے خالی نہین ہوسکتا، اور ان کیفیتون کی باہمی ترکیب سے یہی چار عنصر پیدا ہوسکتے ہین، ۔

۲۔ آگ انتہا درجہ کی گرم، پانی انتہا درجہ کا بارد، ہوا انتہا درجہ کی لطیف، خاک، انتہا درجہ کی جامد ہی۔

۳۔ سب سے اوپر آگ کا کرہ ہی، پھر ہوا کا، پھر پانی کا، پھر خاک کا، ۔

۴۔ یہ عناصر آپسمین تبدیل ہوسکتے ہین اور ہوتے ہین، ہوا پانی بن جاتا ہی پانی ہوا ہوجاتا ہی، ہوا آگ ہوجاتی ہی، وہکذا ۔

حکماے اسلام نے ان مسائل پر جرح و قدح اور اضافہ کیا اسکی تفصیل یہ ہی،

۱۔ علماے اسلام نے سب سے پہلے اس بات سے انکار کیا کہ عناصر چار سے زیادہ نہین ہوسکتے ۔ شرح مواقف و شرح تجرید مین اسکو مفصلاً لکھا ہی، اور شرح تجرید مین امام رازی کی پوری عبارت اسکے متعلق نقل کی ہی، ۔

لیکن یہ اعتراض صرف احتمال آفرینی کی بنیاد پر تھا، کوئی نیا عنصر انھون نے نہین نکالا نہ اسکی تحقیقات پر توجہ کی،

پانی کو یونانی جو سب سے زیادہ بارد مانتے تھے، ابو البرکات بغدادی نے اپنی کتاب المعتبر مین اس سے انکار کیا، شرح اشارات امام رازی مین ہی۔

امافی القضیۃ الثانیۃ وھی ان البالغ فی البرودۃ بالطبعہ ھو الماء فقد نازع فیہ صاحب المعتبر وزعم ان الارض ابرد منہ لان الکثافۃ لازمۃ للبرودۃ واللطافۃ لازمۃ للحرارۃ	باقی دوسرا مسئلہ یعنے یہ کہ پانی سب سے زیادہ بارد ہی تو اس سے صاحب معتبر نے انکار کیا اس کا دعوی ہی کہ خاک سب سے بارد ہی ۔ کیونکہ برودت کے لیے کثیف ہونا لازم ہی، اسی طرح حرارت کے لیے لطیف ہونا لازم ہی

فلما كانت الارض اكثف وجب ان تكون ابرد وانما يكون الاحساس ببرودة الماء اشد من الاحساس ببرودة الارض لان الماء للطافته يصل الى مسام اللامس والارض لكثافتها لا يصل	چونکہ خاک سب سے زیادہ کثیف ہے اسلئے ضرور ہے کہ وہ سب سے زیادہ بارد ہو، چھونے مین جو پانی ٹھنڈا معلوم ہوتا ہے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ پانی کی برودت لطافت کی وجہ سے مسامات تک پہونچ جاتی ہے بخلاف خاک کے کہ وہ کثافت کی وجہ سے اتنا نہین پہونچ سکتی۔

۳۔ یونانیون نے ہوا کو جو سب سے زیادہ لطیف مانا تھا، امام رازی نے شرح اشارات مین اسکو صریح باطل کیا ہے۔

وعندنا النار اولى بذلك فانا نرى ان الشئ كلما كان اسخن كان الطف وارق قواما و نرى ان الهواء كلما ازدادت سخونته ازدادت رقته و نرى ان النار التي عندنا في غاية اللطافة فقوى في ظنوننا انه كلما كان الشئ اسخن كان الطف وذلك يقتضي ان يكون النار الطف الاجرام	ہمارے نزدیک آگ زیادہ لطافت کی مستحق ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ کوئی چیز جسقدر زیادہ گرم ہوتی ہے اسکا قوام زیادہ رقیق اور لطیف ہوجاتا ہے، ہم یہ بھی دیکھتے ہین کہ ہوا جسقدر زیادہ گرم ہوتی ہے اسیقدر اسکی لطافت بڑھ جاتی ہے اس بنا پر گمان غالب پیدا ہوتا ہے کہ جو شی جسقدر زیادہ گرم ہوگی اسیقدر زیادہ لطیف ہوگی، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آگ تمام اجسام سے زیادہ لطیف ہے

۴۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ شیخ الاشراق نے اس بات سے انکار کیا کہ آگ بھی کوئی عنصر ہے اور یہ امر بالکل تحقیقات حال کے موافق ہے، یورپ کے تمام علماے حال، اس بات پر متفق ہین کہ آگ کوئی عنصر نہین، شیخ الاشراق کے الفاظ یہ ہین (دیکھو شرح حکمۃ الاشراق مقالۂ رابعہ)

والحق يابى هذا اى كون النار عنصرا آخر ممتازا عن الهواء بصورة مقومة	حق یہ ہے کہ آگ، ہوا سے کوئی الگ اور جداگانہ عنصر نہین، ہوا سے اگر وہ ممتاز ہے تو خاص کیفیت

بل ھی انما یمتاز عنہ بکیفیۃ خارجۃ ۔	مین، نہ ماہیت کے لحاظ سے،۔

شیخ نے یونانیون کے تمام دلائل نقل کرکے ان کو باطل کیا ہی، اخیر مین لکھتے ہین،۔

فالاصول ای اصول العنصریات ثلثۃ	تو اصول یعنے عناصر تین ہین ؎

شیخ الاشراق نے اسی پر اکتفا نہین کیا بلکہ آگ کے عنصر ہونے پر یونانیون کے جو دلائل تھے ان کو بہ تفصیل ذکر کرکے ان کی لغویت ثابت کی، یونانیون نے اس امر پر کہ آگ ایک عنصر ہی اور اسکا کرہ آسمان کی سطح زیرین سے متصل ہی مختلف دلیلین قائم کی تھین،۔

ایک یہ کہ شعلہ ہمیشہ اوپر اٹھتا ہی، اس سے ثابت ہوا کہ آگ کا کرہ اوپر ہی، شیخ الاشراق کہتے ہین کہ شعلہ، کوئی الگ چیز نہین، بلکہ ہوا مین جب سخت حرارت آجاتی ہی تو وہ مشتعل ہوکر اوپر کو رخ کرتی ہی، کیونکہ حرارت کا قاعدہ ہی کہ وہ اجسام مین رقت اور لطافت پیدا کردیتی ہی اور لطیف چیز ہمیشہ اوپر رہنا چاہتی ہی ؎

ومن خاصیۃ الحرارۃ التلطیف فیکون صعود المرتفع لتلطفہ لکونہ ھواءً حارًا لا لکونہ نارًا (شرح حکمۃ الاشراق)	اور حرارت کی خاصیت لطیف کردینا ہی تو شعلہ کا اوپر اٹھنا اس وجہ سے نہین کہ وہ آگ ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ وہ گرم ہوا ہی اور اسی وجہ سے لطیف ہی۔

دوسری دلیل یہ تھی کہ آسمان کی حرکت کی وجہ سے سخت حرارت پیدا ہوتی ہی اس وجہ سے اسکے نیچے آگ پیدا ہوگئی، شیخ الاشراق کہتے ہین کہ اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس سے آگ کا وجود لازم نہین آتا بلکہ وہ ہوا جو آسمان کے نیچے ہی، وہی گرم ہوجاتی ہوگی،۔

۵۔ یونانی جو عناصر کے استحالہ کے قائل تھے یعنے یہ کہ ایک عنصر، بدل کر دوسرا عنصر ہوجاتا ہی، ابو البرکات بغدادی نے اس سے انکار کیا، یونانی کہتے تھے کہ کسی گلاس مین اگر نہایت ٹھنڈا پانی رکھا جائے تو گلاس کے بیرونی سطح پر پانی کے چھوٹے چھوٹے قطرے نظر آئین گے، یہ ہوا ہی

جو پانی بن گئی ہی۔ ابوالبرکات کہتے ہین کہ ہوا پانی نہین بنی بلکہ ہوا مین پانی کے جو نہایت چھوٹے چھوٹے ذرات تھے وہ برودت کی وجہ سے نمایان ہو گئے، شرح تجرید قوشجی مین ہی،

کما ذھب الیہ ابوالبرکات۔ فانہ زعم ان فی الھواء المطیف بالطاس اجزاء لطیفۃ مائیۃ لکنھا لصغرھا اوجذب حرارۃ الھواء ایاھا لم تتمکن من خرق الھواء والنزول علی الاناء فلما برد الاناء الھواء الذی یلیہ زالت السخونۃ من الاجزاء المائیۃ الصغیرۃ فکثفت وثقلت ونزلت واجتمعت علی الاناء۔	ابوالبرکات اس بات کا قائل ہی کہ پیالہ کے آس پاس جو ہوا ہی اس مین پانی کے لطیف اجزا شامل ہین لیکن چونکہ وہ چھوٹے ہین، اور ہوا کی گرمی اُن کو جذب کرتی رہتی ہی، اسیلئے اُن کو یہ قدرت نہین کہ ہوا کو چیر کر برتن پر اُتر آئین، لیکن جب ہوا نے برتن کو ٹھنڈا کر دیا تو پانی کے اجزا سے حرارت زائل ہو گئی اسیلئے یہ اجزا دلدار ہو کر اُتر آئے، اور برتن کے سطح پر جم گئے،

ابوالبرکات کی یہ رائے بالکل، آج کل کی طبیعات کے موافق ہی۔

(باقی آیندہ)

الاسلام

پروفیسر کاستری فرانسیسی نے اسلام کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہی جس کا ترجمہ عربی زبان مین ۱۸۹۸ء مین بہ مقام مصر شائع ہوا، ہم نے اس کے بعض مقامات کا ترجمہ الندوہ کے ایک پرچے مین کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ آیندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہیگا، ناظرین کے یاد دلانے پر ہم پھر اس سلسلہ کو شروع کرتے ہین،

جب عرب ایمان قبول کرچکا اور لوگون کے دل، اسلام سے منور ہو چکے تو اب اسلام، دنیا کو ایک دوسرے لباس مین نظر آیا یعنے نرمی اور آزادی خیالات، یا تو قرآن مین تہدید آمیز آیتین نازل ہوتی تھین یا اب پے در پے اس قسم کے احکام آنے لگے :

لا اکراہ فی الدین - قد تبین الرشد من الغی -	مذہب مین زبردستی نہین راستی گمراہی سے صاف الگ ہی،
ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم	یہ لوگ خدا کے سوا جن لوگون کو پکارتے ہین (یعنے معبودان باطل) انکو گالی نہ دو، ورنہ جہالت سے وہ بھی خدا کو گالی دین گے،
واصبر علی ما یقولون واھجرھم ھجرا جمیلا -	اے محمدؐ، ان کی باتون پر صبر کر اور ان سے کنارہ کر معقول طریقہ سے، -

عرب کے اسلام لانے کے بعد، پیغمبر کی تعلیمات اسی طرح کی تھین، اور آپ کے خلفا نے بھی انہی کی تقلید کی، اس بنا پر ہمکو رابنسن کے اس قول کے ساتھ متفق ہونا پڑتا ہی کہ صرف محمدؐ ہی کے پیروون مین یہ بات پائی جاتی ہی کہ انھون نے جوشش مذہب اور حسن سلوک کو ساتھ ساتھ رکھا، یہ جوش مذہب عرب کی فتوحات کا سبب ہوا لیکن اس قسم کے سبب مین کوئی ہرج نہین،

جب اسلام کی کامیاب فوجون نے شام پر چھاپہ مارا اور بجلی کی طرح، شمالی افریقہ پر بحر احمر سے لیکر اٹلانٹک تک چمکین تو قرآن اپنے دونون شہپرون کو پھیلائے ہوئے اُن کے پیچھے پیچھے تھا، اس بنا پر اسلامی فوج کے طریق عمل مین کہین ظلم کا نشان نظر نہین آتا بجز اُن امور کے جن سے مفر نہین ہو سکتا، مسلمانون نے کسی قوم کو اس بنا پر قتل نہین کیا کہ وہ اسلام لانے سے انکار کرتے تھے، اگر ہم بربریون اور مسلمانون کی حملہ آوری کا مقابلہ کرین تو ہم مانین گے کہ مسلمان نقصان کم پہنچاتے تھے، اور نرمی زیادہ کرتے تھے، مسلمانون کو جن قومون سے سابقہ پڑا انھون نے ان کو تین باتون کا اختیار دیا، اسلام، یا جزیہ، یا جنگ، ابوبکر صدیق رضؓ نے خالد کو جب شام کیطرف بھیجا تو یہی ہدایت کی، یہ احکام عموماً عمل مین آتے تھے لیکن بت پرست اس سے مستثنے تھے کیونکہ ان کے ساتھ اور طرح کا برتاؤ کیا جاتا تھا جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین[1]،

بہتر ہوگا کہ ہم اس موقع پر، ابوبکر صدیق رضؓ کے احکام، اور زبور کی پانچوین کتاب مین جو مدائن کے محاصرہ اور کلدانیون کے معاملہ کے متعلق ہی موازنہ کرین، زبور مین ہی،

"جب تو کسی شہر کا محاصرہ کرے تو اُن پر امان پیش کر اگر وہ لوگ امان قبول کرین تو سب لوگ محفوظ رہین گے لیکن اگر وہ لوگ انکار اور دشمنی کا اظہار کرین، تو ان کا سخت محاصرہ کر اور فتح حاصل ہونے کے بعد ہر شخص (مرد)

[1] یہ مصنف کی غلطی ہی، اسلام نے بت پرستون کو بھی یہی اختیارات دیے ہین ۱۲

کو قتل کرڈے "

مسلمانون کو افریقہ اور ایشیا مین عیسائیون کی طرف سے بہت مقابلہ پیش آیا جسکے بعد وہ سنئے مذہب کیطرف مائل ہو گئے،

ایسے باعظمت کلیساؤن کا جیسے کہ کارتھج کے کلیسا تھے، اسلام کے زیر اثر آجانا ایک ایسا واقعہ ہی جسکی وجہ ایک زمانۂ دراز سے لوگ یہ بیان کرتے ہین کہ اسلام سنے تعصب اور سختی کا برتاؤ کیا، لیکن خود اُس زمانہ کے معاصرین اسکی وجہ اقتضاے زمانہ کے موافق یہ بیان کرتے ہین کہ عیسائی، خدا کے غضب کے مستوجب تھے، اسیلیے خدا سنے ان کی کجروی کی سزا دی، عیسائی عابدون مین سے بعضون سنے اس خیال کی تائید مین لوگون کو توبہ کی ترغیب دلانی چاہی۔ انھون سنے نہایت مبالغہ سے کام لیا اور عیسائیون پر سخت دار وگیر کی، اور لوگون کو یہ یقین دلانا چاہا کہ اسلامی فوجین ایک آلہ ہین جنکے ذریعہ سے خدا نے عیسائیون پر عذاب نازل کیا ہی۔

چونکہ اسلامی فتوحات، اور کلیسا کا باہمی اختلاف، دونون واقعات ایک ہی زمانہ مین پیش آئے اسیلیے اگر مؤرخون سنے دونون کو ایک ساتھ ملا دیا تو اُن پر نکتہ چینی نہین ہوسکتی، خود فاتحین بھی قبول اسلام اور اطاعت حکومت مین فرق نہین کرتے تھے۔ لیکن یہ امر عموماً غلط مانا جاتا ہی کہ اُن دونون واقعات مین سے ایک کو دوسرے کا معلول قرار دیا جائے۔ ان دونون واقعات مین نہایت خفیف اثر پذیری کا تعلق ہی جس طرح فتوحات اسلام سنے، عیسائیون کو ترک مذہب پر آمادہ کیا اسی طرح کلیساؤن کے باہمی اختلاف سنے اسلامی فتوحات کے لیے راستے صاف کردیے "

بشپ **آریوس** سنے حضرت عیسیٰ ؑ کے خدا ہونے سے انکار کیا تھا، اس بنا پر اُسنے گویا پیغمبر عرب کے لیے فوج طلایہ کا کام دیا، کیونکہ اس سے اسلام کے لیے راستہ صاف ہوگیا، کیونکہ اسلام بھی حضرت عیسیٰ کے متعلق یہی کہتا ہی کہ وہ محمد ؐ کے قبل

اٰخر الانبیا تھے - + + [1] + + یہ گویا خرق عادت تھا کہ اسکندریہ کا بشپ جسکا نام اریوس تھا، عیسائی مذہب سے مقابلہ کے لیے کھڑا ہوا یہان تک کہ اس مذہب کی بنیادین متزلزل ہو گئین، اور تمام عیسائیون پر نا امیدی سی چھا گئی، مقدس جیروم نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا کہ "عالم کون، اسبات سے حیرت زدہ ہو کہ تمام لوگ کافر ہو گئے ہین، اور اب کسی کا یہ عقیدہ نہین رہا کہ باپ (خدا) نے بیٹے کا جسم اختیار کر لیا تھا"

اگرچہ اُن عیسائیون نے جو نس کے پیرو تھے، اس مذہب جدید کو دبا لیا تاہم افریقہ اور ایشیا کے کلیساؤن مین سخت اختلاف پیدا ہو گیا، اسلام جب پلے پلے قدم بڑھاتا آیا تو ان لوگون (پیروان آریوس) نے اسکو کوئی نیا مذہب نہین سمجھا بلکہ عیسائی مذہب سمجھکر اسکو قبول کر لیا،

اسلام کی وسعت کا ایک اور بھی سبب ہے، یعنے قسطنطنیہ کی جابرانہ حکومت، یہ سلطنت انتہا درجہ کی ظالم تھی حکام کا ظلم اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ لوگ جان سے عاجز آ گئے تھے جب اسلام کا قدم آیا تو لوگون نے اسلام کے سایہ مین پناہ لی کیونکہ جو شخص اسلام لاتا تھا وہ ٹیکسون اور تاوانون سے بچ جاتا تھا اور مال مسلوبہ اسکو واپس مل جاتا تھا، جو لوگ اسلام نہین قبول کرتے تھے ان سے بھی یہی برتاؤ کیا جاتا تھا، صرف جزیہ اُن سے لیا جاتا تھا جسکی مقدار نہایت کم ہوتی تھی، یعنے آمدنی کا دسوان یا بارھوان حصہ - (یہ غلط ہے جزیہ کی مقدار بڑے سے بڑے دولتمند کے لیے بھی کبھی ۴۸ - درہم سے زیادہ نہین ہو سکتی تھی، جزیہ کی یہ انتہائی تعداد تھی، آمدنی کے حصہ سے اسکو کوئی نسبت نہ تھی ۱۲ مترجم)

اسلام کے سایہ مین عیسائی مطمئن ہو گئے، دعات اسلام مین کوئی شخص اُن کے مذہب سے متعرض نہین ہوتا تھا، اور اصلی عیسائی اور مرتدون مین کوئی فرق نہین کیا جاتا تھا، یہ برتاؤ

[1] یہان قریبًا دو تین سطرون کا ترجمہ چھوڑ دیا گیا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ ان کے معنے میری سمجھ مین نہین آئے ۱۲

وہ تھا جسکا خود قرآن نے حکم دیا تھا اور خلفاے اولین اسپر کاربند تھے۔ یہودی اور عیسائی ذمّی کہلاتے تھے، غیر مذہب والون کی تین قسمین تھین، ذمی۔ مستامن۔ حربی۔

ذمّی اسکو کہتے تھے جو اسلام کی زیر حکومت ہو، اور جزیہ ادا کرتا ہو، اُسکو یہ حقوق حاصل تھے کہ وہ اپنے مذہب کے مطابق اپنے خدا کی عبادت کرسکتا تھا، اسکو اسلام پر مجبور نہین کیا جاتا تھا، وہ قوانین سلطنت کا پابند ہوتا تھا اور شخصی قانون مثلاً نکاح۔ طلاق۔ وراثت مین اسکے مذہب کے موافق عمل کیا جاتا تھا، البتہ جب کسی معاملہ مین اسکا فریق ثانی مسلمان ہوتا تھا تو مذہب اسلام کے مطابق عمل ہوتا تھا،

یہ سخت غلطی ہو کہ **ذمّی** کے لفظ سے دنی اور بُزدل کے معنے مراد لیے جائین، درحقیقت اس لفظ کے معنے امان یافتہ کے ہین،

مستامن اُس شخص کو کہتے ہین جو سفر مین ہو، اور احکام سلطنت و قوانین حکومت کے زیر حمایت زندگی بسر کرتا ہو،

حربی وہ ہو جو اُس ملک مین رہتا ہو جو علانیہ اسلام کا دشمن اور حریف جنگ ہو، یا جہان مسلمانون کو امن نہین، ایسا شخص جب اسلامی شہر مین آئے اور آمادہ جنگ ہو تو وہ قتل کردیا جائیگا مگر اس حالت مین کہ اسلام قبول کرلے۔ اس حالت کے سوا، باقی سب مستامن ہین بشرطیکہ جزیہ ادا کرین، حضرت علیؓ کا قول ہو کہ جزیہ اسلیے ہو کہ ذمی کی جان اور مال مسلمان کے جان ومال کے برابر ہوجائے،

اس نرمی اور حسن معاملت کی وجہ سے اسلام کو ترقی ہوئی کیونکہ ممالک شرقی کے سلاطین کے ظلم نے تمام لوگون کو بیزار کردیا تھا، اور لوگ اُن سے سخت نفرت کرنے لگے تھے،

اب اگر ہم ابتداے فتح کے زمانے کو چھوڑکر اس زمانہ کی طرف آئین جب کہ اسلام کی

حکومت نے استقلال حاصل کر لیا تو ہم کو صاف نظر آئے گا کہ اسلام، مشرقی عیسائیون کے مقابلے مین نہین زیادہ نرم خو اور صلح جو تھا

عرب نے عیسائی رسوم مذہبی کا کبھی معارضہ نہین کیا اہل روما نہایت آزادی سے ان پیشوایان مذہبی سے خط کتابت جاری رکھتے تھے جو اُن کے ہی حاکم تھے ۸۶۰ء مین پوپ نے جسکا نام لیون تھا افریقہ کے عیسائیون کو ایک خط لکھا جسمین تاکید کی تھی کہ کارتھیج کی بشپ کو لارڈ بشپ تسلیم کرین، اس زمانہ مین، مسلمانون اور عیسائیون مین کامل اتحاد تھا یہان تک کہ گرگیوریس ہفتم نے ۵ ستمبر ۱۰۷۶ء مین عیسائیون کو ایک خط لکھا جسمین اُنکو ملامت کی تھی کہ انھون نے بشپ کے دربار مین مسلمانون کی شکایت کیون پیش کی،

اس غیر معمولی صلح جوئی کے ساتھ بھی جو مسلمان فاتحون کی طرف سے مفتوحین کے مقابلے مین عمل مین آتی تھی، عیسائی مذہب نہایت کمزور ہوتا جاتا تھا، یہانتک کہ شمالی افریقہ سے یہ مذہب بالکل معدوم ہوگیا، حالانکہ اسلام مین دعوت اسلام کے لیے کوئی فرقہ مخصوص نہ تھا جیسے کہ عیسائیون مین ہے، اگر اسلام مین بھی داعیان مذہب ہوتے تو ہمکو اسلام کی ترقی کے سبب کے دریافت کرنے مین کوئی مشکل پیش نہ آتی، کیونکہ ہم دیکھتے ہین کہ شارلمین اپنی لڑائیون مین ہمیشہ پادریون اور رہبانون کا ایک گروہ ساتھ رکھتا تھا تاکہ جسطرح وہ خود اپنی اُن فوجون سے شہر فتح کرکے جاتا تھا، جو قیامت انگیز لڑائیان لڑتی تھین، اُسی طرح پادری لوگون کے قلوب اور طبایع کو مسخر کرلین، لیکن اسلام مین نہ کوئی مذہبی انجمن ہے نہ رسول ہین، نہ احبار ہین، نہ راہب ہین، جو فوجون کے ساتھ ساتھ رہین، کوئی شخص تلوار یا زبان کے ذریعہ سے اسلام لانے پر مجبور نہین کیا گیا، بلکہ اسلام نے خود لوگون کے دلون مین گھر کر لیا، اور یہ اس اثر کا نتیجہ تھا جو قرآن کی دلاویزی اور فریبندگی کا خاصہ ہے،

بے شبہہ ان لوگون نے بھی اسلام قبول کیا جنکی غرض دنیادی تمتع تھی، لیکن ان کی تعداد ان لوگون کے مقابلہ مین بہت کم ہی، جو دلی اور سچی خواہش سے اسلام لائے، قبول اسلام مین اسیلیے بڑی آسانی ہوئی کہ مذہب اسلام ایک سیدھا سادہ مذہب ہی جسکے لیے کلمۂ توحید پڑھنا کافی ہی۔ ان باتون کے ساتھ بھی یہ نظر نہین آتا کہ استقلال حکومت کے بعد عیسائیون کے کسی گروہ نے دفعۃً واحدۃً اسلام قبول کیا ہو، بلکہ یہ ضروری تھا کہ جو شخص اسلام لانا چاہے وہ قاضی کے ہاتھ پر اسلام لائے اور ایک محضر لکھے جسمین یہ تصریح ہو کہ وہ سچے اعتقاد سے بغیر کسی دباؤ اور خوف کے اسلام قبول کرتا ہی، کیونکہ کوئی شخص تبدیل مذہب پر مجبور نہین کیا جاسکتا، (یہ محضر ضمیمۂ سوم مین درج ہی)

دولت بنو امیہ کے زمانے مین، نہایت کثرت سے عیسائیون نے اسلام قبول کرنا شروع کیا، یہان تک کہ خود خلفا نے اس ترقی کو اس لحاظ سے پسند نہین کیا کہ بیت المال کی آمدنی کو نقصان پونہچتا تھا، چنانچہ امیر معاویہ کے زمانے مین، مصر مین جزیہ کی آمدنی حضرت عثمان رض کی زمانے کی نسبت سے آدھی رہ گئی، اس بنا پر خلفا نے قبول اسلام کی وسعت کو اس طریقہ سے تنگ کردینا چاہا، کہ نومسلم بھی جزیہ سے معاف نہ کیے جائین، چنانچہ حیان نے عمر بن عبد العزیز کو خط لکھا کہ اگر یہی حالت رہی تو اس ملک کے تمام مسلمان عیسائی ہو جائین گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ خزانۂ شاہی کو سخت نقصان پہونچیگا۔ لیکن عمر بن عبد العزیز نے خط پڑھکر ایک شخص کو حکم دیا کہ حیان کے پاس جاکر سر مین تیس درّے لگائے اور اس سے کہے کہ اس سے بڑھکر کیا سعادت ہوگی کہ تمام عیسائی مسلمان ہوجائین، خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلیے بھیجا تھا کہ وہ اسلام کی تبلیغ کرین نہ اسیلیے کہ خراج اور ٹکس لگائین۔

مسلمان، اگر بیت المال کے خالی ہو جانے سے خوف کرتے تھے تو یہ کچھ تعجب کی

بات نہین الجزائر (مقبوضۂ فرانس) مین ٹکس کا بار زیادہ تر مسلمانون پر ڈالا جاتا ہی، فرض کرو کہ تمام مسلمان عیسائی ہو جائین، اور ان کو وہ تمام حقوق دیدیے جائین جو عیسائیون کو حاصل ہین، تو آمدنی کے گھٹ جانے سے حکومت پریشانی ہوگی،

اسپین مین، مسلمانون نے عیسائیون کے ساتھ اور بھی زیادہ نرمی کا برتاؤ کیا، یہانتک کہ ان کی جو حالت قدیم جرمنیون کی سلطنت کے زمانے مین تھی اس سے کہین بڑھکر وہ خوشحال ہو گئے۔ پروفیسر دوزی کہتا ہی کہ مسلمانون کی فتح نے اسپین کو کچھ نقصان نہین پونہچایا، ابتدائے فتح کے زمانہ مین جو برہمی اور اضطراب پیدا ہوا تھا، وہ استقلال سلطنت کے بعد جاتا رہا مسلمانون نے تمام باشندون کے مذہب شریعت اور عدالت کو قائم رکھا، انکو ملکی عہدے دیے یہان تک کہ بعض خود خلفا کے دربار مین ملازم تھے اکثرون کو فوجی عہدے دیے گئے، اس رحیمانہ سیاست نے اسپین کے عقلا کو مسلمانون کی طرف مائل کر دیا یہان تک کہ مسلمانون اور عیسائیون مین کثرت سے نکاح اور رشتہ داریان ہو گئین۔ سیکڑون عیسائی اپنے مذہب پر قائم رہنے کے ساتھ عرب کی تہذیب و تمدن کے دلدادہ ہو گئے یہان تک کہ انھون نے عربی زبان اور عربی علوم و فنون کی تحصیل شروع کی۔ بشپ اور پادری ان کو ملامت کرتے تھے کہ وہ گرجا کے گیت کو چھوڑتے جاتے اور مسلمانون کا شعار اختیار کرتے جاتے ہین،۔

اس زمانے مین مذہبی آزادی انتہا درجہ کو پونہچ گئی تھی، اسی بنا پر جب یورپ نے یہودیون پر جبر کرنا چاہا تو انھون نے خلفاے اندلس کے سایے مین پناہ لی۔ بخلاف اسکے جب چارلس نے سرقوسہ پر قبضہ کیا تو حکم دیا کہ یہودیون اور مسلمانون کی تمام عبادتگاہین برباد کر دیجائین۔ ہمکو معلوم ہی کہ صلیبی لڑائیون کے زمانے مین عیسائی جہان پونہچے انھون نے مسلمانون اور یہودیون کو ایک طرف سے قتل کر دیا، اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہی کہ یہودیون نے

اگر کوئی اپنا ملجا و ماوی پایا تو مسلمانون ہی کو پایا، اور آج دنیا مین جو یہودی موجود ہین، یہ مسلمانون ہی کی عنایت ہی، افیڈ یکرشالمین نے اسکی وجہ جو یہ بیان کی ہی کہ مسلمان اور یہودی نسب مین، زبان مین، مذہب مین، متحد ہین، یہ غلط ہی۔

مسلمانون نے اندلس کے عیسائیون سے صرف جزیہ طلب کیا جو معمول عام تھا، اس موقع پر ایک لطیفہ کا بیان کرنا موزون ہوگا جسکو ایک عرب مورخ نے لکھا ہی اور جس سے ظاہر ہوتا ہی کہ جزیہ کے بارے مین ان کا کیا خیال تھا، اور یہ کہ مسلمانون اور عیسائیون مین کیسے تعلقات تھے۔

(باقی آیندہ)

روس مین ایک اسلامی سلطنت

اتنی بات تو ہر شخص کو معلوم ہوگی کہ ارض مشرق (ایشیا) کا مجموعی رقبہ ۱۶۶۶۱۰۰۰ میل مربع ہے، جس مین ۱۰۲۸۷۰۰۰ میل مربع پر اہل مغرب کا پھریرا لہرا رہا ہے، آبادی ۸۵۰۰۰۰۰۰۰ ہے، جس مین تخمیناً ۴۰۱۵۰۰۰۰۰ شخص یورپ کے تابع ہین، لیکن پہلے یہ بات نہ تھی، یہی یورپ جو آج فاتحانہ حاکم ہے ایک زمانے مین مفتوح و محکوم بھی تھا۔

ایشیا و یورپ مین ہمیشہ سے ایک بین الاقوامی جنگ قائم ہے اور تاریخی نظر سے دیکھا جائے تو معرکۂ مراتون واقعہ ۴۹۰ قبل مسیح علیہ السلام، معرکۂ سلامینہ واقعہ ۴۸۰ ق م، معرکۂ پلاٹیہ واقعہ ۴۷۹ ق م، معرکۂ آربیلس (اربل) واقعہ ۳۳۱ ق م، معرکۂ کینی واقعہ ۲۱۶ ق م، معرکۂ زیما واقعہ ۲۰۲ ق م، اور معرکۂ اکٹیوم واقعہ ۳۱ ع، بھی اسی جنگ کے نتائج نظر آئین گے۔

مشرق و مغرب کی یہ باہمی کشمکش و کوشش یون تو ہمیشہ رہی لیکن اسلام کے بعد سے نہایت ترقی کر گئی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب مشرق نے فاتحانہ حیثیت سے مغرب مین مختلف سلطنتین

سلہ یہ مضمون ترجمان فسریم اور ریویو آف ریویوز سے ماخوذ ہے ۱۲

تھیں قائم کرلین اور قریباً سات سو برس تک مغرب کے ایک وسیع حصہ پر حکومت کی۔

ذیل مین ہم چند مشرقی سلطنتون کا نقشہ دیتے ہین جو ارض مغرب مین خصوصیت سے مشہور تھین اور شان وشکوہ سے یورپ مین حکمران رہین۔

سلطنت	دار السلطنت	تعداد سلاطین	سنۂ ابتداء ھ	سنۂ اختتام ھ
امویۂ اندلس	قرطبہ	۱۹	۱۳۸	۴۲۲
مرابطین	غرناطہ	۵	۴۰۳	۴۸۳
بنی تو جین	سرگوشہ	۹	۴۱۰	۵۳۶
ناصریہ	غرناطہ	۲۱	۶۲۹	۸۹۷
حمودیہ	مالقہ	۹	۴۰۷	۴۴۹

یہ سب اسلامی سلطنتین یورپ کے جنوبی مغربی حصے مین واقع تھین اور تاریخون مین ان کے واقعات بتفصیل ملتے ہین، یورپ کے شمالی حصہ (روس) مین بھی ایک مشرقی اسلامی سلطنت قائم تھی لیکن اُس کے واقعات بہت کم ملتے ہین،

ہم اس مضمون مین اُسی سلطنت کے واقعات لکھنا چاہتے ہین، لیکن قبل اس کے یہ بتادینا ضروری ہے کہ روسی سلطنت کی ابتدا عہد قدیم کی تاریکی مین بالکل مخفی ہے۔ تاریخ سے صرف اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ ۸۶۲ء مین بالطک کے ایک مشہور قزاق ریورک نے ایک ظالمانہ حکومت کی بنیاد ڈالی تھی۔ روسی اسی ریورک سے منسوب ہین اور اُن کا وحشیانہ جوش اُسی قزاقی کا نتیجہ ہے جو اُنھین اپنے مورث اعلی سے وراثت مین ملا ہے۔

روس مین مشرقی سلطنت کی ابتدا یون ہوئی کہ ۱۲۲۳ء مین مغلون اور تاتاریون نے بحر آصاف کے قرب وجوار مین فوج کشی کی اور آخرکو متواتر حملون سے ۱۲۳۶ عیسوی مین

روسیون کو سخت شکست دی۔ فتوحات کا یہ سیلاب ۲۵۰ برس تک قائم رہا اور فاتحون نے ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی جسکے حدود جغرافیہ کا سپین سے دریاے والگا تک وسیع تھے۔ اندرون ملک مین روسیون کی بھی ریاستین تھین لیکن وہ سب خراج گزار رہتے۔ کچھ دورکے بعد تاتاری مسلمان ہو گئے اور مغلون مین اسلامی جوش آگیا۔

۱۳۶۱ء مین مسلمانون نے کیف کو بھی فتح کر کے بو اس تھینس کی جہاز رانی روسیون سے چھین لی اور اُن کی جنگی طاقت کمزور کر دی۔

۱۳۶۳ء مین روسیون نے پھر زور پکڑا۔ مغل حکمرانون نے اُن کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر براہ دوراندیشی اسلامی فوج کی تعداد بڑھا دی اور حکم دیا کہ دمیٹری گرینڈ ڈیوک ماسکو خود حاضر دربار ہو اور مزید پیشکش حاضر کرے۔ اس درشت حکم کا نتیجہ یہ ہوا کہ روسیون نے بیشمار فوج سے دریاے دان پر مسلمانون کا مقابلہ کیا اور حملہ آورون کو پسپا ہونے پر مجبور کیا۔ لیکن مسلمانون نے بہت جلد اس ذلت کا بدلہ لیا۔ ۱۳۸۲ء مین ہولناک ساز وسامان سے ماسکو پر حملہ آور ہوے اور دو روز کی جنگ عظیم مین شہر کو فتح کر لیا۔

۱۳۹۵ء مین امیر تیمور نے بھی روس پر فوج کشی کی لیکن وہ صرف جہانگیری جہان سوزی کا خواہشمند تھا، جہان داری وجہان پروری اُس کے مزاج کے موافق نہ تھی۔ اور یہی وجہ تھی کہ اُس نے خود کوئی سلطنت نہین قائم کی۔

چودھوین صدی عیسوی کے اختتام پر مغلون کے شان وشکوہ کی کوئی حد نہین رہ گئی تھی، شاہی سطوت کمال پر تھی اور آفتاب اقبال نصف النہار پر، لیکن، عروج مہر بھی دیکھا تو دوپہر دیکھا، اسی زمانے سے زوال بھی شروع ہوا اور نفاق وبغض وحسد کی بلا ساری قوم مین اس طرح پھیل گئی تھی کہ ذاتی فوائد پر قومی مصلحتون کا قربان کر دینا ایک آسان کام تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ طاقت

ضعیف ہوگئی اور اس قدر کمزوری بڑھی کہ ۱۴۶۲ء مین جب ایوان ثالث بادشاہ روس نے حملہ کیا تو مغلون کو اطاعت و فرمان برداری کی شرط پر جان بچانا پڑی،

اس شکست سے مغلون کی طاقت گو پامال ہوگئی تھی لیکن انتقام کی تدبیرین اُنھون نے پھر شروع کر دین اور ایوان ثالث کے بعد ۱۵۰۵ء مین جب اُس کا جانشین حکمران ہوا تو خاص دار السلطنت ماسکو پر فوج کشی کی اور یلغار کر کے شہر مین داخل ہو کر قصر شاہی کا محاصرہ کر لیا، بادشاہ نے تاوان جنگ دے کر صلح کی درخواست کی اور اطاعت کا حلف اُٹھایا

ایوان رابع نے رفع ندامت کے لیے پھر مغلون پر حملہ کیا اور بہت سے روسی اضلاع جو مغلون نے فتح کر لیے تھے پھر واپس لے لیے ۱۵۷۱ء مین مغلون مین پھر جوش پیدا ہوا اور روس کے جنوبی شہر تاخت و تاراج کرنا شروع کیے اور جب روسیون کی فوجی طاقت کا اندازہ کر لیا تو روسی فوجون کو پارہ پارہ کر کے شہر مین آگ لگا دی۔ بادشاہ نے مع اپنے دو بیٹون کے بھاگ کر ایک محفوظ قلعہ مین پناہ لی اور جب تک کہ مغلون کی فوج ملک کو برباد کر کے واپس نہین گئی قلعہ سے باہر نہین نکلا۔

روسیون نے مجبور ہو کر مغلون سے دوامی صلح کر لی اور پیشکش قرار جزیہ کے وعدہ پر جب ادھر سے اطمینان ہوا تو فوجی طاقت بڑھانے کی تدبیرین کرنا شروع کین۔ ادھر مغلون کی یہ کیفیت تھی کہ خواب غفلت مین سرمست تھے اور باہمی نااتفاقیان اتنی بڑھی تھین کہ ہر ایک دوسرے کا بدخواہ تھا۔

۱۵۹۲ء مین مغلون نے گزشتہ فتح سے دلیر ہو کر پھر روسیون پر حملہ کیا لیکن بیس برس کی مسلسل جنگی طیاریون کے بعد اب روس کی وہ حالت نہین رہی تھی کہ مغل اُن کا مقابلہ کر سکتے۔ پھر بھی مغلی سطوت کا سکہ ایسا بیٹھا ہوا تھا کہ ارکان سلطنت نے جب تھیوڈور (فوڈر)

بادشاہ روس سے فوج کی کمان لے کر مقابلہ کرنے کی درخواست کی تو اُس نے صاف جواب دیا کہ ”جن مذہبی مقدس سینٹون نے آج تک ان ظالمون سے ملک کی حفاظت کی ہے وہی اب بھی اس بلا سے محفوظ رکھینگے مجھکو میدان جنگ مین جانے کی ضرورت نہین“، حملہ آور جب ماسکو تک بڑھتے چلے آئے تو ناچار فوج کو مدافعت کے لیے مقابل ہونا پڑا لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ مغلون نے ایسی شکست فاش اُٹھائی کہ ریاست وحکومت سب کچھ کھو بیٹھے اور وہی بہادر جن کے حملون سے شمالی یورپ کانپتا تھا بے تدبیری سے فاتحون کے غلام ہو گئے،

مغل طبعاً درشت مزاج تھے۔ سختی اُن کی فطرت مین داخل تھی۔ اور خاص کر جنگ مین اُن کی وحشیانہ کارروائیون کی کوئی حد نہین رہ جاتی تھی۔ لیکن خاص اپنی سلطنت مین اجنبی رعایا کے ساتھ (بقول مسٹر اسٹڈ) اُن کا برتاؤ نہایت شریفانہ تھا۔ عیسائیون کو ہر طرح کی آزادی دے رکھی تھی اور اُنھین اجازت تھی کہ مذہبی رسوم خاطر خواہ ادا کرین،

مسٹر اسٹڈ لکھتے ہین کہ ”۳۰۰ برس سے زیادہ مغلون نے روس مین حکمرانی کی۔ جنوبی روس مین اُن کی حکومت ویسی ہی باضابطہ تھی جیسے بمبئی اور بنگال مین ہماری حکومت۔ شمالی اور وسطی روس مین اُنھون نے اُسی طرح حکومت کی ہو جیسے کہ ہم ہندوستان کی اعلیٰ باجگزار ریاستون مین حکومت کرتے ہین۔ اس مشرقی سلطنت کا مشہور شہر سرائے تھا جسکی دلچسپیون نے ایک ایرانی شاعر کو ایسا وارفتہ بنا دیا کہ وہ بے اختیار کہ اُٹھا:

اگر سرائے ہمین ست دلبران سرائے ۔۔۔ بیار بادہ کہ من فارغم زہر دو سرائے

سرائے کے قریب ایک اور شہر جنوبی ساحل دریائے والگا پر آباد تھا اور وہی مغلون کا دارالسلطنت تھا، اُس کا موقع استراخان کے موجودہ محل وقوع کے قریب قریب تھا اور وہین سے حکمران

خاندان روسیون اور ترکون پر یورال سے کاسپین تک حکومت کرتا تھا۔ فرمان روا کا لقب خان اعظم تھا۔ عربی مین اس خاندان کو خانات العشائر الذہبیۃ کہتے ہین۔

مغلون کا طریق حکومت انگریزی طرز حکومت سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھا۔ سلطنت کے مختلف صوبون مین دیسی قوانین نافذ تھے، عدالتین بھی دیسی تھین اور حکومت وگورنری کی خدمت بھی دیسیون ہی کے سپرد تھی۔ مذاہب عامہ کے ساتھ ان کی پالسی صلح کل تھی اور اندرونی حکومت ومذہبی اقتدارات ایک خالص یونانی پادری کو دے رکھے تھے اور مذہبی گروہ ہر قسم کے ٹیکس سے بری تھا۔ بے تعصبی کا یہ عالم تھا کہ ایک پادشاہ نے خاص ایوان سلطنت کے پاس عیسائیون کو گرجا بنانے کی اجازت دی تھی اور عیسائیون کے مذہبی تقریبات مین خود پادشاہ بھی شریک ہوتا تھا،

روسی شہزادے اپنے آپ کو ہم قومون مین ذی رتبہ بنانا چاہتے تو مغلی فوج مین آکر نوکری کرتے، ایم ایمبادنے جسکی تاریخ روس سے زیادہ تر واقعات لیے گئے ہین خان اعظم کی حکومت کا پرداز حسب ذیل ضوابط مین خلاصہ کیا ہے:

(۱) روسی شہزادون کی تاجپوشی کا اختیار صرف خان اعظم کو تھا۔ اسی وجہ سے حریف مدعیون کو ہمیشہ فصل خصومات کے لیے دربار مین حاضر ہونا پڑتا تھا،

(۲) کسی روسی شہزادے کو خان اعظم کی مرضی کے خلاف باہم جنگ کرنے کی اجازت نہ تھی

(۳) ماتحت شہزادون کے مقدمات مین خان اعظم کا فیصلہ آخری اور قطعی ہوتا تھا،

(۴) روسیون کو جزیہ دینا فرض تھا،

(۵) جزیہ کی رقم مین اختیار تھا کہ نقد دی جائے یا سمور وغیرہ ریشمی کپڑے اُسکے عوض مین دیے جائین،

(۶) جزیہ دینے والے کی جان و مال کی حفاظت سلطنت کے ذمہ تھی،

(۷) جزیہ کی وصولی خیوا کے سوداگروں کے متعلق تھی، یہ سوداگر نہایت سخت گیر تھے اور ان کے برتاؤ سے رعایا میں اکثر ناراضی رہتی تھی،

(۸) ہر ایک روسی ریاست کو ایک مقررہ تعداد سپاہیوں کی مہیا کرنا ہوتی تھی۔ یہ امر خان اعظم کی مرضی پر منحصر تھا کہ جب چاہیں اُس فوج کو طلب کریں اور یورپ و ایشیا میں جہاں چاہیں اور جس سے چاہیں اُس فوج کو لڑنے کے لیے بھیج دیں،

(۹) خان اعظم کا پروانہ جب کسی روسی شہزادے کے پاس آتا تو شہزادے کا فرض تھا کہ پاپیادہ قاصد کا استقبال کرنے، راستہ تکلف فرش سے آراستہ ہو، قاصد کے روبرو گردن خم کی جائے اور ایک پیالے میں اشرفیاں بھر کر اُس کو نذر دی جائیں اور فرمان پڑھتے وقت شہزادہ دوزانو خاموش بیٹھا رہے۔

(۱۰) دربار میں حاضری کی ضرورت ہوتی تو پہلا فرض یہ تھا کہ خان اعظم کے روبرو شہزادہ زمین بوس ہو اور شربت کا ایک پیالہ پیش کش کرے" (عبداللہ عمادی)

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے انتقال سے ہندوستان کی علمی دنیا کو جو سخت نقصان اُٹھانا پڑا وہ ناقابل تشریح ہے مرحوم نے اس آخری دور میں حدیث نبوی کی قابل قدر خدمت کی اور اپنے آپ کو نمونہ بنا کر مسلمانوں کو دکھا دیا کہ ایک پابند مذہب مسلمان کا کیا طرز عمل ہونا چاہیے، غفر اللہ لہ وعفا عنہ ونبہ،

شیخ محمد عبدہ

دنیا مین ہزارون تغیرات ہوسے اور ہوتے رہین گے، اور سچ یہ ہو کہ انھین تغیرات سے دنیا کی دلچسپیان قائم ہین، سکندر نے ایشیا و یورپ کی قومی جنگ مین نیا دور پیدا کیا، نپولین نے یورپ کی ہیأت بدل دی، جنگ جاپان ور وس نے مشرقی زندگی مین ایک نئی روح پھونکی، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ پولیٹکل تغیرات عظمت و شان مین جس قدر با وقعت اور ہولناک نظر آتے ہین دوام اور ثبات مین اُسی قدر کمزور ثابت ہوتے ہین، تغیر اسی کا نام نہین ہو کہ بزور شمشیر دنیا کا نقشہ بدل دیا جائے، تغیر اس کا نام بھی ہو کہ وحشیانہ لاالف ایک مہذب علمی اخلاقی زندگی سے بدل دی جائے،

یہ انقلاب جس قدر دیکھنے مین معمولی نظر آتا ہو، اُسی قدر تاثیرات و نتائج مین دیرپا، مستحکم، اور غیر معمولی ہوتا ہو۔ رستم و ہنیبال کی شجاعت سے زمانے مین جو انقلاب ہوا وہ چند صدیون کے بعد زائل ہو گیا لیکن کالون اور لوتھر کے رفارم کا اب بھی وہی زور ہو جو ابتدائی عہد مین تھا،

کہتے ہین سے مٹے نامیون کے نشان کیسے کیسے ÷ لیکن یہ مٹنے والے میدان جنگ

اور ایشیلس کے نامور رہے ہونگے جن کے آثار فنا ہوگئے، ورنہ اخلاقی وعلمی دنیا مین جن ناموروں نے نیکنامی کی شہرت حاصل کی وہ مرگئے لیکن اب بھی زندہ ہین،

سعدیا مرد نکونام نمیرد ہرگز ۔۔۔ مردہ آن ست کہ نامش بنکوئی نبرند

انھین بزرگون مین امام غزالی ابن رشد اور شاہ ولی اللہ تھے، اور انھین کے نقش قدم پر شیخ محمد عبدہ چلے اور اس انداز سے چلے کہ زمانہ کی روش بدل دی۔

شیخ محمد عبدہ ۱۲۶۵ھ یا ۱۲۶۶ھ ہجری مین پیدا ہوے اور جس گانوُن مین پیدا ہوئے جس طرح وہ کورِدہ تھا اُسی طرح جس خاندان مین پیدا ہوے وہ بھی ایک ادنی درجکا زراعت پیشہ ترکمانی خاندان تھا۔ اُن کے والد عبدہ بن حسن محلۂ نصر (مصر) کے ضلع بحیرہ مین ایک گانوُن کا نام ہی مین مقیم تھے اور مفتی شیخ محمد عبدہ بھی وہین پیدا ہوئے اور ابتدائی زندگی بھی وہیں بسر کی۔ حرف شناس تو گھر ہی مین ہو چکے تھے لیکن مکتب مین دسوین برس داخل ہوے اور دو برس مین قرآن شریف حفظ کر کے طنطا مین ایک عزیز کے یہان قیام کیا اور جامع احمدی مین تجوید و قرات سیکھنا شروع کی،

یہ واقعہ ۱۲۷۹ھ ہجری کا ہے، مفتی صاحب نے اسی زمانے مین نحو کی کچھ کتابین بھی پڑھ لی تھین لیکن تعلیم کا طریقہ ایسا ناقص تھا کہ پڑھنے والے کو کتاب تو یاد ہو جاتی تھی مگر مسائل مین کچھ بصیرت نہین ہوتی تھی۔ اُستاد نے شرح کفراوی جب پڑھانا شروع کی تو سبق تو زبانی سن لیا جاتا تھا لیکن اصطلاحات نہ سمجھ مین آتے تھے اور نہ مناسب طرح پر سمجھائے جاتے تھے۔ اسی حالت مین ڈیڑھ برس کا زمانہ گزر گیا اور مفتی صاحب اس قدر گھبرا گئے کہ تحصیل علم سے ناامید ہو کر زمینداری کی نیت سے مکان واپس گئے اور ۱۲۸۲ھ ہجری مین شادی کی

مرحوم فرماتے تھے کہ یہ پہلی نفرت تھی جو طریقہ تعلیم کی طرف سے پیدا ہوئی اور مین سمجھتا ہون کہ اس قسم کی نفرت فی صدی ۹۵ طالب علمون کے دل مین ہوگی، کہ مدرسین پڑھاتے جاتے ہین اور متعلمون کی استعداد کا کچھ خیال نہین کرتے اور جوجی مین آتا ہو سمجھاتے ہین، طلبہ کو اُس کے سمجھنے کی لیاقت ہو یا نہو۔ اس طریق کی مداومت سے شعور واحساس ابا باطل ہوجاتا ہو کہ طبیعت انھین باتون کی خوگر ہوجاتی ہو اور پھر یہ نقص نظر بھی نہین آتا،

شادی کے چالیسوین دن والد نے پھر پڑھنے پر مجبور کیا اور ایک شخص کو ساتھ کیا کہ مفتی صاحب کو زبردستی طنطا پونہچا آئے۔ آخر بہزار دقت جانے کا سامان ہوا لیکن طبیعت کچھ ایسی متنفر تھی کہ مفتی صاحب راستے سے غائب ہوگئے اور بھاگ کر ،،کنیسۂ اورین،، نامے ایک قصبہ مین، جہان کچھ رشتہ داری بھی تھی آکر قیام کیا گانون کے نوجوان مفتی صاحب سے مل کر بہت خوش ہوے، کیونکہ شہسواری اور شمشیر بازی مین مفتی صاحب کو اچھی مہارت تھی اور اسی وجہ سے وہ بہت جلد نوجوان پارٹی مین ہردلعزیز ہوگئے،

حسن اتفاق سے اس گانون مین شیخ درویش ایک صوفی مشرب بزرگ تھے، مفتی صاحب کی صورت دیکھ کر وہ تاڑ گئے کہ یہ ہونہار شخص ہو۔ ایک روز تصوف کی ایک کتاب لیے ہوے آئے اور مفتی صاحب سے کہا،، ذرا اس کو پڑھنا تو۔ ضعف بصارت کی وجہ سے مجھسے پڑھا نہین جاتا،، مفتی صاحب نے بکراہت عبارت پڑھ کر سنائی تو درویش نے کہا: تم اس کا مطلب بھی کچھ سمجھے: اور نفی مین جواب ملنے پر اُس نے بڑی وضاحت سے معنے بیان کیے اور جسلاقی باتین سمجھائین۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ ہم صحبتون نے آکر خواہش کی کہ قریب کے ایک دریا مین چل کر پیرنا چاہیے۔ مفتی صاحب سنتے ہی

اٹھ کھڑے ہوئے اور صحبت درویشی برہم ہوگئی۔ عصر کے بعد درویش نے پھر آکر کتاب کے پڑھنے کی خواہش کی مگر مفتی صاحب چند ہی منٹ کے بعد پھر با مذاق دوستوں کے ساتھ تفریح کو چلے گئے،

درویش صاحب اب روز آنے لگے اور تھوڑا سبق پڑھانے لگے، کتاب تھی تصوف کی اور دلچسپ، اور خود وہ طلیق اللسان تھے، اخلاقی باتین اس صفائی سے سمجھاتے کہ بہت جلد طبیعت قبول کرلیتی اور پانچ ہی روز مین اس طرز تعلیم کا یہ نتیجہ ظاہر ہوا کہ مفتی صاحب کو لہو ولعب وغیرہ سے نفرت ہوگئی۔ ساتوین دن مفتی صاحب نے پوچھا:

''آپ کا طریقہ کیا ہی؟''

''اسلام''

''اسلام کس کا طریقہ نہین؟ سب ہی مسلمان ہین''

''سب لوگ مسلمان ہوتے تو ذرا ذرا سے اختلافات پر باہم نہ لڑتے اور خدا کی جھوٹی قسم نہ کھایا کرتے''

یہ جملہ ایک شعلہ تھا جسنے خرمن ہوا و ہوس مین آگ لگادی اور یہ خیالات کہ، ہمارا ہی مذہب صحیح ہی اور ہمارے سوا کسی مسلمان کو نجات نہین ہوسکتی، بالکل مٹادیے اب مفتی صاحب کی زندگی مین انقلاب آگیا اور چند ہی روز کی تعلیم مین وہ ایک صوفی صافی بن گئے،

جمادی الآخرہ ۱۲۸۲ ہجری مین اس صحبت کو الوداع کہکر طنطا جانا پڑا، وہان پہنچکر نحو درتانی شروع کی لیکن ایک شخص کی ہدایت سے طنطا کو خیرباد کہکر مصر پہنچے اور جامع ازہر مین پڑھنا شروع کیا،

سنہ۱۲۸۸ہجری مین سید جمال الدین افغانی مصر مین وارد ہوے اور علم وفضل سے مصریون کو اپنا گرویدہ بنالیا۔ مفتی صاحب بھی اُن کی صحبت مین حاضر ہوتے رہے، لیکن محرم سنہ۱۲۸۸ہجری سے جب سید صاحب کے درس مین شریک ہوے اور ریاضی وفلسفہ وعلم کلام کی کتابین پڑھنا شروع کین تو عوام مین طرح طرح کی بدگمانیان پھیل گئین اور فساد عقائد کا چرچا ہونے لگا،

اُن دنون مصر کی تعلیمی حالت بہت مبتذل تھی، صرف نحو وفقہ وغیرہ کی تعلیم دیجاتی تھی، اور وہ بھی اس طرح کہ پہلے اصل کتاب پڑھاتے، پھر اُس کی شرح، پھر اُس کے حواشی اور بسا اوقات حواشی کی شرحین پڑھائی جاتین، معقولات کا بالکل رواج نہ تھا، چنانچہ مفتی صاحب نے جب اس طرف توجہ کی تو بمشکل ایک کتب خانے مین قطبی کا ایک نسخہ ملا وہ بھی ناقص تھا،

قریباً آٹھ برس تک سید صاحب کا ساتھ رہا، مفتی صاحب نے اس مدت مین اُن سے اکثر کتابین پڑھین اور مضمون نگاری اور اسپیچ دینے کی خاص مہارت بہم پونچائی، علوم جدیدہ سے بھی واقفیت حاصل کی اور فی الجملہ زمانے کی روش سے بے خبر نہ رہے۔ لیکن یہی خیالات تھین جن سے علما کے گروہ مین وہ بدنام ہوے اور جامع ازہر کے فائنل امتحان مین بدقت انکو فضیلت کی سند ملی،

سنہ۱۲۹۳ہجری مین تکمیل تعلیم کے بعد کتب بینی کا شوق ہوا اور قدما سے فلاسفہ کی جس قدر کتابین مل سکین مطالعہ کین سنہ۱۲۹۵ہجری مین مدرسۂ دار العلوم کے مدرس مقرر ہوئے طلبہ کو مقدمۂ ابن خلدون کا درس دیتے تھے، فلسفۂ تاریخ کے اصول بیان کرتے تھے اور ابن خلدون پر ریمارک بھی کرتے جاتے تھے (بعد مین یہ ریمارکس ایک کتاب کی صورت مین

مرتب ہوئے)

۱۲۹۸ھ ہجری مین وزیراعظم ریاض پاشا کے حکم سے سرکاری گزٹ "وقائع مصریہ" کے اڈیٹر مقرر ہوئے، قانون مطبوعات وضع کیا۔ سررشتۂ تعلیم کے لیے ایک انجمن قائم کی، اور مختلف سرکاری عہدون مین ترقی کی،

فتنۂ عرابی پاشا مین مفتی صاحب پر بھی شرکت کا جرم قائم کیا گیا، اور تین برس کے لیے ملک بدر کیے گئے۔ اس جلاے وطنی کے زمانے مین کچھ دن بیروت مین رہے، پھر پیرس جاکر رسالۂ عروة الوثقی شائع کیا، اہل یورپ سے ملے اور علوم جدیدہ مین تبحر پیدا کیا۔ تین برس کے بعد فرانس سے واپس آنے پر توفیق پاشا خدیو مصر نے محکمۂ قضا مین اُن کو جج مقرر کیا اور کچھ روز کے بعد جامع ازہر کے ٹرسٹی شپ مین جگہ دی،

چالیس برس کی عمر مین مفتی صاحب نے فرانسیسی زبان سیکھی، طلب صادق کا یہ حال تھا کہ سوئٹزرلینڈ کے آخری سفر مین معلوم ہوا کہ کسی یورپین کتب خانے مین ملوک حمیر کی کچھ یادگارین ہین اور اُن سے تمدن عرب کے بعض قدیم تاریخی حالات معلوم ہوسکتے ہین، مفتی صاحب دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے اور خاص اسی غرض سے خط مسند سیکھا تاکہ الواح اور کتابے پڑھ سکین۔

تاریخ، تفسیر، ادب، اور علم توحید مین اُن کی کتابین یادگار ہین، جنمین کتاب التوحید، تفسیر سورۂ فاتحہ، تفسیر سورۂ والعصر، تفسیر عم یتساءلون، حواشی بصائر نصیریہ، شرح نہج البلاغہ، شرح مقامات بدیع ہمدانی شائع ہوچکی ہین۔ اول الذکر کا اُردو مین بھی ترجمہ ہوا ہے،

صاحب موصوف ۱۳۱۷ھ مین مصر کے مفتی اعظم مقرر ہوئے اور اسی عہدہ پر ۵ ربیع الآخر ۱۳۲۳ھ ہجری کو بمقام اسکندریہ وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سرکاری

ساتھ جنازہ بڑی دھوم دھام سے اُٹھایا گیا، ارکان دولت، افسران فوج، علماے کرام اور بزرگان قوم جلو مین تھے۔ فوج کا ایک دستہ ساتھ تھا اور ماتمی بینڈ بج رہا تھا اشاعت مین لاکھون آدمی شریک تھے۔ جنازہ اسپشل ٹرین مین اسکندریہ سے قاہرہ لایا گیا۔ شیخ جامع ازہر نے نماز پڑھائی۔ مجمع کی حد نہ تھی، علما، فضلا، عمائد ملک، اہل قلم، شعرا، مسلمان، عیسائی، یہودی، قبطی، انگریز، امیر، غریب، لڑکے، بچے، ہر طبقے کے لوگ موجود تھے اور ہر سوسائٹی مین اُنکا ماتم ہوا،

مرحوم، جدید و قدیم دونون فرقون مین معزز تھے، جدید فرقہ اُن کو اسلام کا مجدّد، تمدن عرب کا مصلح اور علوم اسلامیہ کا عظیم الشان رفارمر سمجھتا تھا، قدامت پسند علما مین بھی وہ غیر معمولی حیثیت سے ہر دلعزیز تھے، ہرچند کچھ لوگون نے مخالفت بھی کی لیکن مرحوم کا علمی پایہ بلاغت و ادب وکلام مین ایسا بلند تھا کہ لوگون کو مجبوراً ماننا پڑا،

مرحوم کا لباس ہمیشہ عربی تھا۔ وضع کے اس قدر پابند تھے کہ توفیق پاشا کے عہد مین ایک مرتبہ حکم ہوا کہ تمام علما مین طربوش (ترکی ٹوپی) پہنا کرین، مفتی صاحب نے جب اس کے خلاف ورزی کی تو ریاض پاشا وزیر اعظم نے بہت سمجھایا لیکن انھون نے ایک نہ مانی اور آخر اس پابندی سے مستثنیٰ کر دیے گئے،

ایک بڑی خصوصیت مفتی صاحب کی یہ تھی کہ تعلیم کے لیے ایسی کتابین انتخاب کرتے تھے جو لفظی مناقشات و خلط مبحث سے پاک و صاف ہون، فن بلاغت مین اُنھون نے دیکھا کہ اسکی تعلیم کا طریقہ بُرا ہے اور جو کتابین زیر درس ہین، اُن سے فن نہین آتا۔ مرحوم نے اسی لیے اسرار البلاغہ اور دلائل الاعجاز کو، جن کے نسخے نایاب تھے، تصحیح کر کے چھپوایا اور خود اس کا درس دیا۔ آخر الذکر کتاب ندوہ کے نصاب تعلیم مین بھی داخل ہے۔

منطق مین بھی یہی کیفیت تھی، مرحوم نے یہ نقص رفع کرنے کے لیے بصائر نصیریہ پر حاشیہ

لکھ کر خود اسکو چھپوایا۔ یہ کتاب قاضی زاہد زین الدین عمر بن سلطان الساوی کی تصنیف ہے شیخ اشراق جیسے علمائے کرام اس کا درس دیتے تھے۔ ۵ رجب ۱۳۲۳ہجری سے جامع ازہر کے نصاب تعلیم میں داخل ہوئی۔

ہندوستان میں جو فرقہ جدیدہ ہے، انکو علماء اس لیے نہیں مانتے اور نہ مان سکتے کہ ان کو علوم عربیہ سے واقفیت نہیں۔ مفتی صاحب علوم قدیمہ و جدیدہ دونوں کے حامی تھے لیکن شتر بے مہار کی نامحدود آزادیوں کو وہ بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی جن دنوں مصر میں تھے تو علمائے مصر سے عموماً ملاقات رہتی تھی۔ ایک دن دوران گفتگو میں مفتی صاحب مرحوم قدیم تعلیم کی شکایت کر رہے تھے لیکن علامہ نعمانی نے جب جدید تعلیم کے متعلق استفسار کیا تو فرمایا هي كالانعام اضل سبيلا یہ اُن سے بھی بڑے ہیں۔

مرحوم کی علمی زندگی کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ جامع ازہر میں قرآن پاک کا درس دیتے تھے اور اصول جدیدہ سے آیات کی تفسیر کرتے تھے، عربی زبان کو چاہتے تھے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں میں عام ہو جائے، بدعتیں مٹ دی جائیں، دلوں میں اسلام کا خالص جوش پیدا ہو، اسلامی علوم کی تعلیم جدید طرز پر دی جائے، جامع ازہر ایک عظیم الشان اسلامی یونیورسٹی قرار پائے۔ افسوس ہے کہ اُن کی وفات سے ان سب چیزوں کو نقصان پہنچا اور مسلمانوں کی عام قومی بنیاد گر گئی۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد ولكنه بنيان قوم تهدما

(مفتی صاحب کے علمی کارناموں کا ہم کسی آئندہ نمبر میں تفصیلی تذکرہ کریں گے)

خادم قوم

عبداللہ عمادی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ

"ندوہ کے متعلق خبرین"

لکھنؤ کی آب وہوا کے خراب ہوجانے کی وجہ سے، دارالعلوم ندوہ مین ۱۵ دن کی تعطیل ہوگئی، جو ۱۰ ستمبر سنہ ۱۹ء کو ختم ہوئی۔

مولوی غلام محمد صاحب شملوی ندوہ کی طرف سے دورہ کے لیے روانہ ہوگئے، وہ بھوپال، احمد آباد، بڑودہ وغیرہ کا دورہ کرتے ہوئے رنگون جائین گے،

ہمارے پاس ابتدائی تعلیم کی انتظام کے لیے کثرت سے درخواستین آرہی ہین، دارالعلوم ندوہ [illegible] سے کم عمر کا لڑکا داخل نہین ہوسکتا کیونکہ ابھی تک ابتدائی تعلیم کے لیے کوئی انتظام [illegible] اس بنا پر اگر لڑکے [illegible] کو آیندہ انگریزی تعلیم دلانا چاہتے ہین [illegible] کی

خواہش ظاہر کرتے ہین کہ اگر ابتدائی تعلیم کا انتظام ندوہ مین کیا جائے تو وہ اپنے بچون کو ابتدائی تعلیم یہان دلاکر، انگریزی مدارس مین داخل کرین، یہ درخواستین اکثر انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کی طرف سے آئی ہین، جس سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہو کہ اس گروہ مین بھی جن لوگون کو کسی قسم کا مذہبی احساس باقی ہو وہ بچہ کی ابتدائی تعلیم کے ساتھ مذہبی تربیت و تعلیم ضروری سمجھتے ہین،

ہمارا خیال ہو کہ اگر ندوہ مین ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا جائے تو لوگ نہایت کثرت سے اپنے بچون کو یہان بھیجدین گے، اور یہ طریقہ نہایت مفید ثابت ہوگا، کیونکہ جو گروہ اسوقت تک مذہبی تربیت سے محروم ہو، اسکے لیے اسکے سوا اور کوئی تدبیر نہین ہوسکتی،

اس بنا پر ہم ارکان ندوہ کی خدمت مین التماس کرتے ہین کہ وہ جس قدر جلد ہوسکے اسکی طرف متوجہ ہون،

ارکان ندوہ سے ایک بڑی غلطی جو ابتدا مین ہوئی اور اب تک قائم ہو، وہ یہ ہو کہ بجائے اسکے کہ کافی سرمایہ جمع ہوکر اسکی آمدنی سے ندوہ کے مصارف ادا ہوتے، سالانہ عطیات کے بھروسہ پر کام چلایا گیا اور اب تک چلایا جا رہا ہو، اس غلطی کی وجہ یہ ہوئی کہ **دیوبند** وغیرہ تمام مدارس اسلامیہ مین یہی طریقہ جاری ہو لیکن یہ ظاہر ہو کہ یہ طریقہ بالکل غیر مستقل اور ناقابل اعتماد ہو، اس بنا پر ۳ ستمبر ۱۹۱۰ء کو دارالعلوم کا ایک اجلاس ہوا، اور باتفاق ارکان یہ قرار پایا کہ سردست لکھنؤ اور اطراف لکھنؤ سے عام چندہ کرنیکے متعلق تدبیرین اختیار کیجائین، چنانچہ جناب منشی احتشام علی صاحب کو یہ کام سپرد کیا گیا کہ وہ ایک تفصیلی یادداشت تدابیر وصولی چندہ کے متعلق قلمبند کرکے پیش کرین اور وہ منظور ہوکر فوراً کارروائی شروع کیجائے۔

انشاءاللہ جاڑے کے آغاز مین، عام چندہ کے لیے ندوہ کا ڈپوٹیشن اطراف ملک مین روانہ ہوگا۔

موبدان مجوس

(ہندوستان مین)

مسلمانون کا تاریخی سرمایہ جو بہت کچھ مفقود ہوچکا، اور ہوتا جاتا ہی، اسکے علاوہ اور بہت سے نقصانات کے سب سے بڑا نقصان یہ پونہچا یا کہ خود مذہب اسلام کے متعلق دنیا کو عجیب عجیب غلطیان اور بدگمانیان پیدا ہوگئین، اور ہوتی جاتی ہین، یہانتک کہ اب خود مسلمان بھی ان غلطیون سے بچ نہین سکتے، وہ بھی مذہب کی حقیقت وہی سمجھتے ہین جو معلومات کے مفقود ہونے نے کئی سو برس سے قائم کردی ہی۔

اہل یورپ کا خاصہ ہی کہ وہ ہر ایک واقعہ کو عموماً علت و معلول فرض کرلیتے ہین، مثلاً جب تاریخ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہی، کہ اسلام کے بعد ایرانیون کا لٹریچر برباد ہوگیا تو وہ قطعی طور سے فیصلہ کرلیتے ہین کہ یہ اسلام ہی کے طرز عمل کا نتیجہ تھا،

اسیطرح جب وہ دیکھتے ہین کہ ہندوستان کی کسی اسلامی تاریخ مین پارسی قوم کے معابد کا، پیشوایان مذہبی کا، تصنیفات کا، تعلیم و تلقین کا، پتہ نہین چلتا، تو ان کو یقین ہوجاتا ہی کہ سلاطین ہندوستان نے تعصب کی وجہ سے یا تو سرے سے اُن کو ملک مین گھسنے نہ دیا یا ایسی

نسبت مین لکھا کہ اُن کی کوئی امتیازی حیثیت قائم نہ رہی، جس سے ان کے متعلق کسی قسم کی کوئی اطلاع حاصل ہوسکتی،

لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ جو کچھ ہے تاریخی کم مایگی کا قصور ہے، ہم اس مضمون مین پارسیون کے پیشوایان مذہبی (جنکو موبد کہتے ہین) کا مختصر حال لکھنا چاہتے ہین جو ہندوستان مین سکونت رکھتے تھے، اور جنکی تصنیفات و تالیفات، وسعت کے ساتھ اہل علم مین پھیلی ہوئی تھین، اور چونکہ ان کے یہ حالات اسلامی ہی تصنیفات سے لیے گئے ہین، اسلیے اس سے یہ بھی ظاہر ہوگا کہ مسلمانون نے غیر قومون کی لٹریچر اور تاریخ کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔

سلطنت تیموریہ مین سب سے پہلے اکبر کے زمانے موبدون کا پتہ چلتا ہے، کبھی نے جس زمانے مین مذہبی کانفرنس قائم کی، اور ہر مذہب و ملت کے پیشوا دور دور سے بلائے تو ایران سے بھی خط کتابت کی، اس زمانہ مین پارسیون کا پیشوا اسے کل، آذر کیوان تھا، اسنے آنے مین معذرت کی، لیکن ایک عجیب و غریب کتاب اپنی تصنیف بھیجی جسکی نسبت صاحب مآثر الامرا لکھتے ہین "نامہ از مولفات خود کہ مشعر بستایش مجردات و کواکب و متضمن نصائح و حکم بود فرستاد مشتمل بر چہار دہ جزو ہر سطرش پارسی بحت بود، و تصحیف آن عربی وچون قلب می کردند ترکی و باز مصحف آن ہندی می شد،" یعنے اس کتاب مین یہ کمال تھا کہ خالص فارسی مین تھی لیکن اگر نقطون کو ادل بدل کر پڑھو تو عربی ہو جاتی تھی، اور الفاظ کو اُلٹ کر پڑھو تو ترکی اور پھر مصحف کرنے سے ہندی ہو جاتی تھی،

لہ یہ مضمون زیادہ تر بلکہ قریباً کل، دبستان مذاہب سے لیا گیا ہے، اس کتاب کی نسبت مشہور ہے کہ محسن فانی کشمیری کی تصنیف ہے بعض اسکو دارا شکوہ کیطرف منسوب کرتے ہین لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ ذوالفقار اردستانی کی تصنیف ہے جیسا کہ مآثر الامرا (جلد دوم صفحہ ۳۹۲) مین مذکور ہے، سب سے پہلے یہ کتاب بمبئی مین ۱۲۶۷ہجری مین چھاپی گئی، اسکے بعد اور بہت سے مطابع مین چھپی ۱۲

لہ مآثر الامرا جلد دوم صفحہ ۳۸۵ - ۱۲

اگرچہ اس ناممکن صنعت پر ہم یقین نہین کرسکتے، لیکن اس سے انکار کی کوئی وجہ نہین کہ آذر کیوان نے اپنی کوئی تصنیف ضرور لکھی تھی۔

آذر کیوان نے تو آنے سے انکار کیا، لیکن ایک دوسرا موبد جسکا نام آردشیر تھا حسب طلب آیا اور اپنے ساتھ مذہبی آتش کدہ کی آگ بھی لیتا آیا، چنانچہ اسکی حفاظت و اہتمام شیخ ابوالفضل کے سپرد کیا گیا یہ مآثرالامرا کی روایت ہی لیکن دبستان مذاہب کے مصنف نے صاف تصریح کی ہی کہ آذر کیوان ہندوستان مین آیا اور عظیم آباد پٹنہ مین سکونت کی، اور ۱۰۲۷ھ ہجری مین ۸۵ برس کے سن مین انتقال کیا۔

ممکن ہی کہ یہ آذر کیوان وہ نہ ہو جسکا ذکر مآثرالامرا مین ہی، بلکہ کسی اور موبد کا نام ہو، بہرحال یہ **آذر کیوان**، اسفندیار کے خاندان سے تھا، دبستان مین اسکا پورا شجرۂ نسب لکھا ہی بچپن ہی سے وہ مرتاض اور گوشہ نشین تھا، ۱۸ برس خم مین بیٹھا۔ علوم و فنون مین یہ کمال حاصل کیا کہ لوگ اسکو ذوالعلوم کے لقب سے پکارتے تھے، عربی زبان کا بھی ماہر تھا۔ فقہا اور صوفیہ اس سے ملتے جلتے رہتے تھے اور ان سے پرلطف صحبتین رہتی تھین، ایک دن کسی فقیہ نے پوچھا کہ آپ، جانورون کے مارنے سے کیون منع کرتے ہین، بولا کہ جو لوگ کعبہ کا احرام باندھتے ہین ان کو جانور کا مارنا حرام ہی، دل بھی، کعبہ ہی اسلیے جو لوگ اسکا احرام باندھتے ہین ان کو جانورون کا مارنا کیونکر جائز ہو سکتا ہی۔

ایک دن ایک شخص نے آذر کیوان سے کہا کہ مین سوداگر تھا، رہزنون کے ہاتھ سے تنگ آکر آخر درویشی اختیار کی۔ آذر کیوان نے کہا کہ اب تم خود رہزنی کروگے۔

---

[۱] مآثرالامرا جلد دوم صفحہ ۳۸۵۔ ۱۲

آذرکیوان کی تصنیفات سے جام کیخسرو کا ذکر دبستان مین کیا ہی۔
اور اسکے اشعار بھی نقل کیے ہین جو ذیل مین درج ہین۔

چو زاہدا نہا برگذشتم روان
رسیدم سوے پاک فرخ روان
بدانستم از بودنیہا ہمہ
شدم با سروشش بورگ رمہ
در دجوان سپہ بر تری یافتم
فروغے زیزدان ہمے تافتم
جو بگزود پرتو برفت این منی
سروشے بتابید اہرمنی
خدابود و از من نشانے نبود
فراموش و یاد روانے نبود
ہمہ را ز خود ساید می یافتم
بہ ہوش سروشان ہمی تافتم
ز خوشان ہمی تافتم بر روان
چنین تا بہ انجام یزدان
توانا و دانا و والا بدم
چنین تا از ان پایہ زیر آمدم
بدان رہ کہ رفتم شدم سوی تن
بصد ایزدی فرہ زان انجمن
خداوند را پایہ زان برترست
کہ آمیزش بندہ را درخورست
ز دریاے ہستیش یکتے سے
نم نم بگو چیست بودش سے
ز مہر او نوازش کند بندہ را
کہ برداشتن شاید افگندہ را
گدا را تونگر کند مہر او
جہان پرتوے از خورچہر او
مرا ور اجز او کس نیارد ستود
کہ او در نیاید بگفت و شنود

آذرکیوان کے تلامذہ کثرت سے تھے، ان مین سے چند ممتاز شاگرد جن سے صاحبِ دبستان نے ملاقات کی تھی اور اُن کی صحبت سے فائدہ اُٹھایا تھا ان کے نام اور مختصر حالات حسب ذیل ہین۔

خراد اسکا مورث اعلیٰ نوشیروان کی خوان سالاری کا منصب رکھتا تھا۔ خراد نے شیراز مین آذر کیوان کی شاگردی اختیار کی اور ایک مدت تک سخت ریاضتین اٹھائین ۱۰۲۹ ہجری مین انتقال کیا۔

فرشید ورد یہ بھی شیراز مین آذر کیوان کے فیض سے مستفید ہوا اور ہندوستان مین ۱۰۲۹ ہجری مین وفات پائی۔

خرد مند سام نریمان کے خاندان سے تھا۔ مصنف دبستان پٹنہ مین ان بزرگون سے ملا تھا چنانچہ خود لکھتا ہی۔ "نگارندہ نامہ در پٹنہ این چہار آزادہ یعنی خراد، فرشید ورد، وبہمن وخرد مند را دید۔ دو عاے خیر در بارہ نامہ نگار ریجا ے آوردند۔"

بہرام ابن فرہاد، گودرز کے خاندان سے تھا، آذر کیوان جس زمانہ مین پٹنہ مین تھا" بہرام شیراز سے چل کر پٹنہ مین آیا اور تکمیل نفس مین بڑی محنتین اٹھائین، اسنے فلسفہ کی تمام شاخون مین کمال حاصل کیا تھا، اور ان فنون مین عربی، پہلوی، اور فارسی زبانون کی تصنیفات سے واقفیت حاصل کی تھی، عربی فلسفہ کی کتابین خواجہ جمال الدین محمود سے جو علامہ دوانی کے شاگرد تھے پڑھی تھین۔ تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتا تھا۔ ۱۰۳۴ ہجری مین بمقام لاہور وفات پائی۔

بہرام کی تصنیفات مین سے تین کتابین زیادہ مشہور ہین، شارستان دانش۔ گلستان بینش۔ شارستان۔

مصنف دبستان نے پارسیون کے عقائد وخیالات، اکثر انھین کتابون سے لیے ہین۔

ہوشیار۔ سورت مین پیدا ہوا، رستم کے خاندان سے تھا۔ نہایت راست باز، دلیر، صاحب تدبیر ومقدمہ فہم تھا، آذر کیوان کی صحبت اٹھائی تھی، ایک ایک بہتر تک جس نفس

کرتا تھا، کھانے پینے مین کسی چیز سے پرہیز نہین تھا ۱۰۵۰ھ ہجری مین بمقام آگرہ وفات پائی
سرود دستان اسکی تصنیف ہی۔

موبد سروش - زردشت کی نسل سے تھا، عربی اور فارسی کے ساتھ
ہندی زبان بھی جانتا تھا - عربی بہرام بن فرہاد سے حاصل کی تھی۔ تمام عمر شادی نہین کی۔ گوشت
ابھی نہین کھاتا تھا۔ اسکی تصنیفات کثرت سے ہین، مثلاً نوش دارو۔ سبکتگین۔ زردشت افشار
وغیرہ۔ محمد محسن ایک فاضل کا بیان ہی۔ مین نے خدا کے ثبوت مین ۳۶۰ دلیلین اسکی زبان سے
سنین لیکن انکو قلمبند کرنا چاہا تو نہ کرسکا، اکثر خوارق عادات اس سے صادر ہوتے تھے مصنف
دبستان نے ۱۰۵۳ھ ہجری مین اس سے بمقام کشمیر ملاقات حاصل کی تھی۔

خداجوے - ہرات کا باشندہ تھا، مدت تک جویاے حق رہا آخر خواب مین
ہدایت ہوئی کہ آذرکیوان سے فیض حاصل ہوگا چنانچہ موبد خوشی کے ساتھ اسلام گیا اور آذرکیوان
کے حلقہ مین شامل ہوا، عربی اور فارسی زبان مین مہارت کامل رکھتا تھا، اکثر چپ رہتا تھا، اور
لوگون کے اصرار سے گفتگو کرتا تھا، آذرکیوان کی مشہور کتاب جام کیخسرو کی شرح لکھی ۱۰۴۲ھ
مین بمقام کشمیر وفات پائی مصنف دبستان نے یہین اس سے ملاقات حاصل کی تھی۔

موبد خوشی، ایک مدت تک حق کی تلاش مین تمام دنیا مین پھرتا رہا، آخر آذرکیوان
کی خدمت مین پونہچا اور اس سے مقامات سلوک تحصیل کیے۔ اسکی تصنیفات سے **بزمگاہ**
ایک مفید کتاب ہی جسمین اسنے **آذرکیوان** کے بارہ شاگردون کے حالات اور واقعات
لکھے ہین، ان شاگردون کے یہ نام ہین، اردشیر۔ خراد۔ شیرویہ۔ خردمند۔ فرہاد۔ سہراب۔
ارزادہ۔ بیژن۔ اسفندیار۔ فرشیدورد۔ بہمن۔ رستم۔ مصنف دبستان نے آذرکیوان کے
شاگردون کے حالات زیادہ تر اسی کتاب سے لکھے ہین

بہرام بن فرشاد دارژنگ مانی اسکی تصنیف ہی۔ آذر کیوان کا شاگرد تھا لیکن تکمیل بہرام کی خدمت مین کی، ۱۰۴۸ہجری مین بہ مقام لاہور وفات پائی، شیخ شہاب الدین مقتول سہروردی کی تصنیفات جو فلسفہ اشراق کے متعلق تھین ان کا عربی سے فارسی مین ترجمہ کیا تھا، ایک عجیب بات یہ ہی کہ عربی۔ فارسی۔ اور ہندی کے علاوہ یورپ کی بعض زبانین بھی جانتا تھا۔ اکثر کتابت کا شغل رکھتا تھا، اور نہایت قلیل الغذا تھا، مصنف دبستان کا بیان ہی کہ مین نے ۱۰۴۸ہجری مین اسکو لاہور مین دیکھا تھا ایک رات دن متصل دروازہ ایک مقام پر بیٹھا رہا اور ذرا جنبش نہ کی۔

موبد پرستار، پٹنہ مین پیدا ہوا، بچپن مین آذر کیوان کی صحبت اٹھائی اور زیادہ تر فیض موبد سروش سے حاصل کیا، پترہ موبدی اسکی تصنیف ہی،

شید وش بن انوش۔ زردشت کے خاندان سے تھا۔ اسکا باپ آذر کیوان کا تربیت یافتہ تھا، نہایت خوش لباس تھا۔ اور بڑے کروفر سے زندگی بسر کرتا تھا، خوبرو اور وجیہ تھا ۱۰۴۸ہجری مین کشمیر مین بیمار ہوا، اور وہین وفات پائی۔ نزع کی حالت مین حضرت نوربخش کے یہ اشعار پڑھنے شروع کیے۔

یکے قطرہ ام از محیط وجود	اگرچہ ندارم کثیف وستود
من از قطرہ گی گشتہ ام بس نفور	خدایا رسانم بہ دریاے نور

اخیر شعر پر دم نکل گیا،

مصنف دبستان نے اسکا مرثیہ لکھا جسکے چند شعر یہ ہین،

شید وش تا ز دیدۂ من بر کرانہ شد	اگرچشم خانہ بود بہ سر رود خانہ شد
آرام گاہ طائر قدسی سپہر بود	زین پست آشیان بہ فراز آشیانہ شد
جانش بہ ذات حضرت جان آفرین رسید	بیرون ز قید چرخ وزمین وزمانہ شد

یہ تمام موبد جن کا ذکر ہوا، آذر کیوان کے شاگرد اور تربیت یافتہ تھے،

مصنف دبستان نے اور موبدون کے نام بھی لکھے ہین ہم نے ان کو قلم انداز کیا،

مسلمانون کی بے تعصبی کا اس سے زیادہ کیا ثبوت ہوگا کہ بہت سے مسلمان فضلا نے آذر کیوان کی شاگردی اختیار کی، اور چونکہ وہ موحد اور صوفی تھا، اسلیے سلوک کے مقامات اس سے طے کیے، ان مین سے محمد علی شیرازی- محمد سعید اصفہانی، عاشور بیگ، محمود بیگ کا حال مصنف دبستان نے تفصیل سے لکھا ہے- دونون کو یہ منزلت میسر ہوگی- شیخ بہاء الدین عاملی نے بھی آذر کیوان کی صحبت سے فیض اٹھایا تھا، سچ ہے-

ہیچگہ ذوق طلب از جستجو بازم نداشت ۔۔۔ دانہ می چیدم من آن روزے کہ خرمن داشتم

مناظر کا ایک جلوہ

مناظر سے ہماری مراد "علم مناظر و مرایا" ہے، اور اس مضمون مین ہم یہ دکھانا چاہتے ہین کہ مناظر کی ابتدائی حالت کیا تھی؟ یونانیون نے کس درجہ تک اسمین ترقی کی اور مسلمانون نے اس کو کس حد تک پونہچایا؟ ساتھ ہی ہم یہ بھی دکھائین گے کہ موجودہ علمی ترقی کو اسلامی تحقیقات سے کہان تک فائدہ پونہچا اور اہل یورپ اس بارے مین کس قدر مسلمانون کے احسانمند ہین-

ہم کو یہ نہین معلوم ہے کہ علم مناظر کی ایجاد و انکشاف کا فخر کس قوم کو حاصل ہے، لیکن کتاب "انعکاس الشعاع والعطافہ" کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یونانیون کو شعاع کے متعلق کچھ باتین مل گئی تھین، جن کی بنا پر انھون نے مناظر کے ابتدائی اصول مقرر کیے تھے- کتاب مذکور کی عبارت یہ ہے:

لہ اس نام کی دو کتابین ہین ایک محقق طوسی کی اور ایک علی بن منصور قزوینی کی اور یہی آخرالذکر کتاب ہماری منقول عنہ ہے

لم تكن لليونان يد فيه وانما وجدوا الاشياء عن قوم آخرين فابتنوا عليها العلالى والقصور	یونانیون کو خود اس فن مین دسترس نہ تھی - غیر قومون سے کچھ چیزین مل گئی تھین جن کی بنا پر اُنھون نے عمارت کھڑی کر دی

اسکے بعد صاحب کتاب نے وہ چیزین بیان کی ہین، جو اس فن کے لیے یونانی عمارت مین داغ بیل کا کام دیتی رہین، لیکن وہ اس قدر معمولی چیزین ہین کہ اُنکی تلخیص چند جملون مین کی جاسکتی ہو مثلاً ابتدا مین رائے یہ قائم کی گئی تھی کہ: مناظر کی حالتین باختلاف اوضاع ہین، شعاع بصارت مین آنکھ کا آلہ ہو اور یہی وجہ ہو کہ جس چیز پر شعاع پڑیگی صرف وہی نظر آئیگی، ہان یہ ضرور ہو کہ شعاع اُنھین اجسام مین ممتد ہوسکتی ہو جن مین اُس کے نفوذ کی قابلیت ہو، امتداد شعاع کے لیے انتہائی اتصال شرط ہو اور انعکاس کے لیے لازم ہو کہ سطح مستوی اور چمکدار ہو جس سے شعاع نکل کر اپنے مقابل پر منعکس ہوگی اور اگر وہ سطح مقابل آب ساکن کی طرح شفاف ہو تو اُس مین شعاع نفوذ کر جائیگی اور پھر جہت ذو الشعاع کی سمت منعطف ہوگی، جہات شعاع مین اگر پستی و بلندی وغیرہ کا اختلاف ہوا تو مرئیات مین بھی اُسی حساب سے اختلاف ہوگا۔

یہی چیزین تھین جن کی بنا پر یونانیون نے مناظر کی بنیاد ڈالی اور گو اُن کی عمارت بھی عظمت وشان کی حیثیت سے چندان قابل توجہ نہین ہو لیکن اس حیثیت سے خاص تذکرہ کے قابل ہو کہ اُس سے عہد بعہد کی ترقیون کا پتہ چلتا ہو - یونانیون نے مناظر مین ۱۶ - اصول قائم کیے تھے اور عقلی دلیلون سے انھین اصول کو مختلف شکلون سے ثابت کیا تھا، جن کا نمونہ حسب ذیل ہو -

(۱) بہت سی چیزین ایکبارگی نظر نہین آسکتین جب تک کہ اُنمین سے کوئی ایک مقصود نہو -

(۲) جو چیزین مقدار مین برابر ہون مگر فاصلہ مین مختلف ہون - اُن مین جو چیز زیادہ قریب ہوگی وہی ٹھیک بھی اور بڑی بھی نظر آئے گی،

(۳) مرئیات کے لیے ایک حد مقرر ہونی چاہیے کہ جب اُس سے گزر جائے تو نظر نہ آئے -

(۴) جو چیزین کہ مقدار مین برابر اور خط واحد پر ہون، اُن مین جس چیز کی طرف سمت شعاع طویل ہوگی وہ چھوٹی نظر آئے گی۔

(۵) خطوط متوازیہ جو آنکھ سے نیچے ہون دوسرے مختلف عرض کے نظر آئین گے،

(۶) مقدارین جو چیزین برابر ہین مگر آنکھ سے مختلف درجہ کے فاصلہ پر ہین، وہ بڑائی مین بھی مختلف نظر آئین گی

(۷) جو چیزین مقدار مین متساوی و متوازی ہون۔ اُن کے دیکھنے کا اختلاف فاصلہ کی نسبت سے نہوگا۔

(۸) تحت البصر سطحون مین جو سطح بہت دور ہوگی وہی سب سے بلند نظر آئیگی، اور اسی طرح جو سطح فوق البصر ہوگی وہ سب سے پست نظر آئیگی۔

(۹) حد واحد کی تحت البصر مقدارون مین جو زیادہ دور ہوگی، وہی سب سے زیادہ نزدیک والی مقدار سے اعلی نظر آئیگی۔

(۱۰) اگر ہم کسی کرہ سے آنکھ کو قریب کرکے دیکھنا چاہین، تو شے مرئی بہ نسبت سابق کے اول نظر آئیگی گو ہم اُس کو اعظم سمجھتے ہون۔

(۱۱) اشکال قائم الزوایا دور سے مستدیر نظر آتے ہین۔

(۱۲) دونون آنکھون کے مابین اگر قطر کرہ کے برابر ہو تو نصف کرہ نظر آئیگا، بڑا ہو تو نصف سے بڑا، اور چھوٹا ہو تو نصف کرہ سے چھوٹا نظر آنا چاہیے۔

مسلمانون نے مناظرین: سویں صدی عیسوی مین نظر کی اور علی بن منصور قزوینی، ابو علی الحسن بن الحسن، ابن ہیثم بحرانی وغیرہ علما نے دقیق اجتہادات سے اسمین علم کی حیثیت پیدا کردی ور ایک ایسا فن مرتب کیا جسپر آجکل بہت سے علوم و فنون کا مدار ہے۔ یونانیون مین روشنی کا مسئلہ

نا شخص تھا اور کوئی ٹھیک رائے نہین قائم ہوئی تھی کہ روشنی کیا چیز ہی۔ مسلمانون نے قریباً سنہ ۱۰۰۰ع مین اس کی تحقیقات کی چنانچہ فاضل قزوینی لکھتے ہین:

ومن ذلك انهم خبطوا خبط عشواء في ماهية النور وحقيقته وانما هو احساس للعين يحدث عن الاضواء باهتزاز الهواء الصافي و امواجه المقاوم بعضه بعضا (انعكاس اشعاع صفحہ ۳)	یونانیون نے روشنی کی ماہیت وحقیقت مین سخت غلطی کی۔ روشنی ایک قسم کا نورانی احساس ہی جو آنکھ کو ہوائے صافی کی حرکتون اور موجون سے جو ایک دوسرے کا مقابلہ کرتی رہتی ہین محسوس ہوتی ہی۔

اُن دنون ہوائے صافی کی نورانی موجون سے احساس کا نام روشنی تھا، لیکن اب اسکو یون سمجھنا چاہیے کہ زمین اور سیارون کے مابین جو فضا ہی وہ نہ خالی ہی اور نہ ہوا سے موجودہ سے معمور ہی۔ اُسمین دراصل ایک خاص قسم کی لطیف اور لچکدار ہوا بھری ہوئی ہی جس کو اہل یورپ "ایتھر" اور اہل عرب "اثیر" کہتے ہین۔ ایتھر مین اتنی لطافت ہوتی ہی کہ ٹھوس چیزون کے ذرات بھی اُس کے نفوذ کو مانع نہین ہوسکتے، اجرام نورانی سے اُسمین تموج پیدا ہوجاتا ہی؛ اور وہی موجین جب ہماری آنکھون سے آکر لگتی ہین تو اُن کے تصادم سے ایک قسم کا احساس پیدا ہوتا ہی جس کا دوسرا نام "روشنی" ہی۔ روشنی کی موجین فضا مین موجود ہین مگر ہم کو وہ اُسی وقت محسوس ہونگی جب آنکھ سے آکر تصادم ہو۔

الشئی بالشئی یذکر۔ بات مین بات نکل آئی ہی۔ روشنی کے متعلق سنہ ۱۶۷۲ع مین نیوٹن نے دریافت کیا تھا کہ: روشنی مختلف رنگون کا مجموعہ ہی، اور یہ رنگ تعداد مین سات ہوتے ہین۔ اس انکشاف کا فخر دراصل فلاسفۂ اسلام کو حاصل ہی، مسلمانون نے کئی صدی پیشتر اس مسألہ کو دریافت کرلیا تھا اور اسی بنا پر عوام مین مشہور تھا کہ "بہت سے رنگون کے اجتماع سے سب رنگ زائل ہوجاتے ہین اور اصلی رنگ سفید عود کر آتا ہی"۔ نیوٹن نے رنگون کی تعداد البتہ ایک نئی بات بتائی، لیکن

وہ ایک سرسری بات تھی۔ رنگون کی تعداد اس سے کہین زیادہ ہی۔

انتشار شعاع سے قدما بالکل ناواقف تھے، مسلمانون نے دریافت کیا کہ "شعاعین جب کسی کثیف شے مین ہوکر گزرتی ہین تو منتشر ہوکر ترچھی ہوجاتی ہین" اس دریافت کی صورت یہ ہوئی کہ ایک دن حکیم ابوعلی الحسن ابن الحسن بیٹھے ہوے تھے اور سامنے ایک طشت مین پانی بھرا ہوا تھا۔ ابوعلی نے بطور تفریح طبع ایک پتلی لکڑی لے کر اُسکا نصف حصہ پانی مین ڈبودیا اور نصف باہر رکھا، جو حصہ پانی کے اندر تھا وہ ترچھا نظر آتا تھا۔ اس تجربہ سے اُسکو معلوم ہوا کہ لکڑی کا عکس پانی سے باہر نکلنے پر ترچھا نظر آتا ہی اور یہی نہین بلکہ ہواے محیط کی کثافت کی وجہ سے آفتاب و ماہتاب کی شعاعین بھی آتے آتے ترچھی ہوجاتی ہین، اور یہی سبب ہی کہ غروب ہونے کے بعد اور طلوع سے پہلے بھی آفتاب نظر آتا ہی۔ لیکن ہواے لطیف (ایتھر) مین شعاعین بدستور سیدھی رہتی ہین اور سیدھی ہی نظر بھی آتی ہین

اہل یورپ نے اس بنیادی قاعدہ پر عالیشان عمارت طیار کی اور بہت دن کی تحقیقات کے بعد دریافت کیا کہ ہوا سے نکل کر پانی مین ہوکر جو شعاعین گزرتی ہین وہ ایسے دو افقی خطوط مین منتشر ہوجاتی ہین، جن مین چار اور تین کی نسبت ہوتی ہی۔ یہ قاعدہ ۱۶۲۱ع مین اسنیلیوس صاحب نے دریافت کیا تھا اور اسی نسبت سے اُسکو "اسنیلز لا" کہتے ہین۔

بیٹشا پورنا یورپ مین مناظر و مرایا کا ایک مجتہد تھا، لیکن اُسنے مختلف مباحث مین ابوعلی کی تقلید کی ہی اور ایک سے زیادہ مسائل مین اُس کی تحقیقات علماے اسلام کی رایون پر مبنی ہی۔ ابوعلی کی راے تھی کہ "اگر کسی تاریک مکان کی کھڑکی کھول دیجاے اور اُسمین آفتاب کی چمکدار شعاعین

لہ ناظرین اس موقع پر رسالہ اجتہاد نمبرہ بابت ماہ مئی ۱۹۰۸ع ملاحظہ فرمائین۔ یہ رسالہ ترکش ینگ پارٹی کے اہتمام سے پیرس مین شائع ہوتا ہی اور سلیم فارس آفندی اس کے اڈیٹر ہین ۱۲

پڑتی ہین تو باہر کی چیزون کا عکس کھڑکی کے سامنے والی دیوار پر اُلٹا نظر آئے گا، جسکا سبب انتشار شعاع ہی"۔ یورپ مین یہ دریافت اسی قدر اہمیت سے دیکھی گئی کہ ۱۵۰۰ء مین پورٹا نے اسی انکشاف کی بنا پر "کیمیرا اوبسکیورا" ایجاد کیا۔

یونانیون کا خیال تھا کہ چیزون کا عکس صرف آنکھ پر پڑتا ہی۔ فاضل قزوینی نے اس وہم کو ذیل کے الفاظ مین غلط ثابت کیا۔

وکانوا یزعمون ان الاشیاء تنعکس علی العین فقط والحقیقۃ انہ یمتد منہا الی الدماغ (کتاب انعکاس الشعاع صفحہ ۵)	پرانی سمجھتے تھے کہ چیزون کا عکس صرف آنکھ پر پڑتا ہی، حالانکہ حقیقت یہ ہی کہ آنکھ سے ہوکر عکس دماغ تک چلا جاتا ہی۔

موجودہ مذاق کے مطابق اس مسالہ کی تشریح یون ہی کہ مثلاً ایک چیز ہمارے نزدیک رکھی ہوئی ہی، آفتاب کی روشنی جب اُس پر پڑیگی تو اُسکا عکس پردہ چشم پر پڑکر دماغ تک پونہچ جائیگا، کیونکہ غرفہ دیوار کی طرح ثقبہ چشم بھی آئینہ دار شعاع ہی، جس طرح غرفہ دیوار کے آگے ایک محدب شیشہ لگا دو تو روشنی کا عکس صاف پڑیگا، اُسی طرح ثقبہ چشم کے آگے بھی ایک محدب پردہ ہوتا ہی۔ روشنی کی شعاعین جب اس پردہ کے اندر پونہچین اور آنکھ کے تل سے گزر چکین، تو آنکھ کے پردۂ اول پر ایک تصویر کھینچ جاتی ہی، اور وہان سے اُسی رگ کے ذریعہ جس کو قوت باصرہ تفویض ہی دماغ تک پونہچ جاتی ہی۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہی کہ آنکھین دو ہین، اور ہم دونون آنکھون سے دیکھتے ہین، اور روشنی کا عکس بھی دونون آنکھون پر پڑتا ہی، چاہیے کہ چیزین بھی (ایک ہی آن مین) دو نظر آئین۔ یہ مسالہ ایک زمانے مین بڑا معرکۃ الآرا تھا اور بہت سے اہل فن اس کے سلجھانے مین متوجہ تھے۔ حکیم ابن حسن نے اس کی وجہ یہ لکھی ہی۔

وھذا ایضا فریۃ فان الشئی کما ینعکس علی عین واحدۃ ینعکس علی الاخری ایضا (انعکاس الشعاع قزوینی صفحہ)	یہ بھی ایک وہم ہے کیونکہ ایک چیز کا عکس جسطرح ایک آنکھ پر پڑے گا اسی طرح دوسری آنکھ پر بھی پڑے گا ۔

یہ جواب نہایت صحیح اور کافی تھا، لیکن ایک بات پھر بھی باقی رہ گئی تھی، اب یہ اعتراض تھا کہ محدب شیشہ کو مناسب فاصلہ پر رکھکر اگر دیکھیں تو چیزیں کیوں معمولی حجم سے بڑی نظر آتی ہیں ؟ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ آنکھ کے پچھلے پردہ پر مرئیات کے نقطۂ شعاعی (فوکس) کی تصویر کھنچ جاتی ہے اور گو شعاعیں محدب شیشہ کی وجہ سے منحرف اور منتشر ہوجاتی ہیں لیکن آنکھ میں پونہچکر سیدھی ہی نظر آتی ہیں ترچھی نظر نہیں آتیں ۔

ان چند جزئی مثالوں سے مناظر کے متعلق اسلامی انکشافات پر احاطہ بیشک نہیں ہوسکتا لیکن ، این ذرہ ز خورشید نشانی دارد ، یہی معمولی باتیں بتا رہی ہیں کہ تحقیقات میں مسلمانوں کا کیا بلند اور غیر معمولی پایہ تھا اور اُنکی نکتہ سنج طبیعتیں بات میں کیا بات پیدا کرتی تھیں ،

سلیم فارس نے لکھا ہے کہ یونانیوں کو بیشتر یہ نہیں معلوم تھا کہ : جب نظر نیچی ہو ، زمین کی طرف دیکھ رہے ہوں اور آفتاب کی طرف نظر نہو ، اُسوقت روشنی کیوں نظر آتی ہے ؟ ۔ اس مسائلہ پر صرف مسلمانوں نے روشنی ڈالی اور ثابت کر کے بتا دیا کہ ہرچند آفتاب سے روشنی کی موجیں نکل کر زمین پر پونہچتی ہیں اور ابتداءً آنکھ سے نہیں ٹکراتیں ، لیکن زمین ایک ٹھوس جسم ہے ، موجیں اُس کے پار نہیں جاسکتیں ، اکثر واپس لوٹ آتی ہیں ، اور اب آنکھوں سے تصادم ہوکر روشنی کا احساس ہوتا ہے

خادم قوم

عبد اللہ عمادی

ابن ابی دواد ابو عبداللہ احمد ابن ابی دواد[1]

عہد بنو عباس کے مشہور و ممتاز قاضی تھے۔ انکا علم و فضل تشریح و بیان کا محتاج نہین۔ اپنے زمانے مین قبولیت عامہ اور ہر دلعزیزی جیسی انھین نصیب ہوئی کسی کو نہ تھی۔ مامون، معتصم، واثق اور متوکل چار خلیفون کا زمانہ پایا۔

زمانہ شباب مین انکی جاہ و ثروت روز افزون تھی لیکن آخر زمانہ نہایت تنگی سے بسر ہوا اوسط عمر کے ایام بموجب خیر الامور اوسطھا بڑے مزے مین گزرے۔

بعض اعزاز انھین ایسے حاصل تھے کہ انکے اقران و امثال مین کسی کو نصیب نتھے ابن خلکان کہتے ہین کہ "احمد کو جس زمانے مین خلیفہ کا تقرب حاصل ہوا اسکے قبل دربار کے دستور کے موافق کوئی شخص گفتگو مین مبادرت نہین کر سکتا تھا۔ حاضرین و مقربین مودب و خاموش منتظر رہتے تھے کہ خلیفہ گفتگو کا سلسلہ شروع کرے تو عرض معروض کیجاے۔ احمد کا یہ سوخ ہوا کہ انکو اسکی پابندی نہ رہی جب چاہتے گفتگو کرتے تھے، ابناے جنس مین یہ خصوصیت انھین کو حاصل تھی۔

شہرستان قنسرین مین ۱۶۰ھ ہجری مین پیدا ہوے۔ جب جوان ہوے تو اپنے باپ کیساتھ (جو تجارت کے لیے شام جاتے تھے) دمشق پہنچے۔ یہان ہیاج بن علاء سلمی جو واصل بن عطا معتزلی کے اصحاب مین شمار کیے جاتے ہین درس دیا کرتے تھے۔ ابن ابی دواد نے مقیم ہو کر انھین کے

[1] ماخوذ از ترجمہ نامہ دانشوران، مترجمہ مولوی ریاض حسن صاحب خیال۔

میں علوم و فنون کی تحصیل و تکمیل شروع کی۔ ہر فن کے حصول میں بڑی محنت کرتے تھے خصوصاً فقہ و حدیث کے اخذ میں کوشش کا پورا حق ادا کیا اور وہ کمال حاصل کیا کہ آج تک مشہور ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ۲۰۲ھ ہجری میں مامون الرشید نے خراسان سے یحییٰ بن اکثم کو بصرہ کا قاضی مقرر کر کے بھیجا جب وہ وہاں پہنچے۔ تو اپنی کم سنی کے باعث ان کو خیال ہوا کہ کوئی ایسی بات نہ ہو کہ لوگوں کو حرف گیری کا موقع ملے اہل علم و ادب کا ایک گروہ اپنی مصاحبت میں رکھا انھیں میں ایک ابن ابی دواد بھی تھے۔

۲۰۴ھ ہجری میں مامون الرشید جب دار السلام بغداد میں آیا۔ یحییٰ بن اکثم کو فرمان بھیجا کہ تمہارے اصحاب و احباب میں جو لوگ صاحب فضل و کمال ہوں انکو انتخاب کر کے بھیجدو کہ جب مذاکرۂ علمیہ ہو میری مجلس میں حاضر رہا کریں۔ یحییٰ نے بیس آدمیوں کو چنا، پھر بیس میں دس کو انتخاب کیا، پھر دس میں پانچ کو مخصوص کیا، ان سب میں ابن ابی دواد شامل تھے۔

جب سے مامون کی مجلس میں داخل ہوئے ہمیشہ علما کے ساتھ حاضر ہوا کرتے تھے اور ہر مرتبہ ظہور فضل و کمال کی وجہ سے انکی قدر بڑھتی جاتی تھی۔ رفتہ رفتہ بعضوں سے انکا رتبہ بڑھ گیا بعض لوگوں نے انکے رسوخ کیوجہ اور لکھی ہے، خود ابن ابی دواد سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے کہا کہ ایک دن فقیہوں کی ایک جماعت کے ساتھ میں یحییٰ بن اکثم کی مجلس میں حاضر تھا ناگاہ ایک شاہی چوبدار آیا۔ اور اُسنے خلیفہ مامون الرشید کیجانب سے یحییٰ کو پیغام دیا کہ آپ خود ان علما کے ساتھ جو موجود ہیں بارگاہ خلافت میں حاضر ہوں یحییٰ فوراً اُٹھے اور باوجودیکہ مجھے ساتھ لیجانے میں وہ خوش نہ تھے لیکن ہمراہ لیگئے۔ ہم لوگ مامون کے سامنے پہنچے اور بیٹھے۔ ایک لحظہ کے بعد مامون نے ایک مسئلہ چھیڑ دیا حاضرین مناظرہ و مباحثہ کرنے لگے جب چپ ہو گئے میںنے گفتگو شروع کی۔ میری تقریر خلیفہ کو بہت پسند آئی۔ اظہار شفقت کے لیے

میری طرف متوجہ ہوکر میرا نام ونسب دریافت کیا میںنے بیان کیا۔ پھر خلیفہ نے پوچھا کہ ابتک اس مجلس مین شریک کیون نہین ہوئے تھے؟ (ابن ابی دواد کہتے ہین) اصل حال کہتے ہوے کہ یحییٰ کو میری تسرفیابی منظور نتھی مجھے لحاظ ہوا۔ مینے معذرۃً کہا حبسہ القدر بلوغ الکتاب اجلہ (یعنی مقدر نے دیرلگائی) خلیفہ نے فرمایا کہ اب مین بطریق حکم خلافت قاعدہ مقرر کرتا ہون کہ اب سے جہان اور جب علماء میرے حضور مین جاتے ہون تمہین بھی آناچاہیے۔ مینے بسروچشم قبول کیا۔

ابراہیم بن حسن کا بیان ہے کہ لیلۃ العقبہ مین جن انصاریون نے رسول اللہ صلعم سے بیعت کی تھی، ایک مرتبہ انکا تذکرہ مامون کی مجلس مین ہورہا تھا ہر شخص اپنی تحقیق کے موافق انکے نام وتعداد کی تفصیل بیان کرتا تھا آخر مین احمد بن ابی دواد بھی پہنچگئے اور اس گفتگو کے سنتے ہی ان انصاریون مین سے ایک ایک کا نام اورکنیت بلاغور وفکر بیان کردی مامون بہت خوش ہوا اور کہا کہ جو شخص دانشمندون کے فیض کا خواہان ہو وہ ابن ابی دواد کو اپنی مصاحبت مین رکھے ابن ابی دواد نے کہا کہ جس دانشمند کو تقرب سلطانی کی آرزو ہو وہ حضور کی بارگاہ مین حاضر رہے کہ جو بات نہ جانتا ہو اُسکو سیکھ جائے اور جو کچھ جانتا ہو وہ اپنے سے زیادہ جاننے والے کے حضور مین عرض کرے۔

مشہور ہے کہ مامون الرشید نے اپنے ولیعہد اور بھائی معتصم کو وصیت کی تھی کہ احمد بن ابی دواد کو کبھی اپنے سے جدا نہ کرنا انجام مہمات مین ان سے مشورہ لیا کرنا اور جو وہ کہین اُسکو قبول کرنا اگر میری اس وصیت پر عمل کروگے اور اُنکے مشورہ کے خلاف نہ چلوگے تو کبھی خطا نہوگی اور عمر بھر کسی دوسرے امیر یا وزیر کی محتاجی نہ رہے گی۔

سنہ ۲۱۸ ہجری مین جب مامون کا انتقال ہوگیا اور معتصم نے مسند خلافت پر جلوس فرمایا تو یحییٰ بن اکثم کو معزول کرکے انکی جگہ احمد بن ابی دواد کو قاضی القضاۃ مقرر کیا اور محمد بن عبدالملک زیات کو صدر اعظم بنایا۔ کل انتظامات ملکی وملی انہین دونون دانشمندون کے سپرد کیے۔

ابن ابی دواد کا تقرب معتصم کی بارگاہ مین سبھون سے بڑھا ہوا تھا ابن خلکان لکھتے ہین حتی
کان لا یفعل فعلا باطنا و لا ظاہرا الا برائہ "یہانتک کہ خلیفہ کوئی کام باطنا و ظاہرا بغیر ان کی
صلاح کے نہین کرتا تھا" اسی وجہ سے ابن زیات وان مین شکر رنجی تھی، خلیفہ سے دونون ایک
دوسرے کی شکایت کیا کرتے تھے۔

کتابون مین مذکور ہے کہ ابن ابی دواد کی تقریر ایسی جادو بھری ہوتی تھی کہ جس بات کو وہ لوگونسے
کہتے سب بطوع و رغبت قبول کر لیتے تھے۔ ابن ابی دواد کا مقولہ تھا کہ مین ابن زیات کے سامنے خلیفہ
سے کبھی عرض حاجت نہین کرتا کہ مبادا وہ میرے طرز بیان کو سیکھکر خلیفہ کے قلب کو تسخیر نہ کر لے۔

ایک دفعہ میمون بن ضحاک شاعر نے ایک متکلم سے کہا کہ احمد بن ابی دواد ہم شاعرون کے نزدیک
علم ادب اور لغت سے واقف نہین، تم متکلمون کے نزدیک وہ اصول عقائد نہین جانتا اور فقہا اسکو
فقیہون مین شمار نہین کرتے لیکن جب وہ معتصم کی مجلس مین جاتا ہے اپنے کو ایسا دکھاتا ہے کہ گویا
ہر علم و فن پر محیط ہو رہا ہے۔

ہارون بن اسمعیل کا بیان ہے کہ معتصم جیسا ابن ابی دواد کا معتقد تھا مینے کسی کو ایسا معتقد
کسی سے نہین دیکھا۔ معتصم کو ادنے ادنے چیزون کے دینے مین بھی مضائقہ ہوتا تھا۔ مگر ابن ابی دواد
جسوقت آتے، اپنے یگانون، متوسلون، بیت اللہ کے مجاورون، روضۂ نبوی کے خادمون اور مشرق
و مغرب کے رہنے والون کے لیے سفارش کرتے اور معتصم کو انکے کہنے کے ساتھ ہی ہزارون کے
خرچ مین بھی کبھی تامل نہوتا تھا۔ ایک دن خراسان مین نہر بنانے کی سفارش کی، جسمین دس لاکھ کا صرف تھا
معتصم نے انکار کیا، کہا کہ اسقدر دور دراز ملک مین نہر اگر نہ بنے گی تو میرا کیا نقصان ہوگا۔ ابن ابی دواد
نے کہا امیر المومنین! خدا وند تعالے جیسا کہ آستان خلافت کے باشندون کے حقوق کو دریافت فرمائیگا
ویسا ہی تمام رعایاے ممالک محروسہ کی حاجت روائیون کے بارے مین پوچھے گا، خدا نے اپنی

عام مخلوق کو آپکے سپرد کیا ہے؛ کالے، گورے، پاس رہنے والون، دُور افتادون کا آمین اپتا ہے، نہین اگر حضور نہر بننے کا حکم دیدین تو اس ایک حکم سے کئی فائدے ہونگے، ابدالآباد تک صدقہ جاریہ کا ثواب پہنچا کریگا، ملک کا استحفاظ ہوگا، پیداوار بڑھے گی خلق اللہ کا نفع ہوگا اور خلایق مین نیکنامی ہوگی" لازون کا بیان ہے کہ احمد جب کہکر چپ ہوے، معتصم نے فوراً حکم دیا اور اسقدر مبلغ خطیر کا صرف بے توقف منظور کرلیا۔

مسعودی نے مروج الذہب مین لکھا ہے کہ ایک دن صبح کو ایک کوشک مین معتصم نے صحبت عیش وعشرت منعقد کی اور اپنے ندیمون کو حکم دیا کہ ہر شخص اپنے گھر سے کچھ کھانا پکوا کر ساتھ لائے جسکو جو غذا مرغوب تھی خوب عمدہ پکوا کر لایا رنگ برنگ کے کھانے وہان چُنے گئے۔ اس اثنا مین خلیفہ کی نظر ابن ابی دواد کے غلام سلام پر پڑی۔ خلیفہ نے کہا مین جانتا ہون اسوقت قاضی القضاۃ آئینگے اور شفاعتون اور عرض حاجات کی کثرت سے میری مجلس کو منغص کر دینگے، فلان ہاشمی کی پریشانی، فلان قریشی کی مصیبت اور فلان انصاری کی گرفتاری کا حال مجھسے کہینگے۔ ہم تم لوگون کو گواہ رکھتے ہین کہ آج ہم اُنکی ایک سفارش بھی قبول اور ایک حاجت بھی پوری نہ کرینگے، اتنے مین ایتاخ حاجب آیا اور ابن ابی دواد کے آنے کی اطلاع دیکر باریابی کی اجازت چاہی۔ خلیفہ نے حاضرین سے کہا لکھو میری پیشین گوئی کیسی صحیح نکلی؛ سبھون نے عرض کی بہتر ہے کہ اجازت نہ دی جائے اور وہ اسوقت رخصت کر دیے جائین۔ معتصم نے کہا "افسوس ہے کہ تم لوگون کا ایسا خیال ہے، اگر ایک برس مین بخار مین مبتلا رہون تو وہ مجکو زیادہ گوارا ہے بہ نسبت اسکے کہ اُنکو واپس کر دون" الغرض۔ ابن ابی دواد آئے اور سلام کرکے اپنی جگہہ پر بیٹھ گئے گفتگو شروع ہوئی اور مزہ دار مزہ دار حکایتین بیان کرنے لگے اپنی شیرین زبانی اور بذلہ سنجی سے تمام مجلس کو شگفتہ کر دیا۔ خلیفہ کا بھی تکدر جاتا رہا اور بکشادہ پیشانی اُنکی طرف متوجہ ہوکر کہا کہ قاضی صاحب! آج ان لوگون مین سے ہر شخص کچھ کھانا پکا کر لایا ہے

کرکو نسا مجھے پسند ہوتا ہی. لیکن مین جس طرح تصنایا مین آپکی راے کو مسلم جانتا ہون اُسی طرح کھانے مین بھی آپکا مذاق صحیح سمجھتا ہون۔ ہر کھانے کا مزہ چکھیے اور ہر شخص کی اُستادی کو بتلائیے. قاضی صاحب نے ایک برتن نزدیک کھینچکر کھانا شروع کیا اور پوری ایک آدمی کی خوراک کھا گئے۔ خلیفہ نے کہا قاضی جی آزمایش کا طریقہ یہ نہین ہی، ایک ہی کھانے سے آپنے اسقدر پیٹ بھر لیا کہ اور کھانون کی جگہہ نہین رہی ہو گئی مجبوراً پہلی ہی ہانڈی کو پاس کیجیے گا۔ قاضی صاحب نے کہا امیر المومنین! ایسا خیال نفرمائیے مین ہر کھانا اتنی ہی مقدار مین کھاؤنگا۔ معتصم ہنس پڑا اور کہا خیر، اپنا کام کیجیے۔ قاضی صاحب کو جب سب کھانون سے فراغت ہو گئی تو تعریف شروع کی کہ فلان دیگ کا پکانے والا نہایت قابل ہی کہ زیرہ تھوڑا ڈالا اور گول مرچ زیادہ دی ہے اور فلان دیگ کے پکانے مین یہ اُستادی خرچ کی گئی کہ سرکہ زیادہ ڈالا گیا ہی اور روغن زیت کم ہے گویا اعتدال کی حقیقت اس دیگ مین موجود ہی غرض اسی طرح ہر کھانے کی تعریف اور پکانے والے کی توصیف جدا جدا کرتے گئے کہ جلسہ والے خوش ہو گئے۔ جب خلیفہ اور ندما کھانے مین مشغول ہوئے تو قاضی صاحب بھی شریک ہو گئے مگر اس طرح، کہ کبھی تو کھانے مین تساہل ہوتے اور کبھی اکولون اور بسیار خوارون کا قصہ بیان کرتے معاویہ بن ابی سفیان، عبیداللہ بن زیاد، حجاج بن یوسف، سلیمان بن عبدالملک، حاتم کیاد، اسحق حامی وغیرہ کی نقلین سُناتے رہی۔ جب دستارخوان بڑہایا گیا تو معتصم نے پوچھا قاضی القضاۃ صاحب اگر کوئی حاجت ہو تو بیان کیجیے انشاءاللہ تعالےٰ درخواست قبول ہوگی قاضی صاحب نے کہا امیر المومنین! سلیمان بن عبداللہ نوفلی آپکے متوسلین مین ہی اُسکا زمانہ اندنون موافق نہین رہا اگر اُسکی پریشانی بے کم وبیش عرض کرون تو کمین دل افسردہ نہو جائے۔ خلیفہ نے کہا اُسکو پریشانی کی فکر نہ کیجیے اصلاح حال کے لیے جو کچھ درکار ہوگا مین دونگا۔ ابن ابی دواد نے کہا پچاس ہزار درم چاہئین خلیفہ نے کہا تمہاری خاطر سے منظور کرتا ہون۔ اب اور کیا مطلب ہی

انھون نے عرض کی کہ ہارون بن معمر کا لگان معاف کردیا جائے۔ خلیفہ نے کہا معاف کردیا اور جو کچھ کہنا ہو کہئے۔ راوی کہتا ہے خدا کی قسم ابن ابی دواد اسوقت تک اُس مجلس سے نہ اُٹھے جبتک کہ تیرہ باتون کی درخواست نہ کی اور معتصم نے سب کو قبول و منظور نہ کیا۔ پھر ابن ابی دواد نے اسطرح دعا و ثنا کی۔

یا امیر المومنین عمرک اللہ طویلا ودبعرک تخصب جنات رعیتک ویلین عیشہم وتنموا اموالہم ولا زلت ممتعا بالسلامۃ محبوا بالکرامۃ مدفوعا عنک نوائب الایام۔	امیر المومنین بخدا آپکی عمر دراز کرے کیونکہ آپکی سلامتی کے بدولت رعایا کی باغ اُمید سرسبز ہین اور عیش و عشرت فروزی اور اُنکی دولت کو ترقی ہو آپ ہمیشہ سلامت با کرامت رہین مکروہات زمانہ آپکے گرد بھٹکنے نہ پائین۔

جب احمد ابن ابی دواد اُٹھکر چلے گئے تو معتصم نے کہا خدا کی قسم یہ وہ شخص ہے کہ آدمی کو آدمی بنا دیتا ہے اسکی صحبت دل کو شگفتگی بخشتی ہے کئی ہزار آدمیون کے برابر یہ اکیلا شخص ہے، تم لوگون نے دیکھا کیونکر آیا اور کیسی میٹھی میٹھی باتین کین، کس چرب زبانی سے کھانون کی تعریف کی اور اپنی بذلہ سنجی سے کیسا اچھی خوش کیا۔ اسکی حاجتون کو کوئی رد نہین کرسکتا، مگر وہ شخص جسکی فطرت پست واقع ہوئی ہو، خدا جانتا ہے کہ اگر وہ اسوقت ایک کرور درہم کے برابر بھی مجھسے درخواست کرتا تو مین دیدیتا، کیونکہ مین اچھی طرح جانتا ہون کہ اسکی باتون کا قبول کرنا دُنیا مین میری نیکنامی اور آخرت مین بھلائی کا باعث ہے۔

کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ لوگون نے معتصم سے محمد بن جہم برمکی کی شکایت کی اور خیانت کی تہمت لگائی۔ معتصم نہایت برہم ہوا اور خفا ہوکر محمد بن جہم کی گردن مارنے کا حکم دیا۔ جلاد نے دوڑکر نطع بچھایا اور محمد بن جہم کو بٹھاکر سر پکڑا اور تلوار کھینچی۔ ابن ابی دواد موجود تھے۔ یہ بہت گھبرائے

کہ ندامت کا موقع نکل گیا نہ الحاح وزاری کے لیے وقت ہے نہ شفاعت کے لیے۔ فوراً کہا کہ امیر المومنین اگر آپ محمد کو قتل کر دینگے تو اُسکے مال سے بقایا کیونکر وصول ہوگا۔ معتصم نے طیش مین آکر کہا اس خائن نابکار کے اور میرے درمیان مین کون سی چیز حائل ہوگی؟ اُنھون نے کہا خدا کا حکم، رسول اللہ کی شریعت اور امیر المومنین کا عدل۔ کیونکہ محمد کے قتل ہوتے ہی شرع محمدی کے موافق کل متروکہ وارثون کا حق ہو جائے گا۔ اُسکی خیانت اور دوسرون کا استحقاق ثابت کرنے کے لئے بہتر ہے کہ آپ اُسکے قتل سے درگزر فرمائین اور اُسکو قید خانہ مین بھیجکر مقدمہ قائم کرین جب گواہون کی عادلانہ شہادت سے خیانت ثابت ہو جائے تو وصول کرین۔ معتصم نے اس رائے کو پسند کیا اور اُسکا قتل موقوف کیا۔ آخر بسبیل مصادرہ ایک کثیر رقم اُس سے وصول ہوئی اور اُسنے ہلاکت سے نجات پائی۔

جاحظ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ معتصم جزیرۂ فرات کے کسی شخص پر خفا ہوا اور اُسکے قتل کا حکم دیا۔ احمد ابن ابی دواد نے فوراً کہا یا امیر المومنین سبق السیف العذل (امیر المومنین ملامت اور نکوہش سے تلوار سبقت لے گئی) تھوڑا صبر کیجیے جلدی نفرمائیے۔ یہ آدمی مظلوم ہے معتصم اُنکی طرف مخاطب ہوگیا۔ احمد ابن ابی دواد نے اپنی چرب زبانی سے خلیفہ کو بالکل اپنی طرف متوجہ کر لیا اور اُسکی بے جُرمی کا حال شرح وبسط کے ساتھ بیان کرنے لگے جس سے خلیفہ کا غصہ قدرے کم ہوگیا۔ احمد کا خود بیان ہے کہ اُسوقت پیشاب کرنے کی مجھے ایسی سخت ضرورت تھی کہ اُسکا روکنا طاقت بشری سے باہر تھا، مگر مین ڈرتا تھا کہ اگر مین باہر جاتا ہون تو کہین وہ بیگناہ قتل نہو جائے۔ آخر مینے اسی مین بہتری دیکھی کہ وہین بیٹھا بیٹھا رفع حاجت کر لون غرض کسی طرح مینے کپڑون کو سمیٹ کر ضرورت رفع کر لی اور اُس مظلوم کی خلاصی کی یہان تک کوشش کی کہ خلیفہ نے جان بخشی فرمائی۔ جب رخصت ہو کر مین چلنے لگا معتصم کی نظر میرے بھیگے ہوے کپڑے پر پڑی۔ پوچھا کہ جہان تم بیٹھے ہوے تھے کیا وہان پانی گرا ہوا تھا؟

ہومش کی، نہین امیرالمومنین! ضرورت مجھپر اسقدر غالب آئی کہ مین ضبط نکرسکا مجھے خوف تھا کہ اگر مین اُٹھا تو کہین اُس بیچارے کی گردن نہ ماری جائے اسلئے مینے اپنے لباس کو گندگی مین آلودہ ہونے دیا معتصم ہنس پڑا اور بولا احسنت بارک اللہ علیک (اچھا کیا، خدا تمھین برکت دے) پھر بیش بہا خلعت ایک لاکھ درم کے ساتھ مجھے عنایت فرمایا۔

ابن ابی دواد کے واقعے معتصم کے ساتھ یون تو بہتیرے ہین مگر افشین ترک اور ابودلف عجلی کا واقعہ نہایت عجیب اور دلچسپ ہے جسے ملک او دانشمند وزیر علوم نے اخبار متنبین مین تاریخ بیہقی سے نقل کیا ہے مین بھی تبعاً اُسی کی عبارت مین لکھتا ہون احمد کا بیان ہے کہ معتصم کے زمانے مین ایک شب آدھی رات کو میری آنکھ خود بخود کھل گئی مینے بہت کوشش کی کہ دوبارہ نیند آجائے مگر نہ آئی۔ جی نہایت گھبرانے لگا عجب طرح کی دل کو پریشانی معلوم ہوتی تھی جسکا کوئی سبب نظر نہین آتا تھا۔ سوچ مین تھا کہ کیا کرون کیا نکرون۔ آخر سلام نامے اپنے غلام کو جو ہر وقت میرے پاس رہتا تھا پکار کر گھوڑا طیار کرا دینے کا حکم دیا۔ اُسنے کہا کہ جناب! آدھی رات کا وقت ہے اگر آپ کو خلیفہ کے حضور مین جانا ہے تو کل آپ کی باری نہین ہے۔ خلیفہ فلان شغل مین مشغول ہوگا، باریابی کی اجازت نہ ملیگی۔ اور اگر کسی دوسری جگہہ کا قصد ہے تو اسکا بھی وقت نہین ہے۔ مین سمجھا کہ سچ کہتا ہے اسلئے چپ ہو رہا، مگر کسی صورت میرے دل کو قرار نہین آتا تھا اور جی گواہی دیتا تھا کہ ہو نہو کوئی ضروری کام درپیش ہے۔ آخر، مین اُٹھا اور خدمتگارون کو بلایا شمع روشن کیگئی۔ حمام مین جاکر اچھی طرح منھ دھویا پھر بھی تسکین نہوئی پھر حمام سے باہر آکر کپڑے پہنے اور ایک گدھے پر سوار ہوکر چل نکلا۔ یہ بھی مین نہین جانتا تھا کہ کہان جانا چاہیئے۔ آخر یہ سوچکر کہ خلیفہ کی درگاہ مین جانا بہتر ہے، اگرچہ یہ وقت نہین ہے مگر کیا مضائقہ، باریابی کی اجازت ہوگئی تو فبہا۔ ورنہ لوٹ آؤنگا۔ اتنا تو فائدہ ہوگا کہ یہ وسوسہ میرے دل سے

جو یعنی شہزادہ علی قلی میرزا ۱۲

نکل جائیگا۔ آستان خلافت پر پہنچا۔ حاجب کو خبر ہوئی اُسنے فوراً آکر پوچھا کہ کیسے کیا کام
ہے؟ اسوقت خلیفہ عیش عشرت مین ہین آپکا یہ وقت بھی نہین ہے۔ مینے کہا تمہارا کہنا درست ہے
لیکن تم اطلاع کردو اگر اجازت ہوئی تو ہوئی ورنہ واپس چلا جاؤنگا۔ غرض سینے پر ہاتھ رکھکر اطلاع کو
چلا گیا پھر آکر کہا کہ بسم اللہ اجازت ہے۔ اندر جاکر دیکھا تو خلیفہ کو نہایت انتشار مین پایا۔ مینے سلام کیا
خلیفہ نے جواب دیکر فرمایا "تمنے بہت توقف کیا۔ مین بڑی دیر سے تمہارا منتظر تھا"۔ مین یہ سنکر متحیر
ہوگیا اور عرض کیا کہ بہت خلاف وقت آیا۔ مین سمجھتا تھا کہ امیر المومنین کسی شغل مین مصروف ہین،
اسلئے تو باریابی کی اجازت مین بھی شبہ تھا۔ خلیفہ نے کہا "تمہین خبر نہین کہ کیا ہوا؟" عرض کی نہین
فرمایا انا للہ وانا الیہ راجعون! سنو سنو! اس مرد و نابکار ابوالحسن افشین نے ان دنون ایک
عمدہ خدمت انجام دی کہ بابک خرم دین کو جو مدت سے لڑتا تھا گرفتار کرلیا، اسلئے اُسپر مینے اپنی
شفقت اور عنایت مبذول کی اور اسکے درجے مین ترقی دی۔ افشین کی ہمیشہ سے یہ استدعا تھی کہ
ابو دلف قاسم بن کرجی عجلی پر اُسکو اختیار دیا جائے کہ اُسکا مال و متاع چھینکر اُسکو قتل کرڈالے
تم جانتے ہی ہو کہ دونون مین کیسی عداوت ہے۔ مینے ابو دلف کی قدامت کے لحاظ سے اور اس
خیال سے بھی کہ تم دونون مین بڑی دوستی ہے کبھی افشین کی درخواست منظور نہین کی مگر کل مجھے سہو ہوگیا
افشین نے چندبار استدعا کی اور مین انکار کرتا گیا جب اُسکا اصرار بہت زیادہ بڑھا تو منظور کرلیا۔ اب مین
نہایت متفکر ہون کہ ابو دلف غریب کو اس واقعے کی خبر نہین ہے، صبح ہوتے ہی لوگ اُسکو پکڑ لیجائینگے
اور افشین جو نہایت مشتعل ہو رہا ہے یقیناً قتل کرڈالیگا"۔ مینے کہا افسوس!!! امیر المومنین! یہ ایسا خون
ہے جسے اللہ تعالےٰ کبھی پسند نہین کریگا! حدیثین اور آیتین پڑھنی شروع کین۔ پھر کہا کہ ابو دلف حضور کا غلام
ہے اور شہسواران عرب سے ہے، یہ ظاہر ہے کہ اُسنے پہاڑی علاقے مین کیا کیا اور کیونکر اپنا سکہ
بٹھایا، حق تو یہ ہے کہ اُسنے اپنی جان لڑادی جب جاکر یہ تسلط ہوا۔ اگر یہ شخص قتل ہوجائیگا تو آپکی

متوسلین اور اقربا نچلے نہ بیٹھینگے اور بڑی شورش برپا ہوگی۔ خلیفہ نے فرمایا "اباعبداللہ! تمہارا کہنا صحیح ہی اور مین بھی سمجھتا ہون مگر افسوس ہے کہ یہ بات اختیار مین نہ رہی۔ کل افشین کو مینے زبان دیدی اور قسمین کھا کر عہد کیا کہ ابو دلف کو اُس سے نہ چھینونگا اور نہ کسی کو چھیننے کا اختیار دونگا"۔ مینے کہا، امیر المومنین! آخر اسکا کوئی علاج بھی ہے؟ فرمایا "اسکے سوا کوئی تدبیر نہین کہ تم خود ابھی افشین کی پاس چلے جاؤ اور اگر وہ اندر آنے کی اجازت نہ دے تو زبردستی مکان مین داخل ہو جاؤ اور الحاح وزاری کرو۔ مگر میری طرف سے کچھ نہ کہنا، وہ تمہاری عزت اور مرتبے کو جانتا ہے غالبًا تمہارا کہنا رد نہ کرے گا۔ اگر اُسنے سفارش سُن لی تو ابو دلف کی جان بچ جائے گی ورنہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ تقدیر اپنا کام کر چکی"۔

احمد کہتے ہین کہ خلیفہ سے یہ سُنکر میرے ہوش اُڑ گئے۔ وہان سے فورًا اُٹھا اور وزیر کے محل کیطرف چلا، میرے کچھ لوگ پہنچ گئے تھے، اُنھین اپنے ساتھ لیا اور دو تین سوارونکو دوڑا کر ابو دلف کے گھر بھیجا۔ مینے خود بھی گھوڑے کو تیز کیا گھوڑا نہایت تیزی سے جا رہا تھا کچھ پتا نہین ملتا تھا کہ آسمان پر جا رہا ہون یا زمین پر، طیلسان میری پشت سے گر گئی مگر مجھے خبر بھی نہوئی۔ صبح قریب ہو گئی تھی، خوف تھا کہ مبادا مین دیر مین پہنچون ابو دلف کا کام تمام ہو جائے جب مین افشین کے دروازے پر پہنچا، حُجّاب اور بوّاب دوڑے ہوئے حسب عادت میری پاس آنے۔ اُنکی دلی خواہش تھی کہ مجھے کسی بہانے سے واپس کر دین کیونکہ ایسے وقت مین میرا آنا افشین کو سخت ناگوار ہوگا۔ بہرکیف مجھکو اُتار کر مکان مین لیگئے اور پردہ اُٹھا دیا۔ مینے اپنے ہمراہیون سے کہدیا کہ دہلیز پر گوش بر آواز بیٹھے رہین۔ جب مین اندر پہنچا تو افشین کو صدر مین بیٹھا ہوا پایا۔ اُسکے سامنے شہ نشین کے نیچے نطع بچھا ہوا تھا جس پر ابو دلف کو صرف پائجامہ پہنے ہوئے ننگے بدن آنکھین بند کر کے بٹھایا گیا تھا ابو دلف اور افشین مین گفتگو ہو رہی تھی اور جلاد شمشیر برہنہ

ایسے سر پر کھڑا ہوا تھا کہ افشین کا اشارہ پاتے ہی ابودلف کا سر اڑادے۔ افشین کی نظر جب مجھ پر پڑی
آپے سے باہر ہوگیا، غصہ سے اسکی رنگت بدلنے لگی اگردن کی رگین تنگئین ہمیشہ اسکا دستور تھا
کہ جب مجھے دیکھتا قریب آکر سر جھکا دیتا، اسقدر کہ اسکا سر میرے سینے کے برابر ہو جاتا تھا۔ مگر آج
اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں۔ یہ میری بڑی توہین ہوئی لیکن مینے خیال نہ کیا۔ سوچا تھا کہ نہایت
اہم اور ضروری کام کو آیا ہون، افشین کی پیشانی پر بوسہ دیکر بیٹھ گیا۔ وہ میری طرف مخاطب نہوا۔
مینے صبر کیا اور کچھ تذکرہ شروع کیا کہ وہ ادہر مشغول ہو، جلاد کو حکم قتل کا نہ دے لیکن اُسنے کچھ بھی
توجہ نکی اب مین کھڑا ہو گیا اور دوسرا ذکر چھیڑا یعنی عجمیون کی تعریف کرنے لگا۔ کیونکہ افشین بھی عجمی
ہی تھا، عجم کو عرب سے بڑھا دیا، ہرچند مین جانتا تھا کہ یہ بڑی خطا ہی، مگر ابودلف کی جان بچانی
کے لیے ہر بات جائز تھی۔ اُسنے اسپر بھی کان نہ دیا۔ پھر مینے کہا کہ اے امیر امیری جان آپ پہ
فدا ہو، مین قاسم بن عیسیٰ کیلئے آیا ہون۔ شان رحیمی دکھلائیے، میری خاطر سے اُسکو بخشدیجئے
اسمین بڑا ثواب ہوگا۔ افشین نے غصہ ہوکر حقارت کے لہجے مین کہا کہ "نہ مینے بخشا اور نہ بخشونگا کل
امیرالمومنین نے اسپر مجکو اختیار کلی دیا ہے اور قسمین سخت سخت کھائی ہین کہ اس بارے مین مجھسے
کوئی تعرض نہ کرینگے۔ مدتون سے مجکو اسبات کی آرزو تھی اب کسی کی سفارش مین قبول نہین
کرسکتا"۔ مینے اپنے دلمین کہا کہ احمد تمہارا حکم شرق سے غرب تک جاری ہے اور یہان تمہاری یہ
توہین اور ذلت ہورہی ہے۔ پھر دل کو سمجھایا کہ نہین اسوقت سب ذلتین اُٹھالینی چاہئین۔
ابودلف کو بچانا چاہیے۔ مین اُٹھا، افشین کے سر کا بوسہ دیا اور بہت الحاح وزاری کی مگر کوئی اثر
نہوا۔ دوبارہ اُسکے بازو کا بوسہ دیا، جب بھی اُسنے منظور نہ کیا۔ پھر ہاتھ چومے، انداز سے اُسنے
سمجھ لیا کہ اب مین زانو بھی چومونگا۔ خفا ہوکر بولا کہ "اسکا کیا نتیجہ؟ بخدا اگر ہزار بار زمین چومو گے تو
کوئی فائدہ نہوگا"۔ مجکو بھی اسقدر غصہ آیا کہ پسینے پسینے ہوگیا، جی مین کہا کہ یہ مردار، کافر مسلمانونکا

میری اسقدر توہین کر رہا ہے اور مین چپ ہون! یہ کیون؟ صرف اسلیئے کہ ابو دلف کی جان عزیز ہے تو اب جسطرح ممکن ہو اسکو بچانا ہی چاہیے! اگرچہ مین بھی کسی آفت مین پھنسون یہ سوچکر مینے کہا کہ مجکو جو لازمۂ آدمیت تھا بجا لایا اور تم نے میرا کوئی خیال نہین کیا حالانکہ تم جانتے ہو کہ خلیفہ اور اسکی بارگاہ کے کل بزرگ، وہ بھی جو تم سے رتبہ مین کم ہین اور وہ بھی جو تم سے مرتبہ مین زیادہ ہین، میری عزت وحرمت کرتے ہین اور مشرق سے مغرب تک میرا سکہ بیٹھا ہوا ہے خدا کا شکر ہے کہ اُسنے تمہارے احسان کی ذلت کے بار سے میری گردن کو بچایا۔ اب میری باتین تمام ہوگئین، لو خلیفہ کا پیغام سنو۔ امیر المومنین نے فرمایا ہے کہ قاسم عجلی کو چھوڑ دو اور کوئی تعرض نہ کرو، فوراً اسکو گھر بھیجدو، اب تمہارا بس اُسپر چل نہین سکتا۔ اگر قتل کروگے تو مین تم سے اُسکا قصاص لونگا۔" یہ سُنتے ہی افشین کے ہاتھ کے طوطے اُڑ گئے، گھبرا کر بولا کہ کیا فی الحقیقت خلیفہ کا یہ حکم ہے"؟ مینے کہا ہان، کبھی تم نے خلیفہ کے ارشاد کے خلاف مجھے کہتے سُنا ہے؟ یہ کہکر مینے اپنے ساتھیون کو آواز دی فوراً تیس چالیس آدمی اندر آگئے۔ مینے کہا تم لوگ ٹھہرو، مین افشین کو امیر المومنین معتصم کا حکم سُناتا ہون کہ ابو دلف کو فوراً گھر بھیجدو، خبردار قتل نکرنا ورنہ تم سے انتقام لیا جائیگا۔ یہ کہکر مینے قاسم کو پکارا۔ اُسنے لبیک کہا۔ مینے پوچھا صحیح وسالم ہو نا؟ وہ بولا ہان۔ کہا کوئی زخم تو نہین آیا؟ بولا نہین۔ مینے اپنے لوگون سے کہا کہ اس بات کے بھی گواہ رہنا کہ ابو دلف ابھی صحیح وسالم ہے۔ سبھون نے کہا بیشک ہم لوگ شاہد ہین۔ مین غصہ ہی کی حالت مین سوار ہوکر واپس چلا۔ اور گھوڑے کو سرپٹ پھینکا میری کیفیت دیوانون سی ہو رہی تھی اور رستے بھر یہ خیال ہوتا تھا کہ ابو دلف کا قتل اب اور بھی یقینی ہوگیا افشین بھی ابھی پہنچے گا، اُس سے خلیفہ انکار کریگا کہ مینے پیغام نہین بھیجا تم جاکر قاسم کو مار ڈالو، جب آستان خلافت پر مین پہنچا، خادم نے میری حالت غیر دیکھی؛ بدن پسینے پسینے، سانس

بھولی ہوئی تھی، فوراً مجھے اندر لیگیا۔ خلیفہ نے ازراہ شفقت خادم کو حکم دیا کہ رومال سے چہرہ
پونچھکر پسینہ اُٹھائے اور مہربانی آمیز لہجہ مین پوچھا "اے اباعبداللہ کو تسکین کیا ہوا" مینے
دعا دیکر عرض کی کہ آج جو واقعہ مجھپر گزرا ہے عمر بھر نہین گزرا تھا، افسوس ہے کہ ان لوگونکی ناسلامتی کیوجہ سے
کیا کیا نوبت نہین آتی!! فرمایا "حال کہو" مینے ابتدا سے کہنا شروع کیا جب اس ذکر تک پہنچا کہ مینے
بازو کا، سر کا اور ہاتھ کا بوسہ دیا، پانون چومنے کو جھکا، اسپر افشین نے کہا کہ ہزار بار زمین بھی چومیگے
تو کوئی نتیجہ نہوگا مین قاسم کو ضرور قتل کرونگا" اتنا ہی مین کہنے پایا تھا کہ افشین بارگاہ مین کلاہ و
کمربند لگائے ہوئے آگیا۔ مین افسردہ ہوکر خاموش ہو رہا، دلمین کہنے لگا سوء اتفاق تو دیکھو مین
ابھی اصل حال امیر المومنین سے کہنے بھی نہ پایا تھا (کہ آپ کی طرف سے جعلی پیغام دیکر قاسم کو
بچایا ہے) کہ یہ جنت آگیا۔ افشین اسوقت پیغام کا ذکر کرے گا تو خلیفہ کے انکار سے میری رسوائی
الگ ہوگی اور قاسم کی گردن الگ ماری جائے گی۔ مین تو یہ سوچتا تھا اور خدا کو کچھ اور منظور تھا،
میری باتون کا حال سُنکر خلیفہ کا دل بھر آیا تھا۔ افشین جب بیٹھا امیر المومنین سے بھرائی ہوئی آواز
مین کہنے لگا کہ کل حضور نے ابو دلف پر مجھے کامل اختیار عطا فرمائے اور آج احمد نے جاکر حضور کا
پیغام دیا کہ اسکو قتل نکرو، کیا یہ درست ہے؟" معتصم نے کہا۔ ہان میرا ہی پیغام ہے کبھی احمد کو
تمنے مجھپر یا میرے بزرگون پر افترا کرتے ہوے دیکھا ہے؟ بے شک تمہاری الحاح وزاری پر کل
مینے اختیارات دیدیے تھے مگر ابو دلف میرے خاندان کا قدیمی خادم ہے۔ عقل کا مقتضا یہ تھا کہ اسکو
جو تم نے بلایا تو مہربانی وشفقت سے پیش آتے، خلعت دیکر گھر بھیجتے، نہ کہ اُسکو قتل کرتے۔ بجا کر
ابو عبداللہ کا رنجیدہ کرنا سب سے زیادہ بُرا ہے!! اگر ہر شخص اپنی اصالت کے موافق کام کرتا ہے اور عجمی عرب کے
ساتھ بھلا کیونکر سلوک کرسکتے ہین عربون کی تلوار کی آنچ انھین بھولی نہین ہے۔ اُسی کا بدلہ لیتے ہین
خبردار آیندہ سے ہوشیار رہو" افشین یہ سُنکر نہایت دلشکستہ ہوکر اُٹھا اور چلا گیا۔

اسکے جانے کے بعد خلیفہ نے مجھسے پوچھا کہ میری طرف سے جعلی پیغام دینا تم نے کیونکر جائز رکھا؟" میںنے عرض کی کیا کرتا ایک بیگناہ مسلمان کا خون ناحق ہونا مجھسے دیکھا نہ گیا۔ خدا تعالیٰ اسکا اجر دیگا اور کوئی پرسش نہ فرمائے گا۔ پھر چند آیتیں اور حدیثیں پڑھیں معتصم ہنس پڑا اور کہا سچ کہتے ہو یہی کرنا تھا۔ خدا کی قسم تم دیکھ لینا کہ افشین میرے ہاتھوں سے اب سلامت نہ بچے گا' وہ کمبخت مسلمان نہیں ہے"۔ میںنے بہت دعائیں دیں اور شکریہ ادا کیا کہ قاسم کی جان بچ گئی پھر رخصت ہونے لگا معتصم نے ایک حاجب کو بلا کر حکم دیا کہ افشین کے گھر میری خاص سواری کا گھوڑا لیجاؤ اور ابو دلف کو اسپر سوار کرکے ابو عبد اللہ کے مکان میں لے آؤ۔ حاجب تعمیل ارشاد کے لیے چلا گیا اور میں بھی رخصت ہوا، رستے میں توقف کرتا ہوا جاتا تھا کہ حاجب اور ابو دلف میرے پہنچنے کے قبل پہنچ جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، قاسم کو میںنے اپنے دروازہ پر بیٹھا ہوا پایا وہ مجھے دیکھکر شکر کرنے لگا۔ میںنے کہا میرا کیا شکر کرتے ہو، خدا تعالیٰ اور خلیفہ کا شکر کرو کہ تمہاری جان بچی۔ پھر حاجب نے نہایت اعزاز کے ساتھ اسکو گھر پہنچا دیا۔

اس واقعہ کی ایک مدت کے بعد خلیفہ نے احمد کی کوشش سے افشین کو قتل کر دیا۔

قاضی احمد بن ابی دواد، مامون کے عقیدے کے موافق، کلام اللہ کے حدوث کے قائل تھے اور امام احمد بن حنبل قدیم مانتے تھے۔ رمضان کے مہینے سنہ ۲۲۰ ہجری میں خلیفہ کے حکم سے دونوں میں مناظرہ ہوا۔ آخر ابن ابی دواد بحث میں غالب آئے احمد بن حنبل سے اگرچہ جواب نہ چل سکا مگر انھوں نے زبان سے حدوث قرآن کا اقرار نہ کیا، اپنے عقیدے پر قائم رہے معتصم نے تازیانے لگانے کا حکم دیا، تیس کوڑے لگائے گئے اور قید خانے میں بھیجے گئے۔

علمی خبرین

یورپ کی دیکھا دیکھی اب مصر مین عمدہ اور نادر کتابون کے چھاپنے کا [illegible]

نہایت عمدہ عمدہ کتابین چھپکر شائع ہوئی ہین جنکی تفصیل ذیل مین ہے۔

[illegible] امام غزالی کی تصنیف ہے۔

آراء اہل المدینۃ الفاضلۃ - حکیم ابو نصر فارابی کی تصنیف ہے۔ ہم کو اس کتاب کا بہت اشتیاق تھا لیکن افسوس ہے کہ معمولی درجہ کی کتاب نکلی۔

الجواب الصحیح - ابن تیمیہ کی تصنیف ہے۔

مستصفی - امام غزالی کی سب سے اخیر تصنیف ہے۔ اصول فقہ مین ہے۔ امام صاحب نے اصول مین متعدد کتابین لکھین، یہ سب سے زیادہ آسان اور جامع ہے۔ اس کتاب کیساتھ مولانا عبد العلی بحر العلوم کی شرح مسلم الثبوت بھی چھاپ دی ہے۔ ہندوستان کو فخر کرنا چاہیے کہ ان کے ملک کی تصنیفات مصر مین بھی عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہین۔

شرح مفتاح - فن بلاغت مین مفتاح سکاکی نہایت اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے۔ علامہ قطب الدین شیرازی و علامہ تفتازانی، و سید شریف نے اس پر شرحین لکھی ہین۔ یہ سب کتابین نایاب تھین اب مصر مین سب کو ایک مجموعہ مین چھاپ دیا ہے۔

یورپ مین آج کل فارسی شعرا کے تذکرون پر بہت توجہ ہے۔ چنانچہ عوفی یزدی کا تذکرہ جسکا نام لب اللباب ہے۔ نہایت اہتمام سے چھاپا گیا ہے۔ پروفیسر براؤن نے اسکی تصحیح کی ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بھوپال مین ندوۃ العلما کا وفد

اور

حضور سرکار عالیہ خلدہا اللہ تعالیٰ کی فیاضی

یہ طے پاچکا تھا کہ اوائل سرما مین ندوۃ العلما کا وفد (ڈیپوٹیشن) مستقل سرمایہ کے جمع کرنے کے لئے اطراف ملک مین روانہ ہوگا چنانچہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۰۵ء کو پہلا وفد لکھنؤ سے روانہ ہوا، اور سب سے پہلے اُس نے بھوپال کی اسلامی ریاست کی طرف رخ کیا، وفد کا جسطرح استقبال ہوا، جو کارروائیان ہوئین اور جن کامیابیون کی امید ہے، یہ امور ہم آیندہ لکھ سکین گے لیکن اسوقت ہم اُس کیفیت اور اثر کو ظاہر کرنا چاہتے ہین جو ہمارے دل پر حضور سرکار عالیہ کی باریابی، اور ان کی ہمکلامی کے شرف حاصل ہونے سے ہوا۔ مجھکو حکمرانان اسلام مین سے متعدد رؤسا اور والیان ملک کی خدمت مین حاضر ہونے کا اتفاق ہوا ہے، اُن سے گفتگو، اور ہمکلامی کی بھی نوبت آئی ہے لیکن مین بغیر کسی قسم کے رو داری اور تملق کے اس کہنے پر مجبور ہون کہ مین نے اس وقت تک کسی رئیس یا والی ملک کو، اسقدر وسیع المعلومات، خوش تقریر، فصیح اللسان، نکتہ سنج، اور دقیقہ رس نہین دیکھا، وہ تقریر فرما رہی تھین، اور مین محو حیرت تھا کہ کیا دہلی اور لکھنؤ کی سرزمین کے سوا، اور کسی ملک کا آدمی بھی ایسی شستہ اور فصیح اردو بولنے پر قادر ہو سکتا ہے؟ وہ مختلف علمی اور انتظامی امور پر گفتگو کرتی تھین اور مین سوچتا تھا کہ کیا محذرات اور حجلہ نشین بھی اسقدر معلومات حاصل کر سکتی ہین؟، وہ لطف وعنایت سے تواضع کے لہجہ مین مجھسے دریافت فرماتی تھین کہ "آپ کو یہان کسی قسم کی تکلیف تو نہین" اور مین ہمہ تن استعجاب تھا، کہ کیا مجھ

جیسے چیچیز کو ایک حکمرانِ ذوی الاقتدار اس طرح مخاطب بنا سکتا ہے ؟

سب سے پہلے جناب ممدوحہ نے (مشفقانہ اخلاق کے بعد) مجھ سے سوال کیا کہ تم نے یہاں کے مدارس دیکھے چونکہ دیوالی کی تعطیل کی وجہ سے مدارس بند تھے، میں نے عرض کیا کہ نہیں" اسپر افسوس ظاہر کیا اور فرمایا کہ کاش آپ ایسے زمانہ میں آتے کہ مدارس کو دیکھکر رپورٹ کر سکتے۔ میں نے وعدہ کیا کہ پھر حاضر ہونگا اسپر نہایت مسرت ظاہر کی، اور کہا یہ میرے فائدہ کی بات ہے۔

عربی علوم و فنون کے تنزل پر نہایت افسوس ظاہر کیا، اور فرمایا کہ میں نے خود جس پایہ کے علماء و فضلا دیکھے تھے، آج ایک بھی اس درجہ کا نظر نہیں آتا" میں نے کہا کہ اسباب ہی ایسے پیدا ہو گئے ہیں، انگریزی گورنمنٹ میں عربی دانی کسی قسم کی معاش کا ذریعہ نہیں بن سکتی، اور دنیا کا کوئی کام بغیر اطمینان معاش کے انجام نہیں پا سکتا، اسلامی ریاستیں البتہ عربی کو سنبھال سکتی تھیں، لیکن وہ بھی، تمام نوکریوں اور ملازمتوں میں انگریزی دانی کی شرط لگاتے جاتے ہیں" میری اس تقریر کے جواب میں جو کچھ جناب ممدوحہ نے فرمایا اس نے حضرت مجھکو ساکت کر دیا بلکہ ندامت اور انفعال سے عرق عرق ہو گیا۔ فرمایا کہ آپ لوگ جس طرح عربی کی تعلیم دیتے ہیں، اس سے کوئی شخص اس قابل نہیں ہو سکتا کہ کسی ملکی خدمت کو انجام دے سکے، عربی خوان طلبہ کا یہاں یہ حال ہے کہ پندرہ پندرہ بیس بیس برس سے عربی پڑھ رہے ہیں، اور فارغ التحصیل بھی نہیں ہوتے اور صرف اسوجہ کہ اگر فراغ کا نام ہو گا تو ان کا وظیفہ بند ہو جائے گا۔ چونکہ عربی دان کسی ملکی خدمت کے انجام دینے کے قابل نہیں ہوتے اسلئے مجبوراً ان کو کوئی خدمت نہیں دیجا سکتی" جناب ممدوحہ کی یہ رائے بالکل صحیح ہے، اور اس کا جواب کیا ہو سکتا تھا، البتہ میں نے اسقدر کہا کہ ندوۃ العلماء نے اسی غرض سے طرز تعلیم اور نصاب تعلیم میں تبدیلی کی ہے۔

اسکے بعد دیر تک اسپر گفتگو کرتی رہی کہ اہل ملک تعلیم کیطرف متوجہ نہیں ہوتے، اسوجہ سے

تعلیم پر جو کچھ صرف ہو رہا ہے اس سے خود ملک کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، مین نے عرض کیا کہ تعلیم جبری کیون نہ کر دی جائے، جیسا کہ بعض ریاستون نے اس پر عمل کیا ہے، فرمایا کہ جبری تو نہین کر سکتی، لیکن یہ کیا کم ہے کہ تمام بڑے بڑے عہدے، باہر والون کو ملتے ہین، اہل ملک مین سے ایک بھی کسی بڑے عہدہ پر مامور نہین، اگر غیرت ہو تو یہ امر جبر سے کیا کم ہے۔ اہل ملک، وظائف اور مناصب کے خوگر ہو گئے ہین، ان کو نوکری اور ملازمت سے غرض ہی نہین، وہ ہر وقت صرف وظائف اور مناصب کے متقاضی رہتے ہین۔

پھر فرمایا کہ اردو مین، علوم جدیدہ کی کتابین، کیون نہین ترجمہ کی جاتین، مین نے کہا کہ ترجمہ کون کرے، انگریزی خوان مصطلحات علمی کا اردو مین ترجمہ نہین کر سکتے، اور عربی خوان، انگریزی نہین جانتے، مین نے انجمن اردو کی طرف سے اشتہار دیا، اور کیمسٹری کے مصطلحات چھپا کر شائع کئے لیکن کہین سے کوئی صدا نہین آئی، فرمایا کہ کیون نہ ایک محکمہ قائم کیا جائے جس مین عربی و انگریزی دونون زبانون کے زباندان، ملازم رکھے جائین، ریاست آصفیہ جو سب سے بڑی مقتدر ریاست اسلامی ہے اس کام کو انجام دے سکتی ہے "

غرض اس قسم کے مضامین پر کامل ڈیڑھ گھنٹہ تک گفتگو کی، اور اس فصاحت کے ساتھ کہ ہم تن محو حیرت تھا، تقریر مین بعض بعض جملے ایسے ہوتے تھے جو انشاپردازی کی شان ظاہر کرتے تھے، مثلاً "جب سے عنان حکومت مین نے اپنے ہاتھ مین لی" "ملک کی تعلیمی حالت پر میرا دل رو رہا ہے" یہان کے لوگ، لیاقت حاصل نہین کرتے بلکہ استحقاق آبائی پیش کرتے ہین"

لیکن یہ جملے ان کے زبان سے اس سلاست اور صفائی کے ساتھ ادا ہوتے تھے کہ مطلقاً تصنع اور آورد نہین معلوم ہوتی تھی۔

جناب ممدوحہ کی مصروفیت ملکی کا یہ حال ہے کہ روزانہ بلاناغہ ۱۱ بجے سے ۴ بجے تک متصل دفتر

پس پردہ بیٹھ کر، تمام کاغذات کو سنتی اور ان پر احکام مناسب لکھواتی ہیں، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ پردہ میں بیٹھ کر، عورتیں قابل نہیں ہو سکتیں، اُن کے جواب کے لئے صرف جناب ممدوحہ کا نمونہ کافی ہے

شبلی ۳۰ اکتوبر
از بھوپال

سرکار عالیہ بھوپال
اور
ندوۃ کی امداد[1]

ہم بکمال مسرت اس خبر کو لکھتے ہیں کہ سرکار عالیہ والیہ ریاست بھوپال دام اقبالہا نے ندوہ کے لئے پچاس روپیہ ماہوار مقرر فرمایا،

خدا ان کو تا مدتوں سلامت رکھے

[1] مضمون مندرجہ بالا کاپیاں طیار ہو چکی تھیں کہ مولوی صاحب موصوف نے بھوپال سے بذریعہ تار کے، اس خبر کی اطلاع دی۔

فارسی شاعری

اور

عرفی شیرازی

حضرت عبد اللہ بن عباس عموماً حدیث و تفسیر کا درس دیا کرتے تھے لیکن ہفتہ میں ایکدن شعر و شاعری کے لئے خاص کر دیا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ "حمضوا مجالسکم" یعنی صحبت کا مزہ بدل دیا کرو،، اسی طرح مناسب ہے کہ الندوہ مین کبھی کبھی ادب و انشا پردازی کے مضامین بھی لکھے جایا کرین۔

اسکے علاوہ، یہ جو عام غلطی پھیلی ہوئی ہے کہ "فارسی شاعری مین مبالغہ، اور عشقیہ خیالات کے سوا، کچھ نہین،، ایک ایسی غلطی ہے جس سے ایکطرف تو واقعیت کو صدمہ پہنچتا ہے دوسری طرف مسلمانونکے علم ادب کا ایک بڑا حصہ برباد ہوا جاتا ہے اس بنا پر اس قسم کی غلطیونکا رفع کرنا الندوہ کے فرایض مین داخل ہے

عرفی کا نام و نسب محمد[1] نام، جمال الدین لقب، عرفی تخلص، باپ کا نام زین الدین بلوی اور دادی کا جمال الدین چادرباف تھا، ایران مین اُن محکمہ جات اور عدالتون کو جو مذہبی صیغہ سے تعلق نہین رکھتے عرف کہتے ہین، عرفی کا باپ شیراز کے دار الحکومت مین ایک معزز عہدہ پر ممتاز تھا، عرفی نے اسی مناسبت سے اپنا تخلص عرفی رکھا تھا

عرفی کے حالات اگرچہ مختصر عام تذکرون مین ملتے ہین لیکن مستند و دلچسپ واقعات مآثر رحیمی اور تذکرہ عرفات العاشقین کے سوا اور کسی تذکرہ مین نہین پائے جاتے، مآثر رحیمی اصل مین عبد الرحیم خان خانان کی سوانح عمری ہے لیکن اسمین تمام ان شعراء و اہل فن کا مفصل تذکرہ ہے جو خان خانان کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، اس کتاب کا مصنف خود ان شعراء کا ہمعصر تھا اسلئے دلچسپ حالات بہم پہنچائی ہین۔ دراکثر واقعات چشم دید لکھے ہین

مآثر رحیمی مین ہے "چون پدرش بعض اوقات در دیوان حکام فارس بامور نادرت داروغہ دار الملک فاضل شیراز مشغول می بود مناسبت شرعی و عرفی را منظور داشتہ تخلص خود عرفی کرد"

اس تخلص کے اختیار کرنے کے متعلق اس قدر اور کہنا ضرور ہے کہ عرفی فطرۃً مغرور اور خود پسند تھا، چونکہ ایران کے اکثر شعرا معمولی خاندانون سے تھے، مثلاً خاقانی بڑھئی تھا، فردوسی باغبانی کرتا تھا، باقر کاشانی خردہ فروش تھا، برخلاف اسکے عرفی ایک معزز خاندان کا آدمی تھا اور اسکا باپ سرکاری محکمہ سے بھی تعلق رکھتا تھا، اسکے تخلص مین بھی یہ امتیاز قایم رکھی، عرفی نے نام و نسب پر اکثر فخر کیا ہے اور یہ بھی اسکے خصوصیات مین ہے، ورنہ ایران کے شعرا مین نسب کا فخر بہت ہی شاذ و نادر پایا جاتا ہے۔

عرفی کی تعلیم و تربیت شیراز مین ہوئی۔ شاہ نواز خان (مصنف مآثر الامرا) نے تذکرہ بہارستان سخن مین لکھا ہے کہ عرفی نے علاوہ معمولی علوم کے مصوری اور نقاشی کی بھی تعلیم پائی تھی۔ عرفی نے جب ہوش سنبھالا تو سلطنت صفویہ کا شباب تھا اور طہماسپ و عباس کی علم پروری نے تمام ایران کو علم و ہنر کی نمایشگاہ بنا دیا تھا، بالخصوص شاعری، جو منہ چڑھی تھی، محتشم کاشی، وحشی یزدی، ضمیری وغیرہ نے فغانی کی طرز کو اور زیادہ شوخ کر دیا تھا اور تمام ملک ان کی زمزمہ سنجیون سے گونج اٹھا تھا، عرفی نے بھی اپنے اظہار کمال کے لئے یہی میدان پسند کیا اور باوجود کم سنی کے بڑے بڑے پرانے استادون کے ساتھ معرکہ آرائی شروع کر دی، اس زمانہ مین فغانی کی اکثر غزلین طرح کی جاتی تھین اور محتشم کاشی وغیرہ ان مین غزلین لکھتے تھے، عرفی بھی انہی طرحون پر غزلین لکھتا تھا اور عام مشاعرون مین جا کر پڑھتا تھا، وحشی یزدی یزد مین سکونت رکھتا تھا اسلئے اس سے تحریری مناظرات رہتے تھے، اوحدی نے لکھا ہے کہ عرفی کے ان معرکون مین مین بھی شریک رہا ہون، اسوقت اسکی عمر تیس برس سے زیادہ نہ تھی، شاعری کے جو اصناف اس زمانہ مین زیادہ رواج پا گئے تھے، قصیدہ گوئی اور غزل گوئی تھی لیکن عرفی نے جب تک وہ ایران مین رہا اپنے ہمعصرون کے برخلاف قصیدہ کو ہاتھ نہ لگایا کیونکہ قصائد مدح اور معیشت کے لئے مخصوص تھے اور عرفی کی خودداری اس ننگ کو گوارا نہین کر سکتی تھی۔

عرفی کی قدردانی کے لئے اگرچہ ایران مین بھی کچھ کم سامان نہ تھا تاہم ہندوستان کی سی بات کہان نصیب ہو سکتی تھی

بقیہ حاشیہ صفحہ (۱) عرفات کا مصنف بھی قریب اسی زمانہ مین تھا اور اوسنے عرفی کو تیس برس کی عمر مین دیکھا تھا۔ یہ دونون کتابین میرے پیش نظر ہین

جنکی بدولت ایران کے ہر ہر گوشہ سے اہل فن کھنچ کھنچ کے آتے تھے، مرزا صائب نے اسی کشش سے متاثر ہو کر لکھا ہو

ہمچو عزم سفر ہند کہ در ہر دل ہست	رقص سودائے تو در ہیچ سرے نیست کہ نیست

بعض تذکروں میں لکھا ہو کہ عرفی، شہزادہ سلیم کے حسن پر غائبانہ عاشق ہو کر آیا، بہر حال اسنے ہندوستان کا رخ کیا، راستہ میں ڈاکہ پڑا، اور اوسکی کل کائنات جاتی رہی، اسپر یہ رباعی لکھی

دوشینہ کہ بُرد، بُرد، بر دوشم بود چادر	زانو چو عروس نو در آغوشم بود
پوشیدہ نہ داشتم بغیر از چشم	چیزے کہ بزیر سر نہہم گوشم بود

ہندوستان میں اگرچہ سیکڑوں امرا، اور اہل دول تھے لیکن عرفی نے ان سب میں فیضی کو انتخاب کیا، جسکی وجہ یا تو یہ تھی کہ اسکے دربار تک پہنچنا آسان تھا، یا یہ کہ سخن شناسی کی توقع جو فیضی سے ہوسکتی تھی اور کسی سے نہیں ہوسکتی تھی۔ عرفی نے فتح پور سیکری میں فیضی سے ملا، فیضی نے اسکی پوری قدر دانی کی، پنجاب کے سفر میں وہ اٹک تک فیضی کے ہمرکاب رہا، اور اُسکی تمام ضروریات، فیضی ہی کی سرکار سے انجام پاتے رہے[1]۔ لیکن عرفی کی نخوت پرستی کی وجہ سے صحبت برا رنہ ہوسکی، اور بالآخر اس دربار سے قطع تعلق کرنا پڑا۔

اس زمانہ میں اکبری دربار کے نورتن سب موجود تھے انہیں حکیم ابو الفتح گیلانی اگرچہ ظاہری منصب حاقتدار کے لحاظ سے سب سے کم پایہ تھا، یعنی صرف، ہزاری منصب رکھتا تھا، لیکن بہت بڑا عالم اور علم و فضل کا بڑا قدردان تھا، اسکے ساتھ عرفی کا ہم وطن اور ہم مذہب تھا، ان خصوصیات کی بنا پر اسنے اسی کو ترجیح دی، اور قصیدہ مدحیہ لکر پیش کیا، یہ پہلا دن تھا کہ عرفی کے غرور کی آن ٹوٹی، غالباً خود عرفی کو بھی اسکا سخت صدمہ ہوا، چنانچہ قصیدہ میں اسکے اشارے پائے جاتے ہیں۔

چونکہ حکیم ابو الفتح بڑا نکتہ شناس، اور نقاد فن تھا، عرفی نے اسکی فیض صحبت سے بہت ترقی کی، حکیم ابو الفتح نے ایک رقعہ میں جو خان خانان کے نام ہے یہ الفاظ لکھے ہیں "عرفی وملا حیاتی بسیار ترقی کردہ اند[2] الحمد للہ" غرض ایک وہ زمانہ تھا کہ امرا اور اہل دول علم و فضل میں یہ پایہ رکھتے تھے کہ عرفی جیسے اہل کمال، انکی صحبت سے مستفید ہوسکتے تھے

[1] تاریخ بداونی

[2] رقعات ابو الفتح گیلانی

عرفی نے بھی حکیم ابوالفتح کی احسان مندی کا پورا حق ادا کیا جس زور کے قصیدے حکیم صاحب کی شان مین لکھے اکبر و خان خانان کی مدح مین بھی نہین لکھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جب تک ابوالفتح زندہ رہا اسنے خود اپنی خواہش سے کسی دربار کی طرف رخ نہین کیا۔

حکیم ابوالفتح اور خان خانان سے غایت درجہ کا اتحاد تھا، حکیم موصوف کی فرمایش سے عرفی نے خان خانان کی مدح مین قصیدہ لکھا جس کا مطلع یہ ہے ع بیا کہ با دل آن می کند پریشانی، اس قصیدہ مین اس واقعہ کا نہایت لطیف پیرایہ مین ذکر کیا ہے چنانچہ کہتا ہے۔

ازان نہ دیدہ شناگو نست کہ می بینم — ترا، داو رانگیختن بہ چشم روحانی
دلیل وحدتم این بس کہ مدح خود نخواست — مرا بہ مدح تو فرمود گوہر افشانی

حکیم ابوالفتح نے ۹۹۷ھ مین انتقال کیا، عرفی پر اس واقعہ کا سخت اثر ہوا چنانچہ اس زمانہ مین خانخانان کی مدح مین جو قصیدہ لکھا ہے اسمین کہتا ہے

چہ احتیاج بگویم کہ مرد و عرفی را — چہ بر سر از ہوس مرگ ناگہان آمد
برفت، و لطف تو بر من گذاشت وین بگذاشت — بہ نزد عقل کہ تا وان آن زیان آمد
تو آگہی کہ مرا از غروب این خورشید — چہ گنجہاے سعادت زیان جان آمد

حکیم ابوالفتح کے مرنے کے بعد عرفی خان خانان کی درباریون مین داخل ہوا، اور پھر خاندان شاہی کے سوا، اور کسی کے آستانہ پر کبھی سر نہین جھکایا، چنانچہ خود فخریہ کہتا ہے

یک منعم و یک نعمت و یک منت و یک شکر — صد شکر کہ تقدیر چنین راند قلم را

خان خانان، امراے اکبری کا گل سرسبد تھا، اس زمانہ مین وہی ایک شخص تھا جسکے تاج فخر پر جیسا سیف والقلم کا طرہ خوشنما معلوم ہوتا ہے۔ گجرات کی فتح جس مین اسنے دس ہزار فوج سے چالیس ہزار کی جمعیت کو شکست دی، اسکی شجاعت کا ایک معمولی کارنامہ ہے، فیاضی کا یہ حال تھا کہ نظیری نیشاپوری کو ایک لطیفہ پر لاکھ روپے دلوا دیے، خود شاعر اور شعرا کا بڑا قدردان تھا، عبدالباقی نہاوندی نے اسکے مفصل حالات دو جلدون مین لکھے ہین، ایک جلد مین صرف اسکے دربار کے

شعرا وسا ہل کمال کا تذکرہ ہی اس طرح ہین "چند سہت" بند سہت "تمام اساتذہ نے غزلین لکھی ہین لیکن خان خانان سکے ان شعرون کا جواب نہین

حدیث شوق ندانستہ ام کہ تا چند است	بجزین قدر کہ دلم سخت آرزو مند است
نہ دام دانم و نہ دانہ اینقدر دانم	کہ پا سے تا بسرم ہر چہ ہست در بند است

عرفی نے خان خانان کے دربار مین پہنچکر خاطر خواہ ترقی حاصل کی، مآثر رحیمی مین لکھا ہی: "باندک فرصتے بمین تربیت وشاگردی ومداحی این دانائے رموز پختگی تمام وترقی مالا کلام در منظوماتش بہم رسید"

چونکہ خان خانان کے دربار مین بڑے بڑے نامور شعرا مثلاً نظیری نیشاپوری، شکیبی اصفہانی انیسی، ظہوری، وغیرہ سے مقابلہ رہتا تھا، عرفی کا کلام روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا، یہان تک کہ تقرب اور اختصاص بھی، وہ حریفون کی صف کو چیرتا ہوا آگے نکل گیا، یہ بات اُسی کو نصیب ہوئی کہ دربار مین جاتا تھا تو عام طریقہ پر آداب و کورنش نہین بجالاتا تھا، اور جس جگہ جسطرح چاہتا تھا، بیٹھ جاتا تھا۔ مآثر رحیمی مین ہی "در ایام ملازمت تسلیم و کورنشے کہ در ہندوستان متعارف است کہ بعوض سلام بصاحبان می کنند، بصاحب خود نمی کرد، و بہر طرز و طور و روشے کہ می خواست در مجالس می نشست و اہل علم تقدیم را قبول می نمودند"

خان خانان نے عرفی کے ساتھ وقتاً فوقتاً جو فیاضیان کین اوسکی ایک ادنی مثال یہ ہی کہ ایک قصیدہ پر ستر ہزار روپیے انعام دلوائے[۱]

عرفی نے اگرچہ خان خانان کے سوا امرا، اور اہل دربار مین کسی کی مدح سرائی گوارا نہ کی، لیکن فرمانروا وقت سی بے نیازی ممکن نہ تھی، اسلئے خود اپنی خواہش، یا خان خانان کی فرمایش سی اکبر کی مدح مین اسنے متعدد قصائد لکھے، لیکن ابو الفضل اور فیضی کے آگے اسکا چراغ نہین جل سکتا تھا۔ ابو الفضل نے اکبرنامہ اور آئین اکبری دونون مین عرفی کا تذکرہ کیا ہی لیکن اس طرح کہ نہ کرتا تو اچھا تھا، اکبرنامہ مین لکھتا ہی "دریچہ ازسخن سرائے بروکشودہ بودند در خود نگریست و بر پاستانیان زبان طعن کشود و غنچہ استعداد

[۱] خزانہ عامرہ و تذکرہ عرفی

نشگفتہ تر مرد،، اس سے انکار نہین ہوسکتا کہ عرفی حد سے زیادہ مغرور اور خود ستا تھا اور اسلاف کا نام اپنے مقابلہ مین تحقیر لیتا تھا چنانچہ کہتا ہی

انصاف بدہ بوالفرج و انوری امروز	بہر چہ غنیمت نشمارند عدم را
بسم شدند اعجاز نفس، جان شان دمان	تا من قلم اندازم و گیرند قلم را
تعزیۓ کہ من از بحر روح ساز دہم	نہ انوری نہ فلانی دہد بہ ہمانی
نازش سعدی بہ مشت خاک شیراز چہ	اگر نمی دانست باشد مولد و ماوای من
دم مسیح تمنا داشت خاقانی کہ برخیزد	بہ امداد صبا اینک فرستادم بہ شروانش

اسکے فخر و غرور سے تمام ہم عصر نالان تھے یہان تک کہ نظیری نیشاپوری جو ایک مرنج مرنجان شاعر تھا اس سے بھی ضبط نہ ہوسکا، چنانچہ ایک قصیدہ مین جو عرفی کے مرنے کے بعد اسکے جواب مین لکھا ہی لکھتا ہی

درین قصیدہ بہ گستاخی ار چہ عرفی گفت	،، بہ داغ رشک پس از مرگ سوخت خاقانی،،
کنون بہ گور زبان او بہ رشک میسوزد	کہ در تنور توان گوسفند بریانی

بہر حال ان اسباب نے اکبر کے دربار مین عرفی کا رنگ جمنے نہ دیا، قصیدہ کشمیریہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اکبر نے سنہ ۹۹۷ھ مین کشمیر کا جو سفر کیا تھا اس مین عرفی بھی ہمرکاب تھا، ایک قطعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اکبر نے کسی موقع پر ایک گھوڑا بھی انعام مین دیا تھا، لیکن عرفی نے بجاے اسکے کہ شکر کا اظہار کرتا، اُلٹے گھوڑے کی ہجو لکھی۔

شاہنشہا حقیقت اسپے کہ دادہ	بشنو ز لطف تا برسانم بہ عرض من
ہستم برو سوار و بہ سعی پیادہ ام	گامے بہ طول می زدم اکنون زنم بہ عرض

خانخانان اور اکبر کے سوا، عرفی نے کسی اور آستانہ کی اگر ناصیہ سائی کی تو وہ شاہزادہ سلیم تھا اور عرفی کی تاریخ زندگی مین یہ واقعہ ایک خاص حیثیت رکھتا ہی۔ تمام تذکرے متفق ہین کہ عرفی شہزادہ مذکور کا جان دادہ تھا۔ یہ امر اگرچہ بظاہر بالکل خلاف قیاس ہی

لیکن عرفی کے قصائد مین بے شبہ یہ جھلک پائی جاتی ہے، شہزادہ موصوف کی شان مین اسکے جو قصیدے ہین اُنکے دیکھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ اور کوئی جوش ہے جسکا رنگ مداحی کے لباس مین جھلکتا ہے عرفی کو اس خوش قسمتی پر ناز ہو سکتا ہے کہ شہزادہ نے خود اسکو یاد کیا، اور دربار مین بلا کر قصیدہ لکہنے کی فرمائش کی، عرفی جس شان سے دربار مین پہونچا ہے، اور شہزادہ نے جسطرح اس سے نگاہِ پنہان کی زبان سے باتین کی ہین اسکی تصویر خود عرفی نے نہایت خوبی سے کھینچی ہے

کہ ناگہان ندرم در رسید مژدہ دہی	چنان کہ از چمن طالع بہ مغز شمیم
چہ گفت گفت کہ اے مخزن جواہر قدس	چہ گفت گفت کہ اے مطلب بہشت نعیم
بیا کہ از گہرت یاد می کند دریا	بیا کہ تشنہ لبت را طلب کند تسنیم
بہ رہ فتادم و گشتم چنان سبک تاب دم	کہ دست اہل کرم در نثار گوہر و سیم
مرا چو دید وشش بہ دوش ادب، بدید استاد	بلطف خاص بدل کرد التفات عمیم
رموز کورنش و تسلیم را ادا کردم	بہ داب مردم دانا، و بذلہ سنج ندیم
نگفت، و من بشنودم ہر آنچہ گفتن داشت	کہ در بیان نگہش کرد و بیزبان تعلیم
لبش چو نوبت خویش، از نگاہ باز گرفت	فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم

اخیر کے دونون شعرون کا ترجمہ یہ ہے "شہزادہ نے کچھ نہین کہا، اور مین نے سن لیا، کیونکہ تقریر کرنے مین، اسکی نگاہ نے زبان پر پیش دستی کی، پھر جب نگاہ سے گذر کر، ہونٹون کی باری آئی تو میرے کان کوثر و تسنیم کے موجون مین ڈوب گئے، شیخ سعدی نے ایک قطعہ مین یہ مضمون باندہا تہا کہ اس شاعر کو عاشق کا نام نہ لینا چاہیے جو قصیدہ مین دو چار شعر عشقیہ کہکر مداحی شروع کر دے عرفی نے اسپر ایک قطعہ کہا ہے اس مین شہزادہ سلیم کی معشوقی کی طرف نہایت لطیف اشارہ کیا ہے

دمی کسے گفت کہ سعدی گہر افروز سخن	قطعہ گفت کہ اندیشہ بیان بنازد
سخن عشق حرام است بران بیہودہ گوی	کہ چو دہ بیت غزل گفت، مدیح آغازد
گفتمش این خود چہ عیب است کہ در اطوار	ہر کہ این لاف زند نخش دو بی بنازد

خوشش اللہ زیک اندیشی عرفی کورا	آن کہ ممدوح بود عشق بہ او می بازد

یعنی سعدی گو ممدوح کو معشوق پر ترجیح نہین دیتے لیکن بہر حال معشوق کے علاوہ اُن کا کوئی ممدوح بھی ہے لیکن میرا تو ممدوح بھی وہی ہے جو معشوق ہے

وفات تذکرہ داغستانی وغیرہ مین لکھا ہے کہ حاسدون نے اسکو زہر دیا بعضون نے لکھا ہے کہ زہر دینے کی وجہ شہزادہ سلیم کے ساتھ عشق کا اظہار تھا، ابوالفضل نے اکبر نامہ مین ۹۹۹ھ کے واقعات کے ذیل مین لکھا ہے، "میر دہم عرفی شیرازی رخت ہستی بربست، درے از سخن سرائی بر روے کشودہ بود، اگر خود نہ نگرستی زندگی را بہ شائستگی بسر بردے، و زمانہ سخے فرصت دادے کار او بلند، درین نزدیکی این رباعی بر سنجیدہ بود،

عرفی دم نزع است و ہمسان ستی تو	آیا بچہ مایہ رخت بربستی تو
فردا ست کہ دوست، نقد فردوس بکف	جویاے متاع است و تہیدستی تو

انتقال کے وقت اسکی عمر ۳۶ برس کی تھی۔

تذکرۂ داغستانی مین لکھا ہے کہ لاہور مین مدفون ہوا، اور چند روز کے بعد کوئی درویش کسی اور بزرگ کے دھوکے مین، اسکی ہڈیان قبر سے نکال کر نجف مین لے گیا، اور وہان دفن کر دین لیکن یہ غلط ہے، عبد الباقی نے جو خود عرفی کا معاصر تھا، مآثر رحیمی مین لکھا ہے کہ میر صابر اصفہانی نے جو اعتماد الدولہ غیاث بیگ (وزیر و خسر جہانگیر بادشاہ) کا درباری تھا، ایک قلندر کو رقم کثیر دی کہ عرفی کی میت لاہور سے نجف لے جائے بہر حال عرفی کی یہ پیشین گوئی پوری ہوئی

بہ کاوشں مژہ، از گور تا نجف بروم	اگر بہ ہند ہلاکم کنی و گر بہ تتار

ملا روغنی ہمدانی نے اس واقعہ کی تاریخ مین یہ قطعہ لکھا،

یگانہ گوہر دریائے معرفت عرفی	کہ آسمان پئے پرورش صدف آمد
"بکاوش مژہ از گور تا نجف بروم"	زدست تیر دمانے و بہدف آمد
رقم زد از پئے تاریخ، روغنی کلکم	بہ کاوش مژہ از گور تا نجف آمد

تصنیفات حسب ذیل ہیں،

نفسیہ تصوف میں ہی، نام سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس کے متعلق ہوگا، مآثر رحیمی میں اسکے نسبت لکھا ہے "و رسالہ نیز موسوم بہ نفسیہ در نثر نوشتہ کہ صوفیان و درویشان را سرلوحہ دفتر تصوف و تحقیق شدہ"

مثنوی بہ جواب مخزن اسرار، دیوان کے ساتھ چھپی ہی،

مثنوی بہ جواب شیرین خسرو، آتشکدہ اور مجمع الفصحا میں اسکے اشعار نقل کئے ہیں،

کلیات قصائد و غزلیات ۹۹۶ھ میں ایک دیوان ترتیب دیا تھا جس میں ۲۶ قصیدے ۲۷۰ غزلیں، اور ۷۰۰ شعر کے قطعات اور رباعیاں تھیں اس دیوان کی خود ہی تاریخ لکھی تھی

این طرفہ نکات سحری و اعجازی	چون گشت مکمل بہ رقم پردازی
مجموعہ طراز قدس تاریخش یافت	اول دیوان عرفی شیرازی

اس رباعی میں عجیب و غریب صنعت رکھی ہی۔ چوتھا مصرع جس سے تاریخ نکلتی ہے اسمیں اکائیوں کے عدد لئے جائیں تو قصائد کی تعداد کے موافق ہوتے ہیں، یعنے ۲۶، دہائیون کے عدد حساب کئے جائیں تو غزلون کی تعداد کے برابر ہوتے ہیں یعنی ۲۷۰، اور سیکڑون کو لیا جاسے تو قطعات اور رباعیوں کی تعداد ظاہر ہوتی ہے یعنی ۷۰۰، مختصر یہ کہ اسی مصرع میں تاریخ بھی ہے اور ہر قسم کے اشعار کی الگ الگ تعداد بھی۔

یہ اخیر کا کلام ہے، اس سے پہلے چھ ہزار شعر کہے تھے، وہ بدقسمتی سے ضایع ہو گئے چنانچہ اسکے ماتم میں ایک پردرد غزل لکھی[1] جو دیوان میں موجود اور ذیل میں درج ہی،

عمر در شعر بسر کردہ و درباختہ ام	عمر درباختہ را بار دگر باختہ ام
ساقی مصطبہ لطفم و مے ریختہ ام	طائر باغچہ قدسم و پر باختہ ام
العطش میزنم از تشنہ لبی ہر مویم	کہ قدح ہاے پر از خون جگر باختہ ام
شاید ار تلخ کشم نالہ ز حرمان سخن	طوطی گرسنہ ام تنگ شکر باختہ ام

[1] مآثر رحیمی۔

مصحف شرع نہ چون نشود محو کہ من ۔۔۔ شش ہزار آیت احکام بہ اختتام

اپنی رنج و غم کی حالت مین دفعتہ بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کے جوش مین آکر کہتا ہے، اور کیا خوب کہتا ہے

گفتہ گرست ز نظم شکر کہ ناگفتہ بجاست ۔۔۔ از دو صد گنج یکے مشت گہر تمام

اس خیال کو کہ اگرچہ میرا کلام جاتا رہا تو مضائقہ نہین پھر کہہ لونگا، کس لطیف شاعرانہ پیرایہ مین ادا کیا ہے یعنی "اگر کہا ہوا جاتا رہا تو پروا نہین شکر ہے کہ بن کہا ہوا تو موجود ہے"،

مرنے کے وقت اپنا دیوان، عبدالرحیم خان خانان کے کتب خانہ مین بھیجدیا تھا کہ مدون کر دیا جائے۔ چنانچہ سنہ ۱۰۰۱ھ مین عبدالباقی نے سراج اصفہانی کی اعانت سے یہ دیوان مرتب کیا، ترتیب داده سے ترتیب کی تاریخ نکلتی ہے۔ عبدالباقی نے اسپر ایک دیباچہ بھی لکھا ہے جسمین عرفی کے حالات اور واقعات درج کئے چنانچہ مآثر رحیمی مین اسکا ذکر کیا ہے، افسوس یہ نسخہ آج بالکل نایاب ہے ورنہ غالبًا بہت سی دلچسپ باتین معلوم ہوتین، صمصام الدولہ شاہنواز خان نے تذکرہ بہارستان سخن مین لکھا ہے کہ عرفی کا ضایع شدہ کلام بھی آخر ملگیا اور دیوان مین داخل کر دیا گیا، لیکن جو نسخے اس سے پہلے شایع ہو چکے تھے، وہ ناقص رہے، یہ بیان قرین قیاس معلوم ہوتا ہے۔ مین نے عرفی کے دیوان کے نسخے باہم مختلف دیکھے ہین، مرزا صائب نے اپنی بیاض مین جس کا نہایت عمدہ نسخہ حیدرآباد مین موجود ہے۔ عرفی کے اکثر اشعار انتخاب کئے ہین جو موجودہ دیوانون مین نہین ملتے،

کلام پر رائے

عرفی کے کلام کی تقریظ و تنقید، اور اساتذہ سلف سے اس کا موازنہ، ہم اپنی زیر تصنیف کتاب شعر العجم کے لئے اٹھا رکھتے ہین، اس موقع پر سرسری باتون پر اکتفا کیا جاتا ہے، اس قدر مسلم ہے کہ اصناف سخن مین سے عرفی مثنوی اچھی نہین کہتا تھا، اسکے ایک معتقد خاص نے بھی تسلیم کیا کہ شعر مثنویش رنگ فصاحت نداشت ؛ کان نمک بود، و ملاحت نداشت اس سے بھی انکار نہین ہو سکتا کہ اسکے کلام مین جابجا خامی پائی جاتی ہے لیکن ان سب باتون کے ساتھ

وہ ایک طرز خاص کا موجد ہو اور آج تک تمام شعرا اسکی تقلید کرتے آتے ہین مآثر رحیمی مین ہے کہ

طرز تازہ ایست کہ الحال مستعدان واہل زبان وسخن سنجان تتبع او می نمایند،

ایک عجیب بات یہ ہو کہ اسکی شاعری کی شہرت قصیدہ مین ہے لیکن وہ خود کہتا ہے

قصیدہ کار ہوس پیشگان بود عرفی — تو از قبیلۂ عشقی، وظیفہ ات غزل است

مرزا صائب نے اسکا رتبہ نظیری سے کم قرار دیا ہے، چنانچہ کہتے ہین

صائب چہ خیال است شوی ہمچو نظیری — عرفی بہ نظیری نہ رسانید سخن را

نظیری نے ایک ہم طرح قصیدہ مین عرفی کے اشعار کا رد لکھا ہو ہم ان کو اس موقع پر نقل کرتے ہین جس سے ظاہر ہوگا کہ نظیری جیسا شخص، باوجود پوری کوشش کے، عرفی کی شاعری پر اعتراض کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

دگر گفت مبادا ز راوی شعرم — درین قصیدہ بروز کمال نشانی

ترا کہ فضل بحدے بود کہ در بزمت — طیور وقت ترنم کنند سحبانی

کمال جہل و بلاہت بود کہ طعنہ زند — بہ نقص مایہ کج فہمی و غلط خوانی

عرفی نے اپنے قصیدہ مین کہا تھا کہ میرا قصیدہ کسی غلط خوان سے نہ پڑھوایا جائے، ورنہ میرا بھی وہی حال ہوگا جو کمال اسمٰعیل کا ہوا تھا، اسپر نظیری اعتراض کرتا ہے کہ خان خانان کی مجلس مین جانور بھی سحبان ہین، اسلئے یہ اندیشہ کرنا کمال حماقت ہو،

دگر نبود ز شرط ادب در آوردن — بہ سلک مدح تو مدح حکیم گیلانی

گر او بفضل فلاطون است بر کشیدہ تست — بود بہ قرب کیان اعتبار یونانی

اگرچہ سایہ ز رفعت، زمین فرو گیرد — وسے نہد بہ سپے آفتاب پیشانی

عرفی نے خان خانان کے مدحیہ قصیدہ مین حکیم ابوالفتح کی مدح بھی لکھی تھی اسپر نظیری اعتراض کرتا ہے کہ ابوالفتح کی آپکے سامنے کیا حقیقت ہو وہ آپ ہی کا ساختہ پرداختہ ہو اسلئے آپ کے ذکر کے ساتھ اس کا ذکر موزون نہین۔

وگرچہ ابرد رفشان شود، کسے نکند		کلاہ بادشہی ساکلاہ بارانی	

عرفی نے خان خانان کی مدح مین لکھا تھا کہ ابوالفتح کے غصہ کا بادل جب برستا ہے تو لوگ تیر سے محافظت کی بارانی ٹوپی ڈھونڈھتے ہین، نیظری کا یہ اعتراض ہے کہ خان خانان کی بادشاہانہ تاج کو کلاہ بارانی نہین کہنا چاہیے تھا،

اگرچہ کشور چین پر نقش مانی بود — خراب گشت بصورت بجاست نسیانی

شعر عرفی کے اس شعر کے جواب مین ہے،

ذخیرہ نہد از من کہ مانی از صورت		تمتعے برم از وے کہ صورت از مانی	

اعتراض یہ ہے، کہ اب نہ مانی موجود ہے، نہ اسکی بنائے ہوئی تصویرین، اسلئے عرفی نے ممدوح مانی سے کیون تشبیہ دی، ان اعتراضات کی جو وقعت ہے، ناظرین خود اندازہ کرسکتے ہین لطف یہ کہ ان اعتراضات کے ساتھ نیظری نے اخیر مین عرفی کی تتبع کا قصد کیا ہے، چنانچہ کہتا ہے

بہ طرز وے دو سہ بیتی دگر ادا سازم		کہ بہر دعوی او قاطع است برہانی	

عرفی کے لئے یہ فخر کیا کم ہے کہ نیظری جیسا شخص اسکی تتبع کا قصد کرتا ہے،

انتخاب اشعار عرفی کے ہان شاعری کی اکثر اصناف پائے جاتے ہین، اُن سب پر بحث کرنا اور اُنکے نمونے دکھانا شعرالعجم کا منصب ہے، اس مضمون مین ہم صرف چند اشعار پر اکتفا کرتے ہین جن مین کوئی فلسفیانہ مسئلہ یا عشق و محبت کا کوئی نکتہ بیان کیا ہے

خالق کائنات کی حقیقت نہین معلوم ہوسکتی	
حد کنہ تو بہ ادراک نشاید دانست	وین سخن نیز بہ اندازۂ ادراک من است
جسکو لوگون نے خدا سمجھا ہے وہ خدا نہین	
برفگن پردہ تامعلوم گردد	کہ یاران دیگرے رامی پرستند
آنان کہ وصف حسن تو تقریر می کنند	خواب نہ دیدہ را ہمہ تعبیر می کنند
جن چیزونکو ہم مبنی سمجھتے ہین وہ بھی نظری ہین	

هر کس نشناسندهٔ راز است وگرنه — اینها همه راز است که معلوم عوام است

عالم معرفت مین حضرت موسیٰ سے بھی زیادہ عالی ظرف درکار ہے

عشق اگر مرد است مردے تاب دیدار آورد — ورنه چون موسیٰ بسے آورده و بسیار آورد

انسان عالم فطرت کا آخری نتیجہ ہے

آن کتابے کہ نشد خاتمہ اتم — لوح محفوظ نخستین ورق است

قابلیت مادہ کی تاثیر

در دل ما، غم دنیا غم معشوق شود — بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

چنان ز عشق مہیاے تربیت شدہ ام — کہ گر ز ذرہ نظر یابم آفتاب شوم

عاشق طمع لوگون کے سامنے عشقیہ تذکرے مناسب نہین

منماے داغ عشق بہ روحانیان دلا! — اہل زکام را مدہ این گل کہ بو کنند

عبادت ظاہری، وصول الی اللہ کا ذریعہ نہین

ساکن کعبہ کجا دولت دیدار کجا — اینقدر ہست کہ در سایۂ دیوار ہست

عشق کے عالم مین شہادت ادنیٰ درجہ کی بات ہے

دو عالم سوختن نیرنگ عشق است — شہادت ابتداے جنگ عشق است

عشق ومحبت کا باہمی تعلق

این صفا حسن ومحبت بہم آموختہ اند — این دو شمع اند کہ از یک دگر افروختہ اند

ارباب معانی کا امتحان

نقاب چہرہ میانداز و راہ صومعہ گیر — کہ عشقہاے حقیقی شود مجاز آلود

مقامات مذہبی مین شکوک کا پیدا ہونا، دانشوری نہین، بلکہ مذہبی احساس کے نہ ہونے کی دلیل ہے

زنقش تشنه لبی دان بعقل خویش ننازد | دلت فریب گر از جلوه سراب نخورد

عالم محبت مین کفر و اسلام کی تمیز نہین

عاشق ہم از اسلام خراب است و ہم از کفر | پروانه چراغ حرم و دیر نه داند

پست ہمتی و بلند حوصلگی

کشادم دام بر گنجشک و شادم یاد آن ہمت | که گر سیمرغ می آمد بدام آزاد می کردم

یک سوئی

وقت عرفی خوش که بکشود و نگردید بکار | بر در نکشوده ساکن شد و در دیگر نزد

ہماری غلطی کو مخالف صحیح بھی سمجھ لے تو ہمارا کانشنس چین نہین لینے دیتا

رستم ز ندمی بقبول غلط دوست | در تابم از شکوه طبع سلیم خویش

فیاضی کے قصون سے لطف اوٹھانا گداطبعی کی دلیل ہے

بیا به ملک قناعت که در دبستانش | ز قصه ہا که به ہمت فروش طے بستند

حسن عمل کے بغیر انعام لینا بے غیرتی ہے

اگر فتم آن که بہشتم دہند بطاعت | قبول کردن و رفتن نه شرط انصاف است

عاشق کی آرزوئین اشارون مین ادا نہین ہوسکتین

ایماء و اشارت نه باندازه راز است | این رشته به انگشت نپیچی که دراز است

عشق مین لطف و قہر دونون کی قابلیت پیدا کرنا چاہیے

ہم سمندر باش و ہم ماہی که در جیحون عشق | روی دریا سلسبیل و قعر دریا آتش است

ہجر مین وصل کے مزون کا تصور

ہر شب گر از نگاہش میرم در روز وصل | می نشینم گوشه و از خود بکر میزم

اپنے محبوب سے مطلع ہونیکی تدبیر

خواہی کہ میلہائے تو روشن شود ترا ۔ یکدم منافقانہ نشین در کمین خویش

غور رسی

خیر مایۂ آسایش است، لائے شراب ۔ بگو کہ صاف کشان، جرعۂ زتہ گیرند

آزادی کی تہمت بھی رشک کے قابل ہے

حسد تہمت آزادی سروم بگداخت ۔ کاین متاعیست کہ بر تہمت او ہم حسد است

حسین بھی اپنے حسن پر مرتے ہین

دہن خویش ببوسند، ولب خویش بگزند ۔ چون در آئینہ بہ بینند بتان صورت خویش

معشوقون کو شوخی و شرارت کے بغیر دل لینے مین مزا نہین آتا

بہ ملک ہستی ما، رونہادہ سلطانے ۔ کہ ما بہ صلح دہیم و او بہ جنگ گیرد

شبلی نعمانی از علما العلوم ندوہ

الملل والنحل
اور
ابن حزم ظاہری

اسلام مین ایک مدت تک معقول و منقول دونون الگ الگ رہے، امام غزالی نے دونون کا تعارف کرایا، اور رفتہ رفتہ اسقدر بڑھا کہ آج دونون کو الگ کرنا چاہین تو نہین کرسکتے لیکن محدثین کا گروہ اخیر تک اپنے انداز پر قایم رہا، چنانچہ اس مقدس فرقے مین کوئی ایسا شخص نہین پیدا ہوا جو فلسفی یا معقولی کے لقب سے ممتاز ہو صرف دو شخص اس کلیہ سے مستثنیٰ ہین، ابن تیمیہ اور ابن حزم۔ ان دو بزرگون کے معتقدات، اور خیالات، اس امر کے اندازہ کرنے کے لیے نہایت نتیجہ خیز ہین کہ حدیث کو فلسفہ سے کس حد تک ربط ہو سکتا ہے، یہ دونون بزرگ بہت بڑے محدث اور پختہ مذہبی آدمی تھے، انھون نے گو فلسفہ مین کمال پیدا کیا تھا لیکن فلسفہ کو بالکل حقیر سمجھتے تھے اور اسلیے فلسفہ کا ان پر کچھ اثر نہین پڑ سکتا تھا، چنانچہ ابن تیمیہ نے فلسفہ کے رد مین ایک ضخیم کتاب چار جلدون مین لکھی، ابن حزم نے بھی متعدد کتابون مین فلسفہ کے مسائل رد کیے ہین،

اہل سنت وجماعت مین، عقائد کے اعتبار سے تین شاخین ہین۔ اشاعرہ، ماتریدیہ، محدثین، لیکن ایک مدت سے تمام اسلامی دنیا مین صرف اشاعرہ کی کتابین متداول اور زیر درس ہین، ماتریدیہ کے اقوال کہین کہین بعض کتابون مین آجاتے ہین لیکن محدثین کی تصنیفات سرے سے ناپید ہین، اور ان کے اقوال بھی (بجز صفات باری کے) کسی مسئلہ کے متعلق نہین پائے جاتے حالانکہ اصول و عقائد کے متعلق سب سے زیادہ انھی کی رائین معتبر ہوسکتی ہین، اب خوش قسمتی سے اس مقدس گروہ کی تصنیفات کی طرف توجہ مبذول ہوئی ہے، چنانچہ ابن تیمیہ کی کتاب استقراء العقل

منہاج السنہ اور ابن حزم کی کتاب الملل والنحل، حال مین چھپکر شایع ہوئی ہے۔ ہم اسوقت اسی کتاب (الملل والنحل) پر تقریظ لکھنی چاہتے ہین، لیکن اصل بحث سے پہلے نہایت اختصار کیساتھ، ابن حزم کے حالات لکھتے ہین۔ ان کا نام علی ابن احمد ابن سعید بن حزم ہے۔ خاندان بنو امیہ سے تھے۔ قرطبہ مین ۳۸۴ھ مین پیدا ہوے، اور ۴۵۶ھ مین وفات پائی ۔۔۔ مین حدیث کی تحصیل شروع کی، علوم دینیہ کے ساتھ منطق و فلسفہ مین بھی کمال پیدا کیا، پہلے شافعی تھے، پھر ظاہری ہوگئے یعنی ظواہر قرآن و حدیث کے سوا قیاس کو نہین مانتے تھے، بہت سی کتابین تصنیف کین جن مین بعض بڑے پایہ کی کتابین ہین، ان کی تصنیفات ۸۰ ہزار ورق مین ہے، امام غزالی نے لکھا ہے کہ مین نے ان کی ایک تصنیف دیکھی ہے جس سے انکا کمال حفظ و ذہانت ثابت ہوتا ہے۔

قاضی صاعد اندلسی لکھتے ہین کہ ابن حزم کو علوم اسلامیہ مین جو کمال تھا تمام اندلس مین کسیکو نہ تھا حمیدی کا بیان ہے کہ ہم نے انکا نظیر نہین دیکھا۔ یہ تمام واقعات، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین لکھے ہین اور آخر مین لکھا ہے کہ ابن حزم علماے کبار مین ہین، اور اجتہاد کے تمام شرائط ان مین پائے جاتے تھے۔

کتاب الملل والنحل اس کتاب مین مصنف نے فلاسفہ، ملاحدہ، مادیین، یہود، نصاریٰ، غرض اکثر اہل مذاہب کے عقاید و خیالات نقل کیے ہین اور ان کا رد لکھا ہے۔ غیر مذاہب کے رد مین علماے اسلام کی بہت سی تصنیفات ہین، لیکن اس کتاب مین یہ خصوصیت ہے کہ دوسرون کے عقائد و خیالات کو نہایت تحقیق سے لکھا ہے۔ توراۃ، اور انجیل کے محرف ہونے پر جو بحث کی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مصنف کو یہود و نصاریٰ کی کتابون پر مجتہدانہ عبور تھا، غیر مذاہب کے ابطال کے بعد مصنف نے خود اسلامی عقائد سے بحث کی ہے، اور ہر فرقہ کے ان مسایل کا رد کیا ہے جو اسکے نزدیک غلط اور باطل ہین، ہمکو صرف اسی حصہ سے بحث ہے۔ سب سے پہلے انبیا کے مسئلہ کو لکھا ہے اور نہایت تفصیل سے لکھا ہے۔ عقائد کی موجودہ کتابون مین گو یہ مسئلہ مسلم قرار پا گیا ہے کہ انبیا معصوم ہین لیکن اکثر تفسیر کی کتابون مین جو روایتین مذکور ہین

اور وہی تمام مسلمانون مین پھیل گئی ہین وہ بالکل خلاف ہین، ابن حزم نے نہایت آزادی او[ر]... ان تمام روایتون کی لغویت ثابت کی ہے حضرت داؤد کے نسبت مشہور ہے کہ انھون نے ایک اتفاق سے اوریا کی بیوی کو نہاتے دیکھ لیا چونکہ وہ نہایت حسین تھی اسلئے اس سے شادی کا ارادہ کیا، اور اسی غرض سے اسکے شوہر کو لڑائی پر بھیجا جب وہ لڑائی مین مارا گیا، تو اسکی بیوی سے شادی کر لی، قرآن مجید مین ایک موقع پر یہ واقعہ مذکور ہے کہ "دو بھائی حضرت داؤد کے پاس لڑتے ہوے آئے کہ ہمارا مقدمہ فیصل کر دیجیے جھگڑا یہ تھا کہ ایک بھائی کے پاس ۹۹ دنبے تھے، اور دوسرے کے پاس صرف ایک، وہ اس سے کہتا تھا کہ اپنا دنبہ بھی مجکو دے ڈال، حضرت داؤد نے یہ سنکر کہا کہ یہ ظلم ہے پھر ان کو خیال ہوا کہ خدا نے میرا امتحان لیا" اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ یہی حضرت داؤد کا قصہ ہے، وہ دونون آدمی نہ تھے بلکہ فرشتہ تھے، اور انھون نے اس پیرایہ مین حضرت داؤد کو متنبہ کیا کہ تمھارے ۹۹ بی بیان ہین، اور اوریا کی صرف ایک، وہ بھی تم نے چھین لی ابن حزم لکھتے ہن کہ وہ فرشتے نہ تھے بلکہ واقعی دو آدمیون مین نزاع تھی اور وہ درحقیقت انفصال مقدمہ کے لئے آئے تھے۔ ان کے الفاظ یہ ہین

وهذا قول صادق صحيح لا يدل على شيء مما قاله المستهزؤن الكاذبون المتعلقون بخرافات ولّدها اليهود. وانما كان ذلك الخصم قوما من بني آدم بلا شك مختصمين في غنم من الغنم على الحقيقة ××××× ومن قال انهم كانوا ملائكة معرضين بامر النساء فقد كذب على الله عز وجل وقوله ما لم يقل	قرآن مجید کا بیان بالکل صحیح اور سچ ہے۔ دروغ گو مسخرے جو یہودیون کے خرافات کی سند پکڑتے ہین، انکے اقوال کیطرف، اس آیت مین کچھ بھی اشارہ نہین پایا جاتا۔ وہ دونون شخص واقعی آدمی تھے اوران مین درحقیقت دُنبون کے متعلق جھگڑا تھا۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ فرشتے تھے، اور انھون نے عورتون کے قصہ کیطرف اشارہ کیا تھا، تو وہ خدا کو جھوٹ لگاتا ہے

وزاد فی القرآن ما لیس فیہ وکذب اللّٰہ عزّ وجلّ۔

اضافہ کرتا ہے جو خدا نے نہین کہی، اور قرآن پر حاشیہ چڑہاتا ہے، اور خدا کو جھوٹا بتاتا ہے،

اس کے بعد ابن حزم لکھتے ہین کہ اس قسم کی باتین بدمعاش اور پاجیون کی طرف منسوب کیجا سکتی ہین نہ کہ (نعوذ باللہ) انبیاے کرام کی طرف، اسی طرح یہ واقعہ عام طور پر مشہور، اور کتب تفسیر مین منقول ہے کہ حضرت سلیمان، گھوڑون کا جائزہ لے رہے تھے، اسمین اسقدر مشغول ہوے کہ عصر کی نماز جاتی رہی، جب ان کو خیال آیا تو گھوڑون کی پنڈلیان کٹوا ڈالین، اور جب ان کی دعا سے آفتاب دوبارہ طلوع ہوا، تو نماز عصر ادا کی، ابن حزم اس روایت کی نسبت لکھتے ہین،

فطلوبہ خرافۃ موضوعۃ مکذوبۃ سخیفۃ باردۃ والظاہر انہا من اختراع زندیق بلا شک

یہ خرافات، جھوٹ بیہودہ، اور لغو روایت ہے بظاہر یہ روایت کسی زندیق نے ایجاد کی ہے۔

ایک نہایت بالشان مسئلہ جسپر ابن حزم نے نہایت تفصیل سے بحث کی ہے، سحر اور جادو کی حقیقت ہے یہ بحث اگرچہ درحقیقت، سائنس سے تعلق رکھتی ہے لیکن چونکہ سحر کا لفظ مذہبی کتابون مین آگیا ہے اسلئے یہ ایک مذہبی مسئلہ بن گیا ہے۔ اس سے کسیکو انکار نہین کہ سحر اور جادو کوئی چیز ہے، لیکن بحث یہ ہے کہ سحر مین درحقیقت انقلاب ماہیت ہوتا ہے یا صرف شعبدہ بازی اور نیرنگ سازی کو سحر کہتے ہین۔ اکثر اشاعرہ اس بات کے قائل ہین کہ سحر کے ذریعہ سے تمام خرق عادات، وجود مین آسکتی ہین۔ اور افسوس ہے کہ عام طور پر یہی عقیدہ تمام مسلمانون مین پھیلا ہوا ہے۔ ابن حزم نے نہایت زور شور سے سحر کا انکار کیا ہے۔ اور حسب ذیل دلیلین پیش کی ہین

(۱) خدا نے کائنات کی جو ترتیب قرار دی ہے وہ بدل نہین سکتی، جیسا کہ خود قرآن مجید مین ہے لا تبدیل لکلمات اللہ علامہ موصوف نے قرآن مجید کی متعدد آیتون سے استدلال کرکے لکھا ہے،

فصح ان کل ما فی العالم مما رتبہ اللہ عزّ وجلّ

تو ثابت ہوا کہ جو کچھ عالم مین خدا نے ترتیب دیا

الا ترى ان صنعة الله التي لا تتبدل	وہ بدل نہین سکتا،

(۲) اگر سحر صحیح ہو تو معجزہ اور سحر مین کیا فرق ہوگا؟

وَیُقَالُ مَنْ قَالَ اِنَّ السِّحْرَ یَجْعَلُ الْاِنْسَانَ وَیَقْلِبُ الْحَقِیْقَةَ یَلْزَمُهٗ اَنْ لَّا یَکُوْنَ فَاَیُّ فَرْقٍ بَیْنَ النَّبِیِّ وَالسَّاحِرِ وَجَعْلُ جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ کَانُوْا سَحَرَةً کَمَا قَالَ فِرْعَوْنُ فِیْ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ اِنَّهٗ لَکَبِیْرُکُمُ الَّذِیْ عَلَّمَکُمُ السِّحْرَ	جو شخص یہ کہتا ہی کہ جادو قلب ماہیت کر دیتا ہے، اس کو کہنا چاہیے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پیغمبر اور جادوگر مین کیا فرق باقی رہے گا۔ اس صورت مین یہ احتمال پیدا ہوگا کہ تمام انبیا جادوگر ہی تھے جیسا کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کی نسبت کہا تھا کہ یہ بڑا جادوگر ہی اور اسی نے تم کو جادو سکھایا ہے

سحر کے ثبوت مین اکثر لوگ، فرعون کے جادوگرون کا واقعہ پیش کرتے ہین جو قرآن مجید مین مذکور ہے علامہ موصوف نے قرآن مجید کی متعدد آیتون سے ثابت کیا ہی کہ وہ صرف شعبدہ بازی تھی،

وہ آیتین یہ ہین۔

یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی	حضرت موسیٰ کو انکے جادو کی وجہ سے خیال ہوتا تھا کہ انکی رسیان اور لاٹھیان دوڑ رہی ہین
اِنَّمَا صَنَعُوْا کَیْدُ سٰحِرٍ	ان لوگون نے جادوگر کا کرتب کیا ہی

پہلی آیت سے ثابت ہوا کہ وہ صرف تخیل تھا، کوئی واقعی چیز نہ تھی، دوسری آیت مین کید کا لفظ ہی جسکے معنی فریب کے ہین

قرآن مجید مین ہاروت و ماروت کے متعلق مذکور ہے کہ لوگ ان سے جادو سیکھتے ہین اور اسکے ذریعہ سے میان اور بیوی مین جدائی کرا دیتے ہین، اس آیت سے بھی سحر کی واقعیت پر استدلال کیا جاتا ہی، علامہ موصوف اسکے جواب مین لکھتے ہین،

فَهٰذَا الْاَمْرُ مِمَّا یَفْعَلُهُ النَّمَّامُ	یہ ممکن بات ہی جسکو چغلخور بھی کر سکتا ہو

ایک حدیث مین ہی کہ آنحضرت پر لبید ابن اعصم نے جادو کر دیا تھا جسکی وجہ سے آپ کی یہ حالت

ہوگئی تھی کہ جو کام آپ نے نہیں کیا ہوتا تھا، اسکی نسبت آپ کو خیال ہوتا تھا کہ کر لیا ہے۔ اس حدیث کے جواب میں علامہ موصوف لکھتے ہیں۔

فليس في هذا ايضا احالة الطبيعة ولا قلب عين وانما هو تاثير بقوة تلك العناد منا لا نجد الانسان يسب او يقابل بحركة يغضب منها فيستحيل من الحلم الى الطيش وعن السكون الى الحركة	اسمیں بھی طبیعت کا بدلنا یا قلب ماہیت نہیں ہے ہم دیکھتے ہیں کہ جب آدمی کو کوئی شخص گالی دیتا ہے یا کوئی ایسی بات کرتا ہے جس سے اسکو غصہ آجائے تو اسکا حلم غصہ سے اور سکون حرکت سے بدل جاتا ہے

فلسفہ حال کے مسائل میں سب سے زیادہ جو مسئلہ مسلم الثبوت مانا جاتا ہے، قانون قدرت کا مسئلہ ہے اور کچھ شبہہ نہیں کہ اس سے زیادہ کوئی چیز قطعی اور یقینی نہیں لیکن عام خیال یہ پھیلا ہوا ہے کہ یہ مسئلہ زمانہ حال کی تحقیقات میں سے ہے یا کم از کم یہ کہ پہلے اس مسئلہ کی طرف خیال رجوع نہیں ہوا تھا، اور اسی لئے قدیم تحریر میں یہ اصطلاح موجود نہیں لیکن یہ خیال تمامتر غلط ہے فلاسفہ اسلام تو عموماً اسکے قایل تھے فقہا اور محدثین میں بھی اشاعرہ کے سوا اسکا کوئی منکر نہیں چنانچہ ابن تیمیہ نے اپنی تصنیفات میں نہایت تصریح سے اسکو لکھا ہے۔

علامہ ابن حزم نے اس بحث پر ایک مستقل عنوان قایم کیا ہے جسکے الفاظ یہ ہیں الکلام فی الطبایع[1] اس بحث میں پہلے اشاعرہ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ طبایع کے قائل نہیں، پھر نہایت تفصیل سے اسکا رد لکھا ہے۔ ان کی تقریر کا ماحصل یہ ہے، کہ عرب میں متعدد الفاظ تھے جو اس معنے میں استعمال کئے جاتے تھے مثلاً طبیعۃ، خلیقہ، عزیزہ، سجیہ، جبلت، حمید بن ثور کا شعر ہے

لکل امرئ یا ام عمرو طبیعۃ اے ام عمرو! ہر شخص کی ایک فطرت ہوتی ہے	وتفریق ما بین الرجال الطبایع اور آدمیوں میں جو فرق ہے وہ فطرتوں ہی کا ہے

[1] ملل و نحل جزو خامس صفحہ ۱۴ مطبوعہ مصر

[redacted]

یہ الفاظ آنحضرت اور صحابہ کے سامنے استعمال کیے گئے، اور کسی نے ان سے انکار نہین کیا، بلکہ آنحضرت نے یہ الفاظ استعمال فرمائے، صحابہ مین سے ایک بزرگ نے آنحضرت سے پوچھا کہ مجھ مین جو حلم اور بردباری پائی جاتی ہے وہ میری جبلت ہو یا تربیت اور کسب سے حاصل ہوئی ہو، آپ نے فرمایا نہین بلکہ خدا نے تم کو اسپر مجبول کیا ہو،،

اس استدلال کے بعد علامہ موصوف لکھتے ہین۔

وَكُلُّ هٰذِهِ الطَّبَائِعُ وَالْعَادَاتُ مَخْلُوقَةٌ خَلَقَهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَرَتَّبَ الطَّبِيعَةَ عَلٰى اَنَّهَا لَا تَسْتَحِيلُ اَبَدًا. وَلَا يُمْكِنُ تَبَدُّلُهَا عِنْدَ كُلِّ ذِي عَقْلٍ كَطَبِيعَةِ الْاِنْسَانِ بِاَنْ يَكُونَ مُمْكِنًا لَهُ التَّصَرُّفُ فِي الْعُلُومِ وَالصِّنَاعَاتِ اِنْ لَمْ تَعْتَرِضْهُ آفَةٌ وَطَبِيعَةُ الْحَمِيرِ وَالْبِغَالِ بِاَنَّهُ غَيْرُ مُمْكِنٍ مِنْهَا ذَالِكَ وَكَطَبِيعَةِ الْبُرِّ اَنْ لَا يُنْبِتَ شَعِيرًا وَلَا جَوْزًا وَهٰكَذَا كُلُّ مَا فِي الْعَالَمِ مَعْرُوفٌ بِالصِّفَاتِ وَهِيَ الطَّبِيعَةُ نَفْسُهَا

اور یہ تمام طبائع اور عادات خدا نے پیدا کئے ہین اور طبائع کو اسطرح بنایا ہو کہ وہ کسیطرح بدل نہین سکتی اور اسکا بدلنا کسی عاقل کے نزدیک ممکن نہین۔ مثلاً انسان کی فطرت ایسی بنائی ہو کہ اگر کوئی آفت نہ آئے تو وہ علوم اور ہنر سیکھ سکتا ہو۔ اور گدہے اور خچر کی فطرت ایسی بنائی کہ ان سے یہ امور ممکن نہین اسی طرح گیہون سے جو۔ یا اخروٹ نہین پیدا ہو سکتا غرض دنیا مین جتنی چیزین ہین، ان مین خاصیتین پائی جاتی ہین کہ وہی ان کی فطرت ہے

اس کتاب مین بعض خیالات بالکل جدید ہین، مثلاً یہ بحث کہ عورتین پیغمبر ہو سکتی ہین یا نہین، اسکے متعلق ہم کو جہان تک معلوم ہو آج تک کسی نے اثبات کا پہلو نہین لیا، لیکن علامہ ابن حزم کا دعوی ہے کہ عورتین پیغمبر ہو سکتی ہین چنانچہ اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھا ہے، اور قرآن مجید کی متعدد آیتون سے اسپر استدلال کیا ہو۔

عام خیال یہ ہو کہ عورتون کا درجہ مردون سے کم ہے لیکن علامہ ابن حزم اسکے خلاف ہین

صحابہ کی فضیلت پر بحث کی ہو۔ وہان اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہو، اور قرآن مجید کی جن آیتون سے

مردون کی فضیلت ثابت ہوتی ہو، ان کا جواب دیا ہو۔ (دیکھو جزو چہارم صفحہ ۱۴۰) علامہ موصوف

کا یہ خیال صحیح ہو یا نہ ہو، لیکن اس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ ہمارے زمانہ کے تعلیم یافتہ حضرات کے

ہم خیال پہلے بھی موجود تھے

شبلی نعمانی

مسلمانونکا ذخیرۂ علوم وفنون

اور

یورپ کی سرپرستی

نمبر ۱

مسلمانون کے لیے درحقیقت یہ بات سخت قابل شرم ہے، کہ جس میدان مین انھین ہمت کا قدم رکھنا تھا آج اغیار وہان بازی لے گئے ہین، عربی زبان نہ صرف مسلمانون کی مذہبی زبان ہی، بلکہ مسلمانونکی جان، روح، عنصر، جو کچھ کہو عربی ہے مسلمانون کے تمام علوم وفنون اسی خزانہ مین محفوظ ہین، لیکن کتنے افسوس کی بات ہی، کہ آج اس بے بہا خزانہ پر یورپ کا قبضہ ہی، اور مسلمان خالی ہاتھ اسکی اس جرأت کو تک رہے ہین درحقیقت مسلمانون کی غفلت سے عربی کا تمام سرمایہ تباہ ہونے والا تھا، اگر یورپ اسکی حفاظت پر آمادہ نہو جاتا، تاریخ، و ادب، کی وہ نے بہا کتابین، جنکے الگ کر دینے سے عربی کا، اور اسکے ساتھ مسلمانون کا کچکول خالی ہو جاتا ہی، صرف یورپ کی سرپرستی سے آج دنیا میں نظر آرہی ہین، صرف یہی نہین، کہ یہ سرمایہ یورپ کی بدولت بربادی سے محفوظ رہا، اور بجائے ایک کرم خوردہ نسخہ کے دنیا مین ہزارون نسخے پیدا ہو گئے، بلکہ عربی زبان، اور عربی علوم کے متعلق یورپ کی زبانون مین جس قدر معلومات اور تحقیقات کا ذخیرہ جمع ہو گیا ہی انکو ہمارے علماء کے دماغون مین ایک لمحہ کے لیے بھی جگہ نہ ملی ہو گی، عربی کے علم اللسان ، لغت، صرف، نحو، عروض،

اور قوانین کے متعلق بیسیون کتابین سی تحقیق اور جامعیت کے ساتھ لکھی گئیں ہین مگر انکا نصف حصہ بھی ہماری زبانون مین آجائے تو بیش بہا معلومات سے مالامال ہوجائین۔

ڈاکٹر لائیٹنر ہماری اس افسوسناک غفلت کو محسوس کرکے لکھتے ہین کہ مسلمان ہین تو بہت، مگر وہ جانتے کیا ہین، اگر آج عربی کی کوئی عمدہ تاریخ یا کوئی عمدہ دیوان درکار ہو، تو یورپ سے مانگنا پڑے گا۔ ابن خلدون، ابن رشد، ابن بطوطہ، حاجی خلیفہ، ابن اثیر اور مقریزی جو اسلام مین آسمان علم کے آفتاب ہین یہان ان کو کوئی جانتا بھی نہین تابط شرا، امرؤ القیس، بحتری، اور ابو تمام کا دیوان کتنے آدمیون نے پڑھا ہوگا؟ یورپ مین صدہا آدمی یہ کتابین پڑھتے ہین۔ اور ترجمہ قرآن تو لاکھون،،

ڈاکٹر لائیٹنر کو تو صرف اسکا افسوس ہے کہ ،،اگر عربی کی کوئی عمدہ کتاب درکار ہو، تو مسلمانونکو یورپ سے مانگنا پڑے،، لیکن ہمین یہ افسوس ہے کہ مسلمانونکو یہ بھی نہین معلوم کہ یورپ نے عربی کی کون کون سی نایاب کتابین چھاپی ہین اور انھین چھاپ کر ہم پر اور ہمارے علوم پر کتنا بڑا زبردست احسان کیا ہے اسلئے ہم چاہتے ہین، کہ اس مضمون کے ذریعہ علماء اسلام کو یورپ کی اُن خدمات سے واقف کرین جنکی بدولت آج انھین اسکا موقعہ حاصل ہے کہ اپنی علمی ذخیرہ کا فائدہ اٹھا رہے ہین۔ اس مضمون کے دو حصے ہین، پہلے حصہ مین یہ دکھلایا ہے کہ یورپ کو عربی اور عربی علوم پر کب توجہ ہوئی۔ اور صرف ونحو، لغت وادب کے متعلق کون کونسی قابل ذکر کتابین یورپ کی زبانون مین ترتیب دی گئین دوسرے حصہ مین اُن کتابون کی مفصل فہرست دی ہے، جو یورپ کی کوششون سے چھپکر شائع ہوئین

یورپ کو عربی اور عربی علوم کی طرف کب توجہ ہوئی؟ اور کیونکر ہوئی؟ یہ بجائے خود ایک دلچسپ مضمون ہے جسکے بیان کی یہان نہ گنجایش ہے اور نہ ضرورت، صرف اسقدر بتلانا سلسلۂ مضمون

[illegible] علوم و فنون مشرق کی ... [illegible] ... یورپ ... [illegible] ... جو عربی سے ...

مغرب مین منتقل ہو گئے [1]

دنیا کے حیرت انگیز واقعات مین غالباً یہ واقعہ بھی عجیب و غریب ہی ہے کہ یورپ کی شائستگی کی بنا ایک ایسی بالکل خونریزی نے رکھی، جو دنیا کا سب سے زیادہ نقصان کرنے والی جنگ تسلیم کی گئی ہے، گیارہوین صدی عیسوی مین جبکہ مسلمان ترقی کے انتہائی درجہ تک بلند ہو چکے تھے، یورپ مین ہر طرف تاریکی تھی، لیکن صلیبی لڑائیون نے یکایک یورپ کو موقعہ دیا کہ مسلمانون کی شائستگی کا مطالعہ کرے، بیت المقدس اور انطاکیہ مین جب رومی سلطنت قائم ہو گئی، اور مسلمانون سے ملنے جلنے کے ذرائع دوستی کے ساتھ پیدا ہو گئے، تو یورپ کی آنکھیں کھلیں، اور مسلمانون کی شائستگی کا اُسے پہلا تجربہ ہوا، شام مین فتنت آشنائی کرنے کے بعد جب یورپ کے جان بازون نے مغرب کا رخ کیا، تو یہ انبھی اپنے ساتھ لیکئے کہ مسلمان علمی و عملی ترقیات کے دنیا مین اکیلے مخزن ہین، اور تہذیب و شائستگی کا سرچشمہ اسلامی دنیا کے سوا اور کہین نہین ملسکتا

اس اثر کا یہ نتیجہ ہوا، کہ یورپ مین مسلمانون کی ترقی اور شائستگی پر عام توجہ پیدا ہو گئی، اور یہ توجہ بڑھتی گئی کیونکہ صلیبی حملون کی بدولت بار بار یورپ کا اسلامی ممالک مین گذر ہوا، اور ہر مرتبہ مسلمانون کی علمی ترقی کے حیرت انگیز آثار نظر آئے، اسلئے ایکطرف تو یورپ نے مسلمانون کی تباہی کا بیڑہ اٹھایا، اور دوسری طرف اپنے حریف کی شاگردی پر آمادہ ہو گیا!

اس ذکر مین ایک عجیب بات ہے، کہ چونکہ اس زمانہ مین یورپ مین عام تعلیم نہ تھی، اور لاطینی، یونانی زبانون کی تعلیم پادریون اور ارکین سلطنت کے لئے مخصوص تھی، اسلئے مغرب سے مشرق کی طرف جس گروہ کا

[1] [illegible] مشرقی الاصل [illegible] شائستگی [illegible]
اس مضمون کو دیکھنے [illegible] اس مستقل مضمون کا [illegible]

کی تلاش مین اوّل قدم اٹھا، وہ مذہبی پیشواؤن کا مقدس گروہ تھا، حیرت یہ ہے کہ یہی گروہ تھا جسکے پہلو بہلو اوسنے دینی کے پریشان خواب دیکھنے لگا، اور اسلامی فلسفہ کی اشاعت اسکی تعبیر بتلائی گئی۔ حالانکہ اتمامین اشاعت کا ذمہ بھی یہی نادان گروہ ہوا

گیارہوین صدی کے اوائل سے مسلمانون کے علوم وفنون پر یورپ کو توجہ ہوئی، اور چودھوین صدی کے اواخر تک فلسفہ کی تمام کتابین لاطینی زبان مین ترجمہ ہوگئین[۱]، ابتدا مین متعدد محکمے قائم کئے گئے، کہ اہل علم وہان یہودیون کی مدد سے فلسفہ کی کتابین ترجمہ کیجائین، پھر پوپ اکلر منڈس پنجم کے حکم سے عربی اور دیگر مشرقی زبانون کی تحصیل کے لئے یورپ سے نوجوان طلبا اندلس روانہ کئے گئے[۲] اندلس مین چونکہ خود عیسائی اور یہودی فلسفہ مین مسلمانون کے شاگرد رشید تھے، اس لئے یورپ کے طلبا انکی اعانت سے فائدہ اٹھا کر بہت جلد عربی اور عبرانی مین قابلیت حاصل کر لیتے۔ اور فارغ التحصیل ہو کر علمی کتابون کے ترجمون مین مشغول ہو جاتے[۳]

جن لوگون نے یورپ کے مختلف حصون سے اندلس کا سفر کیا، اور عربی زبان سے واقفیت پیدا کر کے علمی تراجم مین مشغول ہوئے، انکے نام آج تاریخی صفحات پر موجود ہین، ان مین بہت سے طالب علم ایسے ہین جنھون نے طلب علم مین حب الوطنی کے تقید سے خود کو ہمیشہ کے لئے آزاد کر لیا، اور ساری عمر طلیطلہ کے پرائیوٹ مدرسون، اور قرطبہ کے دار العلومون مین صرف کر دی، کچھ طالب علم ایسے ہین، جو فارغ التحصیل ہونے کے بعد مشرق کے ممتاز ملکون کی خاک چھانتے پھرے، اور ایک عرصہ کی تلاش وتحقیق کے بعد جب سرزمین مغرب مین قدم رکھا، تو اسلامی علوم وفنون کی معلومات سے انکا کاسۂ دماغ لبریز تھا

ہارڈمن کریمون اس زمانہ کا مشہور طبیب اور ہیئت دان ہے، یہ اپنے وطن اٹلی سے نکلکر

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۵) صفحہ پر شائع ہوگا۔ حاشیہ صفحہ ھٰذا[۱] سیاحۃ الفکری[۲] سیاحۃ البلدان صفحہ ۲۹۰
[۳] ایضاً صفحہ ۲۹۰ و ۲۲۱

بعض عربی کے شوق مین طالب علم بنا، اور ایک عرصہ کی اقامت کے بعد جب کافی واقفیت حاصل کر لی، تو متعدد کتابون کا عربی سے لاطینی مین ترجمہ کیا

پیٹر نامارٹ ایک فرانسیسی راہب تھا، جس کو جغرافیہ کا شوق دامنگیر ہوا، اسی شوق مین اندلس کا سفر کیا افریقہ کی خاک چھانی، اور مدت کی آوارہ گردی کے بعد مسلمانون سے اس علم کو حاصل کیا

ڈنیل ملی رلی اور پیٹر ناکر نے اسی طرح اندلس کا سفر کرکے عربی زبان سے واقفیت پیدا کی، آخر الذکر نے قرآن شریف کا عربی سے ترجمہ بھی کیا، اور آنحضرت کی سوانح عمری بھی لاطینی مین تصنیف کی[1]

ان کے علاوہ اور بہت سے لوگون کے نام تاریخ مین پائے جاتے ہین جنمین سے بعض کے ترجمے اور تصنیفات اس وقت تک یورپ مین موجود ہین[2]، ان کوششون نے یورپ کو مسلمانون اور مسلمانون کے علوم سے واقف کر دیا، اور اسلامی فلسفہ نے عام طور پر مقبولیت حاصل کر لی،

لیکن چونکہ یورپ مین اس وقت تک عربی زبان کی کوئی باضابطہ درسگاہ نہ تھی، اسلیے عربی زبان سے وہی خوش قسمت اشخاص واقفیت حاصل کر سکتے تھے، جنمین مشرقی ممالک کے سفر اور وہان کے اخراجات اور دقتون کے متحمل ہونے کی طاقت تھی، لیکن سولھوین صدی سے عربی زبان کی باضابطہ تعلیم خود یورپ مین شروع ہوگئی، سنہ ۱۶۲۲ مین پندرھوین گریگوری پوپ نے روم مین ایک انجمن قائم کی، جسکا مقصد گو مسیحی عقائد کی اشاعت تھا، مگر اس کے قیام سے بہت بڑا ضمنی فائدہ یہ عربی زبان کی تعلیم پر یورپ کو توجہ ہوگئی، اسکے بعد ہی سنہ ۱۶۲۷ مین خاص پوپ اربانس کے حکم سے اس انجمن کے متعلق مشرقی زبانون کا ایک مدرسہ قائم کیا گیا، تاکہ نوجوان پادری مشرقی زبانون کی تعلیم پاکر اشاعت مذہب کی غرض سے باہر جا سکین، اس مدرسہ مین خاص طور پر عربی اور سریانی زبانون کے پروفیسر مشرقی ممالک سے بلا کر مقرر کیے گئے تھے، عربی کتابین پہلے پہل یہین اسی مدرسہ

[1] سیاحۃ المعارف صفحہ ۳ [2] انسائیکلوپیڈیا طبع ثانی

بدولت چھپکر شائع ہوئیں، تعلیم کے لیے ضرورت ہوئی کہ صرف ونحو وادب کی کتابیں بھی مہیا ہوں اس لیے چند رسالے خود پروفیسروں نے لکھے، اور کچھ کتابیں قدیم زمانے کی لکھی ہوئی دستیاب ہوئیں اور انہیں نہایت اہتمام سے طبع کراکر شایع کیا۔

صرف ونحو عربی کی جو کتابیں یورپ میں لکھی گئیں اس انجمن نے عربی کے لیے جو کچھ کیا، وہ درحقیقت ایک مذہبی کام تھا، لیکن اسی زمانہ میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوگئے جنہوں نے محض ذاتی کوشش اور ذوق سے عربی زبان میں قابلیت بہم پہنچائی اور پھر صرف ونحو اور ادب ولغت کی کتابیں لکھکر یورپ میں اس مذاق کو عام کیا، ان لوگوں میں پہلا شخص آر پی نیو نامی ایک عالم ہے جو ہالینڈ کا باشندہ تھا، مشرقی زبانوں کے شوق میں وطن سے نکلکر دور دراز ملکوں کی سیاحت کی، اور متعدد زبانوں کو حاصل کرکے ہالینڈ واپس آیا، ہالینڈ میں چونکہ اسکی قابلیت کی شہرت پیشتر ہی ہو چکی تھی، اسلیے پہنچتے ہی لیڈن یونیورسٹی کا پروفیسر ہوگیا، اسکی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ ہالینڈ کے مدرسوں میں عربی زبان کی تعلیم داخل ہوگئی، اور صرف ونحو عربی پر سب سے پہلے ایک رسالہ ترتیب دیا۔[۱]

اَر پی نیو کے بعد لا من وارنر نامی ایک شخص نے عربی کی طرف خاص توجہ کی، یہ عالم ۱۶۱۹ء میں پیدا ہوا، اور ۱۶۶۵ء میں وفات پائی ۱۶۴۴ء میں مشرقی ممالک کا سفر کرکے عربی کی نادر کتابیں جمع کیں اور لیڈن یونیورسٹی کے کتب خانہ میں داخل کر دیں۔

سترھویں صدی کے اواخر تک اسی طرح خاص خاص لوگوں کی کوشش سے عربی لٹریچر کا مذاق ترقی کرتا رہا، لیکن اٹھارھویں صدی کے اوائل سے یورپ میں عربی کا وہ نیا دور شروع ہوا جس نے موجودہ زمانے کی عظیم الشان علمی ترقی کی بنا رکھی، اس دور کا مفتاح ایک فرانسیسی عالم سلویسٹر دی ساسی ہے

---

[۱] سال ولادت [illegible] اور سال وفات [illegible] ہے ... تصنیفات حسب ذیل ہیں [illegible] ابتدائی [illegible]

[illegible]

تصنیفات سے ہوا، جو نہ صرف عربی کا ماہر تھا، بلکہ مشرق کی دیگر مشہور زبانوں مین بھی کافی مہارت رکھتا تھا، علاوہ اور تصنیفات کے اسکی ایک قابل قدر تصنیف عربی کی صرف و نحو ہے جسکی دو ضخیم جلدین ۱۸۱۰ء مین چھپکر شایع ہوئین، اس کتاب مین مصنف نے ایک مفید التزام یہ کیا ہے، کہ جن جن صرفی و نحوی مسائل کو لکھا ہے، اُنکے متعلق بطور شواہد کے عربی اشعار بھی پیش کر دیے ہین [1]

اس دور مین چند اسباب ایسے جمع ہوگئے جن سے عربی پر یورپ کو غیر معمولی توجہ ہوگئی، منجملہ ان کے ایک بڑا سبب انگریزون کا ہندوستان پر تسلط ہے، مسلمانان ہند کا یہ زمانہ اگرچہ زمانہ انحطاط تھا، مگر پھر بھی عربی تعلیم کا مذاق عام طور پر موجود تھا، یہان تک کہ لکھنؤ اور دہلی کے جو علما آج زیادہ مشہور ہین، وہ اسی

[1] اس کا پورا نام بہ ان توان آیزک سیل وشر دوساسی ہے، بچپن مین صحت کی حالت اچھی نہ تھی، اسلئے ابتدائی تعلیم ایک پرائیوٹ استاد سے حاصل کی باوجود اسکے ذہن اسقدر تیز تھا، کہ عبرانی و یونانی، و لاطینی مین کافی لیاقت پیدا کرلی، بارہ برس کی عمر مین ایک فاضل راہب کی ملاقات ہوئی جسکا نام دوم بی ڈیگ نا مین تھا، اس راہب کی صحبت سے مشرقی زبانونکا شوق پیدا ہوا، اور دو تین برس کے محنت اور مطالعہ سے مشرق کی سات مشہور زبانون مین غیر معمولی قابلیت حاصل کرلی ۱۷۸۱ء مین جبکہ اسکی عمر صرف تیئس برس کی تھی، انجیل کے بعض قیمتی مسائل کا پتہ لگایا، اور ۱۷۸۵ء مین اکاڈمی آف انس کرپشن (یعنی قدیم کتبہ جات کی انجمن) کو دو قابل قدر یادگارین نذر دین، ان دو کارنامون نے اسکی شہرت دور دور تک پہنچادی، اور یورپ کی تمام علمی انجمنین اسکی قدردانی کے لیے آمادہ ہوگئین، یہ وہ زمانہ تھا، کہ فرانس مین ہر طرف پولٹیکل بے چینی پیدا ہوگئی تھی، اور عنقریب بغاوت کی آگ مشتعل ہونیوالی تھی، تھوڑے دن بعد یہ آگ بھڑکی، اور فرانس مین انقلاب ہوگیا، اس بےاطمینانی کے زمانہ مین وہ مشرقی لٹریچر کے بعض اہم تحقیقات مین مشغول تھا، کچھ عرصہ کی خونریزی کے بعد جب دوبارہ بادشاہت قائم ہوئی، تو گورنمنٹ کیطرف سے اسکی خاص طور پر قدردانی کی گئی، اور جینوا بھیجا گیا، تاکہ وہ مشرقی نسخونکا مطالعہ کرے، جو اس شہر مین محفوظ تھے ۱۷۹۵ء مین جینوا سے واپس آیا، اور اپنی تحقیقات کی رپورٹ اکاڈمی مین پیش کی، پھر ۱۸۰۶ء مین فارسی لٹریچر کا پروفیسر مقرر کیا گیا، اور نپولین اول شاہ فرانس نے بیرن کے عہدے پر سرفراز کیا، اس عرصہ مین فرانس کی پولٹیکل حالتین دوبارہ انقلاب شروع ہوا، اور ۱۸۱۵ء مین بادشاہ کی

آخری دور کی یادگار ہین، اسلئے انگریزون کو بھی عربی پر توجہ ہوئی، اس توجہ سے جو مفید نتائج پیدا ہوئے ان مین ایشیاٹک سوسایٹی بنگال اور ننہی کا نام خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، لیکن اسکا مفصل بیان آگے آئے گا، یہان اسقدر لکھدینا کافی ہے، کہ انگریز بھی فرانسیسیون کیساتھ اس دور مین برابر کے شریک ہے، مشہور انگریز عالم لمسڈن نے کلکتہ مین چند مولویون کی مدد سے ایک عمدہ کتاب صرف ونحو پر لکھکر ۱۸۱۳ء مین شایع کی اسی طرح کلکتہ مین دو اور رسالے اسی زمانہ کے قریب قریب شائع ہوئے، جن مین سے ایک رسالہ مین عربی کی چھوٹی بڑی حکایتین جمع کی تھین اور دوسرے رسالے مین الف لیلہ کے تیسرے حصہ کا انتخاب اور ترجمہ تھا، اس دور مین صرف ونحو کی تین کتابین اور قابل ذکر لکھی گئین

(۱) علامہ ای والڈ جرمنی کی صرف ونحو عربی ۱۸۳۱ سے ۱۸۳۳ تک جیکر لیپزگ سے شایع ہوئی،

(۲) علامہ کاسپری کی صرف ونحو پہلی مرتبہ ۱۸۴۸ مین جیکر لیپزگ سے شایع ہوئی، پھر علامہ اگسٹس نے ترمیم وتہذیب کے بعد ۱۸۵۹ مین دوبارہ شایع کیا، یہ کتاب اس قدر مقبول ہوئی، کہ ۱۸۹۶ء تک اس کے

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۹) خاتمہ ہو کر پیرس پر بوربون قائم ہوئی، اس زمانہ سے دوساسی کی نئی زندگی شروع ہوتی ہے، اول سرشتہ تعلیم کی کونسل کا ممبر مقرر کیا گیا، پھر ایشیاٹک سوسایٹی پیرس کا پریزیڈنٹ منتخب ہوا، یہ ایک ایسی علمی جماعت تھی جسکی بالذات بھی وہ بہت کچھ مدد کیا کرتا تھا، دی فلپ کے عہد مین شاہی توجہ پھر مبذول ہوئی، اور شاہی کتب خانہ کے مشرقی حصہ کا محافظ اور اکاڈیمی آف انسکرپشن کا لائف سکرٹری مقرر کیا گیا اس ممتاز محقق نے منجملہ دیگر کتابون کے عربی صرف ونحو پر ایک ضخیم کتاب لکھی، جو چند سال کی مسلسل محنت کا نتیجہ ہے، اسکی زندگی کا ایک بڑا کارنامہ یہ ہے، کہ اسی کی کوششون سے پارس مین اردو سنسکرت اور چینی زبانون کے پروفیسر مقرر ہوئے، اور اسی کی تجویز وہدایت سے روس اور جرمنی مین مشرقی زبانون کی تعلیم شروع ہوئی سال ولادت ۱۷۵۸ء اور سال وفات ۱۸۳۸ء صرف ونحو کے علاوہ دیگر تصنیفات حسب ذیل ہین، تذکرہ شعرائے عجم، اصول علم صرف ونحو، اسمین مختلف مصنفین عرب کے کلام نظم ونثر کا انتخاب ہے، ایک بڑے قصہ کا ترجمہ، تذکرہ فارس مذہب دروز کے حالات، یہ آخری تصنیف ہے، اہل شام کا ایک پراسرار مذہب کے حالات درج کئے ہین، انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا

پانچ ایڈیشن نکل چکے تھے،

(۴) پھر ۱۸۵۹ء میں ایک انگریز عالم الیٹ نے کابری کی صرف ونحو کو چند مطالب بڑھا کر انگریزی ترجمہ کیساتھ دو جلدون مین مرتب کیا، جو لندن مین چھپکر شایع ہوئی۔

یورپ کے علما نے جب عربی زبان پر توجہ کی، تو ان کو صرف ونحو کی ایسی کتابون کی تلاش ہوئی، جو انکے لیے مفید ہون، جب ایسی کتابین نہین ملین، تو خود انھون نے کوشش کر کے کتابین تصنیف کین اور آنے والے زمانہ کے لئے عربی زبان کی تعلیم کا سامان مہیا کیا، اس دور مین جتنی کتابین لکھی گئین، وہ اسی کوشش پر مبنی ہین،

یورپ نے عربی کے جو لغت ترتیب دیے

لیکن جو احسان یورپ نے عربی زبان پر کیا، وہ ان محققانہ لغتون کی ترتیب ہے جنکی نظیر عربی مین نہین ملسکتی سب سے پہلا لغت جو یورپ مین شائع ہوا وہ جیوین نامی ایک فاضل مستشرق کی تصنیف ہے، جو اٹلی کا رہنے والا تھا پھر علامہ جولیس نے اسکی تقلید کی، اور ۱۶۵۳ء مین اپنا عربی لغت لیڈن سے شایع کیا یہ دونون لغت چونکہ صرف عربی کے تھے اس لئے علامہ مانینسکی نے دو نہایت ضخیم جلدون مین مشرق کی تین مشہور زبانون عربی، فارسی، ترکی، کا ایک جامع لغت طیار کیا، اور ہر لفظ کا مطلب لاطینی اور جرمنی دونون زبانون مین درج کیا، اس لغت کا نام "کنز اللغات الشرقیہ" ہے ۱۶۸۰ء مین وائنا دار السلطنت اٹلی سے چھپکر شایع ہوا،

اسکے بعد علامہ فرائیٹگ نے چار جلدون مین، اور کازی مرسکی نے فرنچ مین، اور باڈجر اور لین نے انگریزی مین چار لغت طیار کئے، جو ۱۸۳۰ء سے ۱۸۸۱ء تک چھپکر شایع ہوئے ان مین پہلا لغت

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۰) اور رسیل سلہ اس کا پورا نام لمسڈن متھیو ایل ایل ڈی ہے۔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ کا عربی، اور فارسی کا پروفیسر تھا، عربی کے علاوہ فارسی مین بھی اس کی ایک صرف ونحو موجود ہے، ۱۸۰۵ء مین الیسٹ انڈیا کی ملازمت ترک کر کے انگلستان گیا، اور علمی مشاغل مین مصروف رہا، ولادت ۱۷۷۰ء، وفات ۱۸۳۵ء سلہ ولیم ناسولیس

یورپ مین زیادہ مشہور اور متداول ہے۔

ان سات لغتون مین جیسے لغت عربی کے عام لغتون کی طرح یہن

نہین کوئی خاص تحقیق یا جامعیت نہین پائی جاتی لیکن ساتوان لغت علامہ لین کا اس لحاظ سے

قابل تعریف ہے کہ اس مصنف نے نہایت کوشش سے عربی کے تمام قاموس جمع کیے اور انگریزی مین ایک

جامع لغت طیار کیا۔

لیکن جس بے نظیر لغت نے عربی کو ہمیشہ کے لیے اپنا ممنون منت بنالیا، وہ مشہور فرانسیسی مستشرق

پروفیسر دوزی کا قاموس suggLementaux Dictionnaire ہے یعنی اضافہ لغت عربی

شمس العلما مولنا شبلی نعمانی کے کتبخانہ مین یہ لغت میری نظر سے گذرا، دو ضخیم جلدون مین وہ تمام الفاظ

اور اصطلاحات جمع کئے ہین، جو عربی کے کسی لغت مین نہین ملتے، کامل پچاس برس کی محنت اور تلاش کے

یہ بے نظیر لغت طیار ہوا، تاریخ وادب اور علوم وفنون کی سیکڑون کتابین چھان ڈالین، اور جہان

کہین اس قسم کے الفاظ ملے، جمع کرلیے، پھر سیکڑون کتابون کی ورق گردانی کرکے نہایت کوشش سے

ان کا سراغ لگایا، اور تحقیق وتنقید کے بعد جو مفہوم ثابت ہوا، اُسے لفظ بلفظ درج کیا، پہلی جلد کی تمہید

مین ان کتابون کی فہرست دی ہے، جن سے اس لغت کی ترتیب مین مدد لی گئی، اسکے دیکھنے سے اس

محقق کی تلاش وتحقیق کا سرسری اندازہ ہوسکتا ہے کہ کون کونسی نایاب کتابین جمع کین، اور کس طرح انکی

مبہم اور مشکوک الفاظ کا پتہ لگایا!

مسلمانون نے جب اسپین فتح کرکے ایک متمدن سلطنت کی بنا ڈالی، تو آٹھ سو برس کے اثر نے اسپین کی

ملکی زبان مین عربی کے سیکڑون لفظ داخل کردے، یہ الفاظ آج بھی اسپینی زبان مین موجود ہین،

مگر اختلاف لب ولہجہ نے انکی صورت اسطرح بدل دی ہے کہ ان کا سراغ لگانا آسان نہین ہے،

بقیہ حاشیہ صفحہ (۳۱) مصنفہ مولوی کبیر الدین احمد مرحوم کا دیباجہ

پروفیسر دوزی نے مدت کی محنت سے ایک لغت طیار کیا ہے جس مین عربی کے وہ تمام الفاظ جمع کئے ہین، اور دکھلایا ہے کہ ان لفظون نے موجودہ صورت کیون کر اختیار کی، اور عربی مین ان کی اصلی صورت کیا تھی!

افسوس ہے کہ یہ دونون بے نظیر لغت فرنچ مین ہین، اور ہم براہ راست اُن سے فائدہ نہین اٹھا سکتے

ادب عربی کے منتخبات ان کتابون کے علاوہ ایک اور چیز قابل ذکر ہے، یورپ نے عربی علم ادب کے نہایت مفید منتخبات ترتیب دے ہین اور ان **منتخبات** مین ادب کی بعض اُن کتابون کا انتخاب ہے، جو اس وقت تک چھپکر شایع نہین ہوئین، اور یورپ کے خاص خاص کتبخانون مین محفوظ ہین، ان مین سے بعض منتخبات مین عربی کی قدیم شاعری کے نمونے دئے ہین، بعض مین ضرب الامثال اور عرب کی اصطلاحات جمع کئے ہین، اس قسم کی چودہ کتابون کے نام اسوقت ہمارے پیش نظر ہین جن مین سے دو کتابین بیروت مین، اور باقی لنڈن، برلن، اور پارس وغیرہ مین چھپی ہین،

لغت دارجہ کی صرف ونحو آجکل جو عربی عام طور پر نجد کے علاوہ تمام عرب مین مستعمل ہے، اس کو لغت دارجہ کہتے ہین، یورپ نے دارجہ کے بھی صرف نحو لکھے ہین، اور نہایت اہتمام سے لکھے ہین،

سب سے پہلے کانس نامی مستشرق نے [illegible] مین دارجہ کی صرف ونحو لکھی، اور اسپین مین چھپکر شایع ہوئی، پھر دوسیے نے لکھکر وائنا سے شایع کی، اسی طرح [illegible] تک بارہ کتابین شایع ہوئی ہین جنمین صرف ایک کتاب مصر کے ایک مسلمان عالم کی تصنیف ہے جو غالبًا یورپ ہی کی تحریک سے لکھی گئی،

لغت دارجہ کے مجموعہ امثال صرف ونحو کے علاوہ لغت دارجہ کی ان ضرب المثلون کو بھی (جو عام زبانون پر چڑھی ہوئی ہین) یورپ کے بعض عالمون نے نہایت کوشش سے جمع کیا ہے، اور عرب کے مختلف حصون کے مجموعے الگ الگ ترتیب دئے ہین، مثلا علامہ لینڈبرگ نے خاص شام کی

مترب الشلین جمع کی ہین، باد جرنے صرف مکۂ معظمہ کے امثال ترتیب دے ہین، ان مجموعون کے علاوہ سوسین نامی ایک مصنف نے ایک جامع مجموعہ امثال ترتیب دیا ہے جس مین عام طور پر دارجہ کے تمام امثال، اور حکیمانہ مقولے جمع کیے ہین:

امثال کے علاوہ جو قصے، اور چھوٹی چھوٹی حکایتین عرب کے مختلف خطّون مین مشہور ہین، اور جن سے انکے اخلاق وعادات، اور طرز معاشرت کا پتہ چلسکتا ہے، جرمنی کے چند مستشرقون نے انکو بھی نہایت تلاش سے جمع کیا ہے، اس قسم کی تین کتابین زیادہ مشہور ہین،

(۱) سوسین کا مجموعہ حکایات جسمین موصل اور ماردین کی حکایتین جمع کی ہین، یہ رسالہ مضمون کی صورتین جرمنی کے ایک اخبار مین شایع ہوا تھا،

(۲) سبی ٹابیک کا مجموعہ جو ۱۸۸۳ء مین لیڈن سے چھپکر شایع ہوا،

(۳) لینڈبرگ کا مجموعہ جو ۱۸۸۸ء مین شایع ہوا،

ابوالکلام آزاد دہلوی

لکھنو

چندہ ندوۃ العلما و دار العلوم بابت شعبان ۱۳۲۳ھ

چندہ رکنیت وعطیات ندوۃ العلما

نمبر	اسما	تعداد رقم	نمبر	اسما	تعداد رقم
۱	جناب سیٹھ حاجی رحمت اللہ حاجی قاسم احمد آباد دیخ کے پول	۶/		بڑودہ	۶/
۲	جناب سیٹھ عبدالسلیمان صاحب محمد علی الرومی		۳	جناب سیٹھ ولی محمد سلیمان صاحب گینہ جلد جھاونگر	للعہ

نمبر شمار	اسما	تعداد رقم
۴	جناب سیٹھ عثمان علی صاحب میوہ فروش جیتل سر پنجشن	للعہ
۵	جناب سیٹھ عبداللہ کا وا صاحب تاجر لطفا بھاؤنگر	عہ/
۶	جناب شیخ حسن شیخ چاند صاحب مدرس مدرسہ سرکاری بھڑوچ	۶/
۷	جناب حافظ عبدالرحیم شاہ بھائی صاحب مدرس کھنور ضلع سورت	عا/ ۶/
۸	جناب سید زین بن سید روس القادری بھڑوچ	عہ/
۹	جناب غلام محی الدین صاحب پیش امام بھاؤنگر	عہ/
۱۰	جناب شیدی جوہر لال حبشی جک والوں مسجد سورت	عہ/
۱۱	جناب منشی علی گوہر صاحب ہیڈ کلرک بارڈر ملٹری پولیس کوہاٹ	۶/
۲	**چندہ مدد کوٹہ**	
۱	جناب سیٹھ حاجی صدیق صاحب ڈوسہ تاجر النبات بھاؤنگر	

نمبر شمار	اسما	تعداد رقم
	چندہ دار العلوم	
۱	جناب مسٹر مقبول حسین صاحب ڈپٹی کلکٹر	
	پتہ جناب گڈھ بابت سفر خرچ	للعہ
	چندہ فرستادہ مولوی سجاد حسین صاحب سکریٹری معین الندوہ بارہ بنکی اودھ	
۱	جناب منشی قربان احمد صاحب وکیل بارہ بنکی	صہ/
۲	جناب منشی عبد الحفیظ صاحب سب ڈپٹی انسپکٹر مدارس	
	عبد الحمید صاحب برادر خود بارہ بنکی	
۳	جناب بابو عبد الغفار صاحب ہیڈ کلرک رنکہ	عہ/
۴	جناب منشی ممتاز علی صاحب پنشنر بارہ بنکی	۶/
۵	جناب منشی خلیل الرحمن صاحب بارہ بنکی	عہ/
۶	جناب منشی نصیر العین صاحب بارہ بنکی	عہ/
۷	جناب شبراتی صاحب باورچی سب ڈپٹی صاحب گونڈہ	عہ/
۸	جناب بدلو صاحب سائیس سب ڈپٹی صاحب موصوف	۸/
۹	منو یکہ والا بارہ بنکی	۸/
۱۰	جناب دولہا صاحب تمباکو فروش بارہ بنکی	۸/
۱۱	جناب امام بخش صاحب تمباکو فروش بارہ بنکی	۶/
۱۲	چنگا خان صاحب ملازم میونسپل	۳/

۱۳	منگا صاحب تیلی	۲ر	۳۲	جناب منشی رشید خاں صاحب	۴ر
۱۴	جناب دین محمد صاحب عرف نور بخش	۶ر	۳۳	جناب منشی اصغر علی صاحب	صہ
۱۵	جناب حسین بخش صاحب ملازم منشی سخاوت حسین صاحب	۴ر	۳۴	جناب منشی محمد اطہر صاحب	صہ
۱۶	جناب محمد صاحب دفتری	۸ر	۳۵	جناب منشی قربان احمد صاحب	۸ر
۱۷	جناب امیر بخش صاحب	۱ر	۳۶	جناب نور محمد خاں صاحب	عر
۱۸	رجو تیلی	۸ر	۳۷	جناب عبد العظیم صاحب	۸ر
۱۹	جناب وثقاتی صاحب بز قصاب	۱ر	۳۸	جناب قربان احمد صاحب [illegible]	عہ
۲۰	جناب میر بخش صاحب رنگ ساز	۲ر	۳۹	جناب کفایت اللہ صاحب دری فروش	۴ر
۲۱	جناب محمد نظیر صاحب یکہ والہ	۴ر	۴۰	جناب منشی تجمل حسین صاحب	عہ
۲۲	جناب مستان صاحب تمباکو فروش	۲ر	۴۱	جناب منشی مسیح صاحب	عر
۲۳	جناب نواب علی صاحب سب اوورسیر سول	عہ	۴۲	جناب منشی مقصود عالم صاحب	عہ
۲۴	جناب چودھری فقیر بخش صاحب ریونیو ایجنٹ	صہ	۴۳	کالیخان پان والا	۸ر
۲۵	جناب نواب حسن صاحب نقشہ نویس	عہ	۴۴	عیدو بھٹیاری	۴ر
۲۶	جناب محمد شفیع صاحب چپراسی	۴ر	۴۵	نبو حجام	۶ر
۲۷	جناب منشی حشمت علی صاحب	۲ر	۴۶	جناب نہو صاحب خیاط	عہ
۲۸	جناب ڈاکٹر مسعود حسین صاحب	عہ	۴۷	جناب منشی اعظم علی صاحب	۸ر
۲۹	جناب حاجی شہید علی صاحب	صہ	۴۸	جناب منشی اکبر علی صاحب	۸ر
۳۰	جناب عبد الکریم صاحب تاجر پشمینہ	۴ر	۴۹	جناب منشی عبد الصمد خاں صاحب	صہ
۳۱	جناب منشی علی احمد صاحب	صہ	۵۰	جناب منشی محمد سلیم صاحب	۴ر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ

مسلمانون کی علمی بے تعصبی

اور

ہمارے ہندو بھائیون کی ناسپاسی

چند روز ہوے اردوے معلیٰ مین مسیحی کی رامائن پر ایک ہندو مضمون نگار کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، مضمون کا مقصد بظاہر کتاب پر تقریظ لکھنا تھا، لیکن مضمون نگار نے تقریظ کے پردہ مین جن قیاسانہ خیالات کا اظہار کیا اس کے اقتباسات حسب ذیل ہین:

”صدیون سے ایک ایسی کتاب گمنامی کی ظلمات مین پڑی ہوئی تھی، وجہ شاید یہ ہو کہ مسلمانون نے اسے پسند نہ کیا ہوگا“

”مسلمانون نے صدیون اس ملک پر مسلسل حکومت کی اور اسکا خاتمہ بھی ہوگیا، مگر اس ملک کے علم ادب کی طرف انھون نے بہت کم توجہ کی، + + ہندو جب ان کی رعایا تھے تب بھی وہ ہندوون کے علم ادب سے بیخبر تھے“

”امیر خسرو نے یہان کی زبان کی طرف توجہ کی تھی مگر محض تفریح کے طور پر وہ ہندی زبان مین کچھ کہہ لیا کرتے تھے۔ ہندوون کی کتابون کے مطالعہ کی طرف کبھی ان کا خیال نہین ہوا نہ وہ کچھ ان کی خبر رکھتے تھے“

1 "دورِ اکبری مین جو کچھ ہوا وہ بہت محدود تھا"

"داراشکوہ نے البتہ ہندوؤن کی اونچے درجہ کی کتابون کی طرف بھی توجہ کی تھی، + + + اس کوشش کی بجائے جو آپ نے ہندوؤن کی کتابون کا مطلب جاننے کے لیے کی تھی، آپ کو کفر کا فتویٰ ملا اور جان دینا پڑی"

"ملا مسیح کے نام کا پتہ نہین چلا، صرف اتنا معلوم ہوا کہ وہ پانی پت کے رہنے والے تھے"

"اس زمانہ مین کوئی ہندو ادبی قصہ لکھنا مسلمانون کے لیے آفت سے کم نہ تھا، ہندوؤن کی کوئی بات لیتے قلم سے لکھتے ہوے مسلمان مصنف کو کافر بننے کا خوف اتنا تنگ کرتا تھا کہ وہ ایک دم گھبرا جاتا تھا، ملا مسیح نے رامائن تو لکھی ہے، مگر غریب کو بہت کچھ ثبوت دینا پڑا کہ مین پکا دیندار مسلمان ہون، کافر نہین ہوگیا ہون، شاید ان کو لوگون نے رامائن لکھنے پر آمادہ دیکھ کر کافر کہا ہوگا"

"آپ کے عذر کرنے سے یہ بات بخوبی ظاہر ہوتی ہے کہ جہانگیر کے وقت تک بھی ہندوؤن کی باتون کی طرف متوجہ ہونے سے مسلمان لوگ کافر سمجھے جاتے تھے، یہی وجہ ہے کہ مسلمانون کو ہندوؤن کے لٹریچر سے سدا محرومی حاصل رہی اور اس کا سلسلہ آج تک ویسا ہی چلا آتا ہے"

یہ مضمون اس شخص کے قلم سے نکلا ہے جو کلکتہ کے مشہور اخبار "بھارت متر" کا ایڈیٹر ہے، اردوے معلی نے اس کو بغیر کسی قسم کے ریمارک کے شائع کیا ہے، اور ہندوؤن کے مشہور اردو رسالون مین بڑی قدردانی کے ساتھ گردش کر رہا ہے۔

سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو لوگ ہندو مسلمانون کے اتحاد کی خواہش ظاہر کرتے ہین، یا جو لوگ، ان دونون فرقون مین سے کسی فرقہ کے ممتاز اور مسلم لیڈر ہین، کیا ان کے قلم سے اسی قسم کے خیالات ظاہر ہونے چاہیین؟

لیکن اس سے قطع نظر کر کے کیا در اصل یہ واقعات صحیح ہین؟ کیا مسلمان، ہندوؤن کے ادب و تاریخ جاننے کو کفر سمجھتے تھے؟ کیا داراشکوہ اسی جرم کا شہید ہے؟ کیا امیر خسرو کو ہندوؤن کی

کتابون کی مطلق خبر نہ تھی؟ کیا مسیح کی راماین مسلمانون کی تعصب کی وجہ سے گوشۂ گمنامی مین پڑی رہی؟ کیا تاریخ کے صفحون مین مسیح کا کہین پتہ نہین چلتا؟

اخیر سوال اگرچہ تمام سوالون کی بہ نسبت، کم درجہ کا سوال ہی لیکن ہمکو سب سے پہلے اسی کا جواب دینا چاہیے۔ کیونکہ اس سے اسبات کے اندازہ کرنے کا موقع ملیگا کہ ہمارے مضمون نگار دوست کو مسلمانون کے لٹریچر اور تاریخ سے کس حد تک واقفیت ہی؟ مسیح کی نسبت وہ تحریر فرماتے ہین۔

"کہ ملا مسیح کے نام تک کا پتہ نہین چلتا"

لیکن فارسی شعرا کا کوئی تذکرہ ایسا نہین جسمین مسیح کا نام، اور اُسکے حالات نہ ہون۔

تُزک جہانگیری مین مقرب خان ایک مشہور امیر تھا، جو اصل مین پانی پت کا رہنے والا تھا لیکن کرانہ مین سکونت اختیار کرلی تھی۔ مسیح اسی کا پروردہ تھا وہ دراصل کرانہ کا رہنے والا تھا لیکن چونکہ مقرب خان کے دامن تربیت مین پلا تھا، آقا کی طرح وہ بھی پانی پت کے انتساب سے مشہور ہوگیا، تذکرون مین اسکی راماین کا عموماً ذکر ہی، مآثر الامرا مین راماین کے چند منتخب اشعار بھی نقل کیے ہین۔

مسلمانون نے ہندؤن کے علوم و فنون کو جس ذوق شوق سے سیکھا اور اُنمین جو مہارت حاصل کی اسکو ہم نے اپنی کتاب تراجم (مندرجہ رسائل شبلی) مین تفصیل سے لکھا ہی افسوس ہمارے ہندو دوست نے، اس داستان کا ایک حرف بھی نہین سنا ہی، ابو معشر فلکی نے دس برس ہندوستان مین رہکر جس طرح سنسکرت کے علوم و فنون حاصل کیے، ابو ریحان بیرونی نے سولہ برس کی مدت مین جس طرح سنسکرت مین کمال پیدا کیا اور ہندؤن کے علوم و فنون پر بسوط کتاب لکھی (یہ کتاب مع ترجمہ انگریزی لندن مین چھپ گئی ہی) فیروز شاہ نے جن کتابون کا ترجمہ کرایا، اکبر نے دربار سے سنسکرت کتابون

---

[1] تزک جہانگیری مین لکھا ہو کہ اس کا اصلی وطن کرانہ تھا ۱۲

[2] مآثر الامرا حالات مقرب خان ۱۲

ترجمہ کرائے میں جو شاہانہ فیاضیاں دکھائیں، شہزادہ دانیال کو ہندی زبان کے ساتھ جو شغف تھا، آزاد بلگرامی نے ہندی صنائع و بدائع پر جو مضامین لکھے، قاسم فرشتہ نے اختیارات قاسمی لکھ کر ہندوؤں کے علم طب کو جس طرح فارسی زبان میں منتقل کیا، یہ واقعات، اگرچہ ہمارے ہندو دوستوں کے کانوں تک نہیں پہونچے، لیکن مسلمانوں کی علمی انجمن کے پارینہ افسانے ہیں اور ایسے ہم ان کو دہرانا نہیں چاہتے،

لیکن ایک عام غلطی کا رفع کردینا ضروری ہے عام خیال یہ ہے کہ پادشاہان ہندوستان میں سے سب سے پہلے جس نے ہندو پنڈتوں کو دربار میں دخل دیا اور سنسکرت کی کتابوں کے ترجمے کرائے، وہ شہنشاہ اعظم اکبر تھا. لیکن یہ ایک سخت تاریخی غلطی ہے، اکبر سے سیکڑوں برس پہلے سلطان زین العابدین فرمانروائے کشمیر نے، اس علمی صیغہ کی بنا ڈالی تھی، ہندوؤں سے جزیہ لینا بھی اول اسی نے موقوف کر دیا تھا، اور گاؤکشی بھی اس نے بند کرادی تھی،

تاریخ فرشتہ میں سلطان زین العابدین کے حالات میں ہے،

""در معابد مقررہ ہنود ادوقات تعین نمود، جزیہ ایشان مرتفع گشت، و گاؤکشی برطرف ساخت،،" ۰۰۰۰

"و شاہ بر جمیع زبانہا از فارسی و ہندی و تبتی وغیر آن بروجہ کمال مہارت درست داشت وبہ آنہا حرف می‌زد، و فرمود، تا کتب اکثری از کتب عربی و فارسی بزبان ہندی ترجمہ کردند و بدین دستور کتاب ہندی بفارسی ترجمہ کردند، و کتاب مہابھارت کہ از کتب مشہورہ ہنداست، نیز فرمود، تا ترجمہ کردند، و کتاب راج ترنگی کہ عبارت از تاریخ بادشاہان کشمیر است در عہد او تصنیف شدہ و در زمان اکبر شاہ ترجمۂ مہابھارت را کہ بدعبارت بود بار دیگر بعبارت فصیح آوردند، و تاریخ کشمیر را نیز بفارسی ترجمہ کردند،،"

ہندوؤں کو کاروبار سلطنت میں دخل دینا بھی اکبر کی ایجاد نہیں، ابراہیم عادل شاہ جو دکن کا مشہور بادشاہ گذرا ہے، اور اکبر سے بیس بائیس برس پہلے یعنی سنہ ۹۴۲ ہجری میں تخت نشین ہوا، اسنے

یا ہمکار دبار سلطنت، ہندوؤن کے ہاتھ مین دیدیا تھا، یہانتک کہ دفتر کی زبان بھی بدل دی تھی یعنے
فارسی کے بجاے ہندی کردی تھی، تاریخ فرشتہ مین اس کے حالات مین لکھا ہی،

"دفتر فارسی برطرف ساختہ، بجابنہ (یعنے برہمن) را صاحب دخل گردانید"

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ ابراہیم عادل، اکبر کی طرح، ضعیف المذہب
نہ تھا، بلکہ سخت مذہبی آدمی تھا، اسکا خاندان ایک مدت سے شیعی مذہب تھا، لیکن اسنے مذہب حنفی
اختیار کیا اور تمام ملک مین اسکو رواج دیا۔

اس قسم کے اور بھی بہت سے واقعات ہین، لیکن ہم اس وقت ان جزئیات سے بحث
کرنی نہین چاہتے، اکبر، ابراہیم عادل۔ فیروز شاہ، ابومعشر فلکی، ابوریحان بیرونی، فیضی، غلام علی
آزاد نے جو کچھ کیا، گو بہت کیا، لیکن اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہین ہوتا، اکبر وغیرہ فرمانروا تھے،
اس لیے انھون نے جو کچھ کیا، ممکن ہو کہ ملکی مصلحتون کے لحاظ سے ایسا کرنے پر مجبور رہے ہون، ابوریحان وغیرہ
وغیرہ کے کارنامے بھی، علمی مذاق کے جوش کی طرف منسوب ہو سکتے ہین، اس سے، اس بات کا ثبوت
نہین ہوتا کہ وہ ہندوؤن کے علوم و فنون کے مداح و معترف بھی تھے

آج یورپ والے ادنی ادنی قومون کی زبان، اور ان کے علوم و فنون کو سیکھتے ہین، لیکن مدح
و تحسین کے لیے نہین، بلکہ محض واقفیت کے لیے، بلکہ کبھی کبھی صرف ہنسی اڑانے کے لیے،

اصل سوال یہ ہی، کہ کیا مسلمان، ہندوؤنکے علوم و فنون کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے؟ کیا
اُن کو ہندوؤن کی سرزمین سے، مذہب سے، زبان سے، کسی قسم کا مذہبی تعصب نہین تھا؟ ہمارے
ہندو مضمون نگار نے اس سوال کا جواب، صاف لفظون مین یہ دیا ہی، کہ ہندوؤن کے علوم اور زبان کی
طرف متوجہ ہونے کو مسلمان کفر خیال کرتے تھے،،

ہمارے ہندو دوست کی تاریخ دانی سے اسی جواب کی توقع ہو سکتی تھی، لیکن حقیقت حال

ہی، کہ مسلمانون نے نہ صرف ہندوؤن کے علوم وفنون کو، بلکہ ہندوستان کی سرزمین کو بھی اُس وقعت کی نگاہ سے دیکھا کہ کسی اجنبی قوم سے کبھی توقع نہین کی جاسکتی !

اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہی کہ ہندوستان کی فضیلت نے مذہبی حیثیت پیدا کی، اور حدیث وتفسیر کی مقدس کتابون مین اس قسم کی روایتین درج کی گئین،

مولوی غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب غزلان الہند کے دیباچہ مین اپنی کتاب کی تصنیف کی غرض یہ بیان کی ہی " اول اینکہ ذکر ہندوستان بہشت نشان از کتب تفسیر وحدیث رقم باید ساخت "،

علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر دُرِ منثور مین، ابن جریر، حاکم، بیہقی، اور ابن عساکر سے حضرت علیؑ کا یہ قول نقل کیا ہی۔

اطیب ریحا ارض الهند	سب سے زیادہ خوش ہوا ہندوستان کی سرزمین ہی

اسی کتاب مین متعدد روایتین اس مضمون کی نقل کی ہین کہ حضرت آدم بہشت سے نکل کر ہندوستان مین آئے اور اپنے ساتھ وہان کی خوشبودار ریاحین بھی لیتے آئے، ایک شاعر نے اسی مضمون کو اس پیرایہ مین ادا کیا ہی:

آدم ز بہشت بین کہ افتاد بہ ہند — ہند ست، کہ نعم البدل فردوس ست

اگرچہ یہ حدیثین اور روایتین قطعاً موضوع، اور جعلی ہین، لیکن اس سے اسقدر ضرور ثابت ہوتا ہی، کہ ہندوستان کی خوبی اور لطافت کے متعلق مسلمانون کا کیا خیال تھا ؟

ہندوستان کے علوم وفنون کو مسلمانون نے جس نگاہ سے دیکھا، اسکی یہ کیفیت ہی کہ آزاد بلگرامی نے اپنی کتاب غزلان الہند مین شیخ علی رومی کی کتاب محاضرۃ الاوائل ومسامرۃ الاواخر سے یہ فقرہ نقل کیا ہی۔

اول موضع وضعت فیہ الکتب	سب سے پہلے جس سرزمین مین کتابین تصنیف کی گئین،

وانفجرت منہ ینابیع الحکمۃ کان الھند	اور جہان سے حکمت کا چشمہ نکلا، وہ ہندوستان ہی ہی

ملا محب اللہ بہاری نے مسلم الثبوت مین لکھا ہی

"بعض بزرگون نے مجھ سے بیان کیا، کہ ہندوستان کے شمالی پہاڑون مین مین نے ایک برہمن کو دیکھا، جسکو ایسے کلیات معلوم تھے، جن کے ذریعہ سے وہ ہر زبان کو سمجھ لیتا تھا"

آزاد بلگرامی غزلان الہند مین لکھتے ہین

"جمہور اتفاق دارند کہ حکماے یونان + + + در علوم ریاضی قصب السبق، از دانایان جہان بودہ اند، الا احتمال موسیقی کہ درین دو فن ہندیان پیش قدم اند + + و این دو فن را بجای رسانیدہ اند، کہ فوق آن متصور نیست، و علماے ولایات دیگر، اکثر قواعد علم حساب را از ہندیان برگرفتہ اند، قواعد علم موسیقی را احدی از دانایان ولایت دیگر تا این زمان از نغمہ سرایان ہند اخذ نکردہ، و اختصاص این فن تا حال با اہل ہند مسلم"

اسی کتاب مین ایک اور موقع پر لکھتے ہین

"آدم برنگہ، دانایان ہند در اختراع فن بدیع بسر خود اند، نہ از خرمن عرب خوشہ چیدہ اند، نہ از ساغر فرس قطرہ چشیدہ، چہ دانا علوم و علماے ایشان قدمی دارد کہ در جانب ازل حد آن نامعلوم ست"

علامہ آزاد نے غزلان الہند کے دیباچہ مین تالیف کتاب کے جو اسباب لکھے ہین انمین دو سبب یہ ہین

"سوم اینکہ بعضے صنائع علم ہندی را تعریب باید نمود"

"چہارم اینکہ فن نایکا بھید را کہ تاہنوز بجاے خود بیان شود از ہندی بعربی باید برد، و این ارمغان نکہت را، کہ مخصوص ہندیان ست، بہ خدمت عرب عربا باید سپرد"

سلطان فیروز شاہ، جو سلطان محمد تغلق شاہ کا برادر عم زاد، اور ۷۵۲ھ ہجری مین تخت نشین ہوا تھا، جب کانگڑہ کی تسخیر کے لیے گیا، اور جوالامکھی کی سیر کی، تو وہان کے کتب خانہ کو بھی دیکھا، تاریخ سیر المتاخرین مین جہان اس واقعہ کا ذکر کیا ہی، لکھا ہی :

۱؎ "و در آن مکان کتب بسیاری از براہمہ سلف (ہنود) بود، سلطان، علمای آن طائفہ را بحضور خویش طلب داشتہ، بعضی از آن را شنیدہ محظوظ گردید، و فرمود کہ بعضی از آن کتب را بفارسی ترجمہ کنند، تا مطلب آن درست و بآسانی فہمیدہ آید، مولانا عزالدین حسب الامر کتابی کہ در حکمت طبیعی از آن کتب چیدہ، مثالات آن را در سلک نظم کشید، و بکتاب فیروزشاہی موسوم گردانید، سلطان بغایت پسندید، و صلہ آن نقود بسیاری از طلا و نقرہ، و اضافۂ جاگیر مرحمت کرد، و مضمون آن کتاب اکثر اوقات مذکور محفل سلطانی می شد،"

ہمارے ہندو دوست فرماتے ہین کہ ہندوؤن کے علوم و فنون کی طرف توجہ کرنے سے مسلمان معرض خطر مین پڑجاتا تھا اور کافر خیال کیا جاتا تھا، لیکن عبارت مذکورۂ بالا سے معلوم ہوگا، کہ خطرہ کے بجاے ہندی تصنیفات کے ترجمہ کرنے سے انعام، اور منصب وجاگیرین ملتی تھین، ع ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ٭ یہ بھی لحوظ ہے، کہ فیروز شاہ اکبر کی طرح دنیا ساز، اور ظاہر دار نہین تھا، بلکہ ٹھیٹ مسلمان، اور سخت پابند مذہب، اور ان باتون کے ساتھ نہایت عادل، اور انصاف پرست تھا

حضرت امیر خسرو دہلوی نے ایک مثنوی نو بحرون مین نہ سپہر نام لکھی ہی، اسمین ایک مستقل باب ہندوستان کے فضائل کا قائم کیا ہی، اور فضیلت کے مختلف وجوہ قرار دیے ہین ان وجوہ مین سے ایک وجہ فضیلت علمی قرار دی ہی، اور اسپر دس دلیلین قائم کی ہین، جنمین سے بعض حسب ذیل ہین

(۱) یہان، تمام دنیا کی بہ نسبت علم نے زیادہ وسعت حاصل کی،

(۲) ہندوستان کے آدمی دنیا کی تمام زبانین حاصل کرسکتے ہین، لیکن اور کسی ملک کا آدمی ہندی زبان نہین بول سکتا،

(۳) ہندوستان مین دنیا کے ہر حصہ کے لوگ، علم کی تحصیل کے لیے آئے، لیکن کوئی ہندو، تحصیل علم کے لیے ہندوستان سے باہر نہین گیا،

۱؎ تاریخ فرشتہ مین لکھا ہی کہ (۱۳۰۰) کتابین تھین، جنمین سے بعض کتابون کا ترجمہ بھی ہوا ۱۲

(۴) علم حساب مین صفر، ہندوستان کی ایجاد ہی؛

(۵) کلیلہ دمنہ جو تمام دنیا کی زبانون مین ترجمہ ہوئی، ہندوستان کی تصنیف ہی،

(۶) شطرنج ہندوستان کی ایجاد ہی؛

(۷) موسیقی کو جو ترقی ہندوستان مین ہوئی، کہین نہین ہوئی؛

ناظرین کی دلچسپی اور مزید اطمینان کے لیے ہم، کتاب مذکور کے اصل اشعار حاشیہ مین نقل کر دیتے ہین[1]،

[1] دانش و در سخن ہند و شکے
اولش آن شد، کہ درین ملک بدون
ہست دوم آن کہ ز ہند آدمیان
لیک، از اقصای دگر ہست کسے
ہست خطا و، مغل و، ترک و، عرب
حجت سوم، نگر از من بہ خرد
نیز بہ طرف، از ہر طرفے اہل ہنر
لیک، بہ تحصیل علم بہر شرف
نیست نہان آن کہ سوے ہند، مگر
آمدہ دہ سال درآموخت سخن
پس فن تنجیم درآموخت چنان
ہست یقین آن کہ درین علم کسے
اورستیم خود کہ نمود ست ہمہ
حجت چارم، رقم ہندسہ بین
ہم بہ یکے صفر کہ نقشے ست تہی،
واضع این تختہ، آسانام یکے
ہند آسا، شد چو از و نام عدد
وضع شدے از برہمن نادرہ بین
حجت پنجم، بہ بیان شرح کنم
دمنہ کلیلہ، زودوداَم، سخن
گشت چو بود ست بہ معنے ہنری
حکمت ازین بہ چہ بود، کز ہمہ سو

تحت این گفت، دہ آرم بہ یکے
عمرہ جاہست (قول) اندرہ ہنر زدن
چند بگویند، بالتہا بہ بیان
گفت نیارد سخن ہند کسے
نہ سخن ہندوئے، را دوختہ لب
کان زرہ عقل، قبول ست، نزرد
در طلب سر و ہنر، کرد گذر
برہمن از ہند نہ شد ہیچ طرف
کرد ابو معشر دانشمند، گذر
در حد بنارسی آن شہر کہن
کز حکما برد (پارس) درین شیوہ عنان
ہست چو او، تجربہ کردم بسے
آن ز سیاہی ہنود ست ہمہ
کاہل جہان وضع، پے چنین
بین، چہ رموز ست چو خطش دہی
بود برہمن، کہ درین نیست شکے
ہندسہ، تخفیف شد از اہل خرد
حکمت یونان شدہ محتاج برین
عیان را بہ خرد، جستجو کنم
آنکہ ہم از ہند شناسے ست کہن
پارسی و ترکی و، تازی و، دری،
سوئے آرند حکیمان ہمہ د

حضرت امیر خسرو نے صرف ہندوؤن کی علمی فضیلت ہی کے ثابت کرنے پر اکتفا نہین کیا بلکہ
اُن کے مذہب کا بھی اسلام کے علاوہ اور تمام مذاہب سے مقابلہ کیا ہی اور ترجیح دی ہی چنانچہ فرماتے ہین

برهمن ار هستی او زنده نفس — از ثنوی کش بدوی رفته و بس
عیسویان زوج و ولد بسته برو — هندو ازین جنس نه پیوسته برو
قوم مجسم ز رسد جسم زده — برهمنان سنه دم زین قسم زده
اختریان بهفت خدا برده گمان — گفته یکی هندو و ثابت همان
قوم مشبه سوی تشبیه شده — هندو ازین پاش به تنزیه شده
خلق دگر نور و ظلم خوانده به دل — هندو ازین ها همه پیوند گسل

ان اشعار مین ہندو مذہب کی ترجیح کے وجوہ یہ بیان کیے ہین، کہ ثنوی فرقہ خدا کو دو
مانتا ہی، بخلاف اسکے ہندو ایک خدا مانتے ہین، عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہین، لیکن ہندو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۹ —

حجت ششم باشد شطرنج شنو — آنچه که از سینه برد رنج، شنو
هست هم از هند که وضع گران — این فن طرفه، که در و نیست کران
ز حد و اندازه جستند بسی — غایت و پایانش ندانست کسی
چون همه گشتند به اجماع زبون — کین چنین از صورت امکان ست برون
برتری از هند گزیدند همه — معترف عجز نشستند همه
حجت هشتم آن که سرود خوش ما — کوست بسوزد دل و جان آتش ما
هر همه دانسته که در جمله جهان — نیست برین گونه و این نیست نهان

اسی باب مین اس سے پہلے ہندوؤن کے علوم و فنون کی عام طور پر تعریف کی ہی، چنانچہ لکھتے ہین،

منطق و تنجیم و کلام ست در او — هرچه گر جز فقه، تمام ست در او
برهمنی هست که در علم و خرد — دفتر قانون ارسطو ببرد
علم دگر هرچه ز معقول سخن — بیش تری هست بر آیین کهن
و آنچه طبیعی و ریاضی ست همه — هیأت مستقبل و ماضی هست هم
رومی از ان گونه افگند برون — برهمنان راست از ان پایه فزون

(نہ سپہر) ۱۲

ہی قسم کے عقائد کے قائل نہین، فرقۂ مجسمہ خداکو صاحب جسم مانتا ہی، لیکن ہندو ایسا اعتقاد نہین رکھتے، ستارہ پرست، سات خدا مانتے ہین، لیکن ہندو صرف ایک خدا کے قائل ہین، فرقۂ مشبہہ خدا کو ممکنات سے تشبیہ دیتے ہین، ہندو، اسکے خلاف ہین، پارسی، نور و ظلمت، دو خدا مانتے ہین، لیکن ہندو اس خیال سے بری ہین،

اسی کتاب مین حضرت امیر خسرو نے سنسکرت سیکھنے کا بھی ذکر کیا ہی، چنانچہ فرماتے ہین،

من قدرے بر سر این کار شدم | در دل شان، محرم اسرار شدم
هرچه به اندازهٔ خود رمز خرد | جستم از ان قوم، و نبود انددر بود

ہمارے ہندو دوست تحریر فرماتے ہین کہ

"جہانگیر کے وقت تک بھی ہندوؤن کی باتون کی طرف متوجہ ہونے سے مسلمان لوگ کافر سمجھے جاتے تھے"

لیکن خود جہانگیر کا یہ حال تھا کہ اس زمانہ مین جو بڑے بڑے پنڈت اور سناسی موجود تھے، اور جنگلون یا کھوؤن مین زندگی بسر کرتے تھے، دشوار گذار راستے طی کرکے اُن کے پاس جاتا تھا، اور نہایت خوش اعتقادی کے ساتھ اُن سے ہندو مذہب کے حقائق و معارف سیکھتا تھا۔

جہانگیر کے زمانہ مین سب سے زیادہ مشہور سنیاسی اور ویدانت کا عالم، جدروپ تھا، جہانگیر جس شوق سے اس سے ملنے گیا ہی، اور جس خلوص و اعتقاد سے اسکی باتین سنی ہین، اسکا حال خود، تزک جہانگیری مین لکھتا ہی؛

"مکرر شنیدہ بودم کہ سناسی مرتاضی جدروپ نام، کہ چندین سال ست، کہ در یکے از معمورۂ اُجین درگوشۂ صحرا با یادالہی دورفتہ جدو مشغول پرستش معبود حقیقی ست، خواہش صحبت بسیار داشتم، وقتیکہ در دارالخلافت آگرہ بودم، میخواستم

سلہ امیر خسرو کے ان اشعار کے پڑھنے کے بعد مضمون نگار صاحب کی اس رائے پر نظر ڈالو کہ، "امیر خسرو نے بھاشا کی زبان پر توجہ کی تھی، مگر محض تفریح کے طور پر، ہندوؤن کی کتابون کے مطالعہ کیطرف کبھی اُنکا خیال نہین ہوا، نہ وہ انکی کچھ خبر رکھتے تھے" ! یہی ہماری نامہربان ہمعصرون کی تحقیقات

را او طلبیده دیدیم، تماشا با ملاحظهٔ قصد بیداد کرده نطلبیدم، چون بحوالی شهر مذکور رسیدم، در کشتی برآمده نیم پاؤ کروه پیاده بدیدن او متوجه گشتم،،

،، علم بیدانت را که علم تصوف باشد خوب ورزیده، تا شش گهری با او صحبت داشتم، سخنان خوب مذکور ساخت چنانچه خیلی در من اثر کرد[1]،،

اسی کتاب مین ایک دوسرے موقع پر لکھتا ہی۔

،، باز خاطر را به ملاقات گسائین جدروپ رغبت افزود، بے تکلفانه بکلبهٔ وی شتافته صحبت داشته شد، سخنان بلند میان آمد، حق جل و علا غریب توفیقی ارزانی فرموده، فهم عالی و فطرت بلند، و مدرکهٔ تند را با دانش خدا داد جمع کرده دل از تعلقات آزاد ساخته، پشت پا بر عالم و مافیها زده، در گوشهٔ تجرد بے نیازی و غنی بے نیاز نشسته ... روز یکشنبه چهاردهم باز به ملاقات ایشان رفته، از وی وداع شدم، بے تکلف، جدائی از صحبت او بر خاطر حقیقت گزین گرانی نمود[2]،،

ان الفاظ کو پڑھو، اور انصاف کرو، کہ کیا کسی شخص کے ساتھ اس سے زیادہ خوش اعتقادی، اخلاص، اور گرویدگی کا اظہار کیا جا سکتا ہی؟ ایک ایسے باعظمت شہنشاہ کا، ایک ہندو فقیر بینوا اسکے پاس پاؤ کوس زمین، پاپیادہ چل کر جانا، چھ چھ گھڑی تک اسکی خدمت مین حاضر رہنا، اسکی باتون سے کمال درجہ متاثر ہونا، اسکے فضائل و کمالات، اور قطع تعلقات دنیاوی پر حیرت ظاہر کرنا، چلتے وقت، اسکی جدائی کا سخت افسوس ہونا، کیا اسی کا نام تعصب ہی؟ کیا ایک ہندو بھی کسی اپنے ہم مذہب پیشوا کے ساتھ اس سے زیادہ خلوص اور عقیدت ظاہر کر سکتا ہی؟

جہانگیر کی یہ حالت جدروپ کے ساتھ مخصوص نہ تھی، وہ عمومًا ہندو علما و فضلا کی صحبت پسند کرتا تھا، تزک مین اس قسم کے بہت سے واقعات درج کیے ہین، ایک موقع پر لکھتا ہی،

---

[1] تزک جہانگیری صفحہ (۱۷۵) و (۱۷۶) ۱۲

[2] تزک جہانگیری صفحہ (۲۷۹) و (۲۸۰) ۱۲

"در ہمین منزل، شب شیورات واقع شد، جوگی بسیار جمع آمده بودند، لوازم این شب بفعل آمده، دبا داناپان این طائفہ صحبتہا داشتہ شد،"

جہانگیر کے زمانہ مین ایک اور بنّاسی صاحب کمال تھا. جہانگیر اسکی خدمت مین بھی حاضر ہوا، چنانچہ خود تزک جہانگیری مین لکھتا ہی،

"در کنار تال کاکریہ، بنّاسی کہ از مرتاضان طائفہ ہنود اند، کلبۂ در ویشانہ ساختہ، منزوی بود، چون خاطر ہموارہ بصحبت درویشان راغب ست، بے تکلفانہ، بملاقات او شتافتم، روزے چند صحبت او دریافتم، خالی از آگاہی معقولیت نیست، و بہ آئین دین خود از مقدمات صوفیہ، وقوف تمام دارد"[له]

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہی، کہ یہ وہی جہانگیر ہی جسکی نسبت، ہمارے ہندو دوست نے اسی مضمون مین لکھا ہی،

"جہانگیر کی توجہ اس طرف (یعنے ہندوؤن کی باتون کی طرف) نہ تھی، اپنی بدنام زندگی سے (خدا کا نام ہی) حضرت کو فرصت ہی کہان تھی، جو اور طرف متوجہ ہوتے،"

اس امر کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے، کہ جہانگیر اپنے باپ کی طرح ضعیف المذہب، اور سست عقیدہ نہ تھا، بلکہ مذہبی باتون مین نہایت تعصب رکھتا تھا. وہ اکبر کی طرح ہندوؤن کے عقائد کا معترف نہ تھا، بلکہ اُن سے مذہبی مباحثہ کیا کرتا تھا، ایک مناظرہ کا ذکر خود اپنی تزک مین کیا ہی، اور فخر کے لہجہ مین لکھا ہی، کہ ہندو آخر ساکت ہوگئے، صوبہ بہار کا راجہ، جسکا نام روزافزون تھا، اسی کی فیض صحبت سے اسلام لایا، چنانچہ تزک مین لکھتا ہی،

"روزافزون، کہ از راجہ زادہا ے معتبر صوبہ بہار بود، واز خوردی باز بہ خدمت حضور قیام می نمود، او را بہ شرف اسلام مشرف ساختہ، الخ"

[له] صفحہ (۲۲۰) مطبوعہ علی گڈھ ۱۲

باایں ہمہ اُسکی بے تعصبی کا یہ حال تھا کہ جب کسی شخص کو مرید کرتا تھا، (سلاطین تیموریہ، لوگون کو مرید بھی کیا کرتے تھے، اور اُن سے بیعت بھی لیتے تھے) تو اُس سے یہ اقرار لیتا تھا، کہ کسی مذہب وملت سے عداوت نہ رکھے گا، چنانچہ خود لکھتا ہے،

در وقت ارادت آوردن مریدان، چہار عدد بطریق نصیحت مذکور می گردد بایدکہ وقت خود را بدشمنی ملتہا منغص نسازد، با جمیع ملل طریق صلح کل مرعی دارند،[سلہ]

ملا مسیح، اور ان کی رامائن کے متعلق جو خیالات ہمارے ہندو دوست نے ظاہر کیے ہین اُنکی کیفیت ہی کہ بے شبہہ رامائن کو قبول عام نہین حاصل ہوا، لیکن اسکی وجہ تعصب نہین ہی، مسیح ایک معمولی درجہ کا شاعر تھا، اُس کے کلام مین فارسیت کا مزہ بالکل نہین، اساتذۂ فن مین وہ کبھی شمار نہین کیا گیا، وہ رامائن کے بجاے، اگر صحابہ کے حالات بھی لکھتا تب بھی کوئی نہ پوچھتا، رامائن کو اسقدر مقبولیت بھی ہوئی تو صرف اس وجہ سے، کہ ایک نیا مضمون تھا، فردوسی نے شاہنامہ مین گبرون کے قصے لکھے، صولت ترکستانی نے صولت فاروقی مین حضرت ابوبکرؓ وحضرت عمرؓ کے فتوحات نظم کیے، اور فردوسی کو مالیان دین کہ اسنے کافرون کے نام کو کیون زندہ کیا چنانچہ فرماتے ہین۔

ازین پیش شاید سخن گوے طوس | بہ دروغ سخن آتش از جوے طوس
مغ [illegible] پرست | بہ بیعت، بہ ہر بوشے دادہ دست
دلش گبر، جان گبر، و گبری زبان | زگبران، بہ گبری زبان قصہ خوان،

لیکن نتیجہ کیا ہوا؟ فردوسی کا شاہنامہ، بچے بچے کی زبان پر ہی، اور صولت فاروقی کا کوئی نام بھی نہین جانتا، اگر مسلمانون مین تعصب ہوتا تو نتیجہ اسکے برعکس ہونا چاہیے تھا، ملا مسیح صاحب اگر خود بانی اسلام کے حالات لکھتے، تب بھی مقبول نہ ہوتے،

سلہ تزک جہانگیری صفحہ (۲۸) ۱۲

ملا مسیح کے جو اشعار، ہمارے ہندو دوست نے نقل کیے ہین، بے شبہہ وہ تعصب سے لبریز ہین، لیکن مسلمانون کے تعصب کا اندازہ، حضرت امیر خسرو، ابو معشر فلکی، ابو ریحان بیرونی، عبد الجلیل بلگرامی، فیضی، ملک محمد جائسی، آزاد بلگرامی، سلطان فیروز شاہ، ابراہیم عادل شاہ، اکبر، جہانگیر، دانیال، عبد الرحیم خان خانان سے کرنا چاہیے؟ یا بیچارے مسیح پانی پتی اور صولت ترکستانی سے جنکو کوئی جانتا بھی نہین۔

شبلی نعمانی
دار العلوم ندوہ

المرأۃ المسلمہ

نمبر (۱)

تعلیم اور خیالات کے اختلاف نے آجکل ہندوستان مین دو گروہ پیدا کر دیے ہین، قدیم تعلیم کی یادگار اور نئی تعلیم کا تربیت یافتہ. تقریبا یہی حال مصر کا ہی، نئے اور پرانے گروہ مین جو حد فاصل یہان نظر آتی ہی، وہان بھی قائم ہی، لیکن اس مماثلت کے ساتھ بڑا فرق یہ ہی، کہ یہان نئی تعلیم نے ذریعۂ ملازمت ہونے کے ساتھ، اور کوئی فائدہ قوم اور لٹریچر کو نہین پہنچایا، لیکن مصر مین نئی تعلیم نے ذریعۂ ملازمت ہونے کے ساتھ نسبتاً عمدہ نتائج پیدا کیے ہین، نئے گروہ مین علمی مذاق پیدا ہو چلا ہی، جو تصنیفات آج عربی لٹریچر کا مایۂ ناز سمجھی جاتی ہین، تقریبا تمام تر نئے گروہ کی کوششون کا نتیجہ ہین، اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہی، کہ ہندوستان مین نیا گروہ اگرچہ ضروریات زمانہ سے باخبر ہی، اور یورپ کے قدم بقدم چلنا چاہتا ہی، مگر چونکہ اپنی حالت کی بیخبری، اور تعلیم کے نقص نے امتیاز صحیح کا مادہ سلب کر دیا ہی، اس لیے اس امر کی قدرت نہین رکھتا

حسن و قبح مین تمیز کر سکے، برخلاف اسکے مصر کا نیا گروہ یورپ کی ہر ادا کو شیفتگی کے ساتھ دیکھتا ہی، مگر نقادانہ نظر بھی رکھتا ہی، جو نئے مباحث یورپ کی تقلید نے پیدا کر دیے ہین، وہ ہندوستان کی طرح مصر مین بھی پیش ہوتے رہتے ہین، مگر موافقانہ یا مخالفانہ جو کچھ اس پر لکھا جاتا ہی، وہ یہان کی نسبت زیادہ شائستہ اور مدلل ہوتا ہی،

نئے مباحث مین ایک بڑی بحث عورتون کی آزادی یا پردہ کی ہی، ہندوستان کی طرح مصر مین بھی تھوڑے دنون یہ بحث چھڑ گئی، مصر کی تعلیم یافتہ سوسائٹی کے ایک ذی اثر ممبر مسٹر قاسم امین بک ہین، جو کسی زمانہ مین پردہ کے سخت مؤید تھے، اور یورپ کی موجودہ آزادی کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے، فرنچ مین ایک رسالہ بھی پردہ اسلامی کی تائید پر لکھا تھا، جسنے فرانس مین کچھ دنون کے لیے ہل چل مچا دی تھی، لیکن پھر تھوڑے دنون بعد انکی رائے مین انقلاب ہوا، اور یورپ کی آزادی کی جگہ پردہ کو نفرت کی نگاہ سے دیکھنے لگے، چونکہ گذشتہ غلطی کا کفارہ ضروری تھا، اسیلیے پردہ کی مخالفت، اور آزادی نسوان کی ضرورت پر یکے بعد دیگرے دو رسالے لکھکر شائع کیے جنمین سے پہلے رسالے کا نام تحریر المراۃ[1]، اور دوسرے کا نام المراۃ الجدیدہ ہی، ان دو رسالون نے اہل مصر کو نئے سرے سے اس مسئلہ پر متوجہ کر دیا، قاسم امین بک کی تردید مین معمولی مضامین کے علاوہ پانچ رسالے علی الترتیب لکھے گئے جنمین سے ایک رسالہ بیروت کے کسی عالم کی تصنیف ہی اور چار رسالے مصر کے تعلیم یافتہ اشخاص کے قلمون سے نکلے ہین، انھین رسالون مین ایک رسالہ المراۃ المسلمہ بھی ہی جو مصر کے مشہور مصنف فرید وجدی کی تصنیف ہی، اس مضمون کے ذریعہ ہم اردو خوان پبلک کلاس کو قابل قدر مباحث سے واقف کرنا چاہتے ہین، جس سے ایک طرف تو آزادی نسوان کے مسئلہ پر مفید روشنی

---

[1] تحریر المراۃ کا ترجمہ اردو مین شائع ہو چکا ہی، ناظرین اگر اسکے ملاحظہ کی تکلیف گوارا فرمائین، تو اس امر کا اندازہ کر سکتے ہین کہ پردہ کی مخالفت اور آزادی کی حمایت مین جو طریق استدلال اور طرز تحریر مصر کی مخالف پارٹی نے اختیار کیا ہی وہ بنسبت ہندوستان کے کس قدر شائستہ، اور مدلل ہی، ۱۲

پڑے گی، اور دوسری طرف اس امر کا بھی اندازہ ہوجائے گا، کہ مصر کا نیا علمی مذاق ہندوستان کے موجودہ مذاق سے کس درجہ مختلف ہی؟۔

ہندوستان مین تقریبًا بیس برس سے اس مسئلہ پر خامہ فرسائی ہو رہی ہی اور ایک خاص لٹریچر اس موضوع پر طیار ہو گیا ہی، لیکن اس تمام دفتر کا یہ حال ہی کہ نئے گروہ نے جس قدر پردہ اور تقیید کی خرابیان دکھلائی ہین، وہ خود نہین دکھلائی ہین، بلکہ یورپ کے اثر مین محیط ہو کر دکھلائی ہین، یورپ کے رعب نے اس طرح انھین دم بخود کر دیا ہو، کہ ایک لفظ بھی اسکی مخالفت مین نہین کہ سکتے، اس لیے وہ یورپ ہی کی آواز ہی جو ہیئت کی جگہ طرز روش سے ترچھے ہوئے سرون سے نکلتی ہی جن لوگون نے پردہ کی تائید مین رسالے لکھے ہین، انمین بڑی جماعت قدیم تعلیم یافتہ لوگون کی ہی، چونکہ ان لوگون کی نظرون سے یورپ کا حال پوشیدہ ہی، اس لیے جو کچھ لکھتے ہین، مذہب کی بنا پر لکھتے ہین، اور مذہب ہی ایک ایسی چیز ہی جسکا جادو نئے گروہ پر کارگر نہین ہو سکتا۔

فرید وجدی چونکہ یورپ کی متعدد زبانون سے واقفیت رکھتا ہی، اور خود تعلیم یافتہ سوسیٹی کا ایک فاضل ممبر ہی، اس لیے اس نے جو کچھ لکھا ہی محض یورپ کے اقوال و حالات کو پیش نظر رکھکے لکھا ہی اس بنا پر ظاہر ہی کہ المرأۃ المسلمہ جس قدر نئے گروہ پر اثر ڈال سکتی ہی، ہمارے یہان کی مذہبی تحریرون سے اس قدر توقع نہین ہو سکتی ہی

عورتون کی آزادی کا مسئلہ در حقیقت ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہی، یورپ کا طرز عمل اگرچہ اسکی تائید مین ہی، لیکن جمہور کی آواز نہایت سختی سے اسکی مخالف ہی، ایک بڑی باریک بین جماعت موجود ہی، جو اس آزادی کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتی ہی، اور اس خطرناک زمانہ کا یقین کے ساتھ منتظر ہی جب اس آزادی کا لازمی نتیجہ، تمدن اور معاشرت کی بنیادین متزلزل کرے گا، ہمارے یہان کے مخالفین پردہ یورپ کے طرز عمل کو تو شوق کی نگاہون سے دیکھتے ہین، لیکن چونکہ نظرین کوتاہ، اور معلومات محدود ہین، اس لیے

مخالف جماعت کی رایون سے واقفیت نہین رکھتے . پردہ کے مؤیدین یورپ کی زبانون، اور حالات سے محض بیخبر ہین، اس لیے انکی رائے بھی اس میدان مین سبقت نہین لیجا سکتی، فرید وجدی، چونکہ یورپ کے اقوال وحالات پر وسیع نظر رکھتا ہی، اُس لیے اس نے اول اُن تمام لوگون کی رائین ڈھونڈھ ڈھونڈھکر جمع کی ہین، اور دکھلایا ہی، کہ جس ملک کے طرز عمل پر فریفتہ ہوکر مصلحت، اور تمدن کے فوائد سے چشم پوشی کرتے ہو، خود اُس ملک کے اہل الرائے، اور موجودہ مدنیت کے مجدد اس طرز عمل کو کس نگاہ سے دیکھتے ہین، پھر مشاہیر علمائے یورپ کے خیالات پیش کرکے ہمدردانہ لہجہ مین نصیحت کی ہی، کہ محض ظاہری آزادی کے کرشمہ پر بیخود نہو جاؤ، کیونکہ جن نتائج کی بنا پر آزادی کا شور مچاتے ہو، وہ خیر سے یورپ مین بھی مفقود ہین ـ

اس سرسری رائے کے بعد اب ہم المرأۃ المسلمہ کے اہم مباحث کی طرف متوجہ ہوتے ہین ـ

عورتون کی آزادی کی حمایت مین اسوقت تک جسقدر ذخیرہ جمع ہوچکا ہی، اسمین اہم اور قابل بحث صرف تین مسئلے ہین، انکے علاوہ اور جتنی باتین پیش کی جاتی ہین، وہ دراصل انھین تین مسئلون کی شرح وتفسیر مین داخل ہین ـ

(۱) (الف) انسان فطرتاً آزاد ہی، اور اس فطری آزادی مین کوئی خصوصیت ثابت نہین ہوتی پھر وہ کونسا معیار ہی جس کی بنا پر انسانون کا ایک گروہ تو اس آزادی سے فائدہ اٹھائے، اور دوسرا گروہ محروم رکھا جائے؟ (ب) جب انسانی قوا کی عقلی نشوونما تمدنی اور شائستہ زندگی کے لیے ضروری ہی تو پھر اس کی کیا وجہ ہی کہ عورتین اس عقلی نشوونما سے محروم رکھی جائین؟ مردون نے علوم وفنون، انتظام سیاست اور دنیا کے تمام تمدنی مشاغل اپنے لیے مخصوص کرلیے ہین، اور عورتین اس دنیا سے بالکل الگ کھی جاتی ہین، اول تو انھین تعلیم دی ہی نہین جاتی، اور اگر کسی کا نرم دل انکے مظلومانہ حال پر متاسف ہوتا بھی ہی تو صرف معمولی تعلیم انکے لیے کافی خیال کی جاتی ہی، کیا وہ انسان نہین ہین، کیا انمین دماغی قوتین موجود

نہیں ہین، ؟ اگر جواب اثبات مین ہی، توکیا یہ صریح ظلم نہین ہی، کہ علمی دنیا کے شائستہ مشاغل سے انھین
یک ملت محروم کردیا جائے ؟

(۲) اس وقت تک عورتین علمی لذت سے محض ناآشنا ہین، اور یہ تمام تمدنی میدان کل کا کل
مردون کے قبضہ مین رہا، اسلیے یہ کہنا بھی صحیح نہین، کہ انہین مردون کی طرح دماغی ترقی کی صلاحیت نہین
ہی، کیونکہ اسوقت تک انھین ترقی کا موقع ہی کب دیا گیا ؟ یورپ نے آج علم تشریح اور فزیالوجی کی تحقیقات
سے ثابت کردیا ہی، کہ مرد اور عورت دماغی قوتون مین بالکل برابر ہین، اور ثبوت کے ساتھ انھین عام
آزادی بھی دیدی ہی، اس کا نتیجہ یہ ہی کہ یورپ مین کوئی کام ایسا نہین ہی جسے مردون کی طرح مغربی عورتین
انجام نہ دیتی ہون، ڈاکٹر عورتین ہین، پروفیسر عورتین ہین، مصنف عورتین ہین، اور لکچرار عورتین ہین
غرضکہ ہر میدان مین مردون کے برابر ترقی کررہی ہین، یہ نظیر بھی بتلا رہی ہی، کہ اگر عورتون کو مردون کے
تسلط سے نجات ملے، اور اعلیٰ تعلیم سے مردون کی طرح فائدہ اٹھائین، تو وہ کسی چیز مین مردون سے
کم رتبہ ثابت نہین ہوسکتین۔

(۳) مشرق نے جو ظالمانہ رائے عورتون کے متعلق زمانۂ جاہلیت مین قائم کی تھی، اسوقت
تک اسپر قائم ہی، مسلمان عام طور پر عورتون کو ناقص العقل خیال کرتے ہین، اور فتنہ وفساد کی جڑ سمجھتے ہین، برخلاف
اس کے یورپ، عورتون کی غیر معمولی عزت اور احترام کرتا ہی، اور مردون سے کسی امر مین کم نہین سمجھتا
یہ تین باتین، وہ ہین، جو آج مصر وہندوستان مین پردہ کا ہر مخالف زور شور سے پیش کرتا ہی، اور
انکی تشریح وتفسیر مین عجیب عجیب نکتہ آفرینیان کی جاتی ہین، اسلیے فرید وجدی نے مرأۃ المسلمہ مین انھین
تین مسئلون کو پیش نظر رکھا ہی، اور ان کے متعدد گوشے کرکے تیرہ فصلون مین الگ الگ بحث کی ہی
ان فصلون مین اہم مباحث یہ ہین۔

(۱) عورت کیا ہی ؟

(۲) عورت کا طبعی وظیفہ کیا ہی؟

(۳) کیا مرد اور عورت جسمانی طاقت مین مساوی ہین؟

(۴) کیا عورتین علمی دنیا مین مردون کے ساتھ شریک ہوسکتی ہین؟

(۵) کیا عورت کو مردون سے پردہ کرنا چاہیے؟

(۶) کیا پردہ عورتون کے لیے غلامی کی علامت ہی؟ اور کیا آزادی کا منافی ہی؟

(۷) کیا پردہ عورتون کی ترقی وکمال کا مانع ہی؟

(۸) کیا پردہ کا عام اثر زائل ہوسکتا ہی؟

(۹) کیا موجودہ مادی مدنیت کی عورتین کامل عورتین ہین؟

آخر مین بحث کی ہی کہ تعلیم نسوان کا بہترین طریقہ کیا ہی لیکن یہ مسئلہ ہماری بحث کے دائرے سے باہر ہی، اس لیے اس کو کسی دوسرے مضمون کے لیے اُٹھا رکھتے ہین، اب ہم فرداً فرداً ان چارون مسئلون پر نظر ڈالتے ہین، اور دیکھتے ہین کہ المرأۃ المسلمہ نے ان پر کسی طرح بحث کی ہی، کیا کیا دلائل پیش کیے ہین، کن کن لوگون کی رایون سے استشہاد کیا ہی، اور اپنے حریف کے مقابلہ مین کہانتک کامیابی حاصل کی ہی

پہلا مسئلہ

قدرت نے مخلوقات کو مختلف جنسون، اور مختلف گروہون مین تقسیم کردیا ہی، اور ہر گروہ کے خاص خاص فرائض، اور خاص خاص وظائف قرار دیے ہین، ان تمام فرائض کی انجام دہی کے لیے چونکہ ایک ہی قسم کی جسمانی حالت اور دماغی قابلیت کافی نہ تھی، اس لیے جس گروہ کے متعلق جو کام کیا گیا، اسی کے موافق اسکو دماغی و جسمانی قابلیت عطا کی گئی، فرائض کے اختلاف کے ساتھ ضروریات زندگی کا بھی مختلف ہونا ضروری تھا، اسیلیے ہر گروہ کو اسی قسم کے داخلی اور خارجی اعضا دیے گئے جس

قسم کی ضرورتین اسکو پیش آتی ہین، عام حیوانات پر نظر ڈالو! اونٹ کی غذا جنگل کی خاردار گھانس ہے اسلیے اسکو ویسی ہی زبان اور اسی قسم کے دانت بخشے گئے جوان تیز و سخت شاخون کو آسان سے چبا سکتے ہین اور انکی سختی کے متحمل ہونے کی طاقت رکھتے ہین، شیر کی غذا دوسرے زندہ حیوان ہین، اس لیے اس کے پنجے نہایت تیز و سخت، اور ایسے خاردار بنائے گئے، جنکا ایک ہی وار بھیڑ اور بکری کی ہلاکت کا باعث ہوسکتا ہی، انھین فرائض کی انجام دہی کا مجموعی نام تمدن یا نظام عالم ہی، جب کوئی گروہ اپنے طبعی فرائض کے ادا کرنے مین کوتاہی کرتا ہی، تو فوراً نظام تمدن کی بنیادین ہلنے لگتی ہین۔

بیشک انسان فطرتاً آزاد ہی اور یہ آزادی ایک ہرارادی اور غیرارادی فعل سے ظاہر ہوتی ہی، لیکن آزادی کو تسلیم کرتے ہوے، اس امر کو فراموش نہین کرنا چاہیے، کہ انسان کا اپنے حقیقی فرائض کو ادا کرنا نظام تمدن کا اصلی عنصر ہی، انسان ان مختلف قوتون کے مجموعی کا نام ہی جنمین بعض قوتین اگر صفات حسنہ کی طرف آمادہ کرتی ہین، تو بعض قوتین برائیون کے لیے ترغیب دیتی ہین، اسمین سیکڑون خواہشین اس اس قسم کی موجود ہین جنکے اثرات مین محیط ہوکر وہ عقل و تمیز کو کھو بیٹھتا ہی، تعلیم اور سوسائٹی کا خارجی اثر بسا اوقات ان طبعی قوتون کے اثرات کو دبا اور تیز کرکے اسطرح اسپر اپنا تسلط قائم کرلیتا ہی، کہ جمادات و نباتات کی طرح مجبور محض ہوکر انھین کے اشارون پر چلتا، اور انھین کی تحریک پر ہر کام کے لیے آمادہ ہوتا ہی، ایسی حالت مین نہ اُسے اپنے فرائض یاد رہتے ہین، نہ دوسرے کے فرائض کی کچھ پروا کرتا ہی، ظاہر ہی کہ اس تسلط سے نکلنے کے لیے: علم و فضل کام آسکتا ہی، نہ فلسفہ و عقلیات کی تعلیم کچھ مدد کرسکتی ہی، اس لیے تمدن اور مذہب نے انسان کی فطری آزادی کو ایک خاص حد تک مقید کردیا ہی، ہر گروہ کے طبعی فرائض تشخیص کیے ہین، اور انھین فرائض کے میدان مین اسے محدود کردیا ہی، ان فرائض کے لحاظ سے جس درجہ تک آزادی حاصل کرنے کا وہ مستحق ہی، اسے بخشی ہی، اور جو آزادی اسکے فرائض مین خلل انداز ہوتی ہی، اسے قطعی جرم قرار دیا ہی، اب اس اصول کو ذہن نشین کرکے عورتون کی حالت پر نظر ڈالو! اور دیکھو کہ اُن کے

طبعی فرائض کیا ہی؟ ان فرائض کے لحاظ سے وہ کس آزادی کی مستحق ہین؟ اور کونسی آزادی انکو فرائض منصبی سے باز رکھ سکتی ہی؟

فرید وجدی نے اس اصول کو اچھی طرح سمجھا ہی، اس نے سب سے پہلے عورتون کے طبعی فرائض پر بحث کی ہی، اور نہایت دلنشین عبارت مین انکی مکمل تصویر پیش کر کے مخالفین سے سوال کیا ہی، کہ کیا عورتون کے طبعی فرائض اس امر کے مقتضی ہین کہ انکو دنیا کے علمی و تمدنی کشمکش مین شریک کیا جائے، یا اس امر کے مقتضی ہین کہ انکو سیاست سے الگ رکھکر اس امر کا موقع دیا جائے کہ اپنے فرائض کی انجام دہی مین منہمک رہین؟

وہ لکھتا ہی کہ

"عورت کو قدرت نے دنیا مین جس غرض سے مخصوص کیا ہی وہ غرض نوع انسانی کی تکثیر، اور اسکی حفاظت و تربیت ہی، پس اس حیثیت سے اسکا طبعی وظیفہ یہ ہی کہ اس اہم فرض کے انجام دہی کی ہمیشہ کوشش کرتی رہے، اس فرض کی انجام دہی کے لیے جن اعضا اور اعضا مین جس تناسب کی ضرورت تھی، قدرت نے اس سے اُسے ممتاز کیا ہی[1] + + + + + + + + + جس طرح مردون کی طاقت سے یہ بات بالکل باہر ہی کہ وہ عورت کے طبعی فرائض مین حصہ لین، اسی طرح عورت کی طاقت سے یہ امر باہر ہو کہ وہ مردون کے علمی و تمدنی مشاغل مین شریک ہو۔"

پھر دوسری فصل مین عورتون کے طبعی وظیفہ پر تفصیلی بحث کی ہی، چنانچہ وہ لکھتا ہی،

"نوع انسانی کی تکثیر اور حفاظت کے لیے (جو عورت کا طبعی وظیفہ ہی) قدرت نے مسلسل چار دور قرار دیے ہین، حمل - وضع - رضاعت - تربیت - انمین سے ہر ایک دور کا زمانہ عورت کی زندگی کا نہایت اہم، اور دشوار زمانہ ہوتا ہی، اسکی حفاظت، اور صحت کے لیے خاص خاص احتیاطون، اور علاجون کی ضرورت پڑتی ہی جنمین اگر کسی قسم کی

---

[1] المرأۃ المسلمہ صفحہ (۱۴)

[2] المرأۃ المسلمہ صفحہ (۲۲)

لی کیجائے، توسخت خطرون، اور شدید بیماریون مین مبتلا ہونے کا خوف ہوتا ہی، عالمون کی کچھ خصوصیت نہین، نجاہل
سے جاہل شخص بھی اس امر کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہی بشرطیکہ وہ متاہل، اور صاحب اولاد ہو، کہان چار زمانون اور بخصوص
ابتدائی تین زمانون مین عورت کی زندگی کو کن کن خوفناک خطرون کا سامنا ہوتا ہی، کس طرح وہ بعض وقت اپنی زندگی سے
مایوس ہو جاتی ہی، اور کسطرح ان مصیبتون سے سخت مشکلون کے بعد نجات پاتی ہی، علم طب کا بہت بڑا حصہ ان چار دورون
کے لوازم احتیاط اور قوانین صحت کے متعلق مختلف مباحث سے تعلق رکھتا ہی، قدیم وجدید زمانے کے سیکڑون عالمون
اور تجربہ کار ڈاکٹرون نے اپنی عمرین صرف کر کے اس مسئلہ کی مشکلات اور دقتون کے دور کرنے کے لیے کتابین تصنیف کی
ہین، جنکے مطالعہ سے ان چارون دورون کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہی، انسان کی جہالت کا اصلی مبدا انھین زمانون
کی بے احتیاطی ہی، اور انسانی خوبیون کا حقیقی سرچشمہ بھی انھین زمانون کی حفاظت ہی"

پھر فرداً فرداً چارون دورون پر بحث کی ہی، اور حمل، وضع، رضاعت، اور تربیت کے مشکلات
دکھلائے ہین - چنانچہ لکھتا ہی،

"زمانہ حمل جس کی مدت عام طور پر نو ماہ قرار دی گئی ہی، عورت کے لیے ایک ایسا نازک
زمانہ ہوتا ہی جسمین وہ فرائض منزلی کے ادا کرنے کے بھی قابل نہین ہوتی، اس کی ہر معمولی سے معمولی
حرکت کا نتیجہ صرف خود اس کی ذات تک محدود رہتا ہی، بلکہ اس مین وہ نازک اور ضعیف وجود بھی شامل
ہوتا ہی جسکی حفاظت اور تربیت قدرت نے اس کے سپرد کی ہی، اس نو مہینے کے زمانے مین جنین پر
مختلف دور طاری ہوتے ہین، اور ان مین سے ہر ایک دور کے خاص آثار، اور علامات ہین، اور ہر علامت
کے زمانہ مین خاص خاص احتیاطین اور حفاظتین ضروری ہین -

زمانہ حمل مین ماں کی ہر حالت سے جنین اس قدر متاثر ہوتا ہی کہ اس کے ضعف و قوت یا زندگی
و موت کا دار و مدار محض ماں کی احتیاط اور حفاظت پر ہوتا ہی،

اطبائے جدید و قدیم کا قول ہی کہ زمانہ حمل مین عورت کو نہایت شدت کے ساتھ اپنے خیالات

مزاج اور افعال کی نگہداشت کرنی چاہیے، ورنہ جس قسم کے حالات اس کو پیش آئیں گے جنین کی جسمانی اور دماغی حالت بھی اُسی قسم کی ہوگی ؛؛

یورپ کے سیکڑوں تجربوں نے بھی اس قول کی تصدیق کی ہے مختلف بچوں کے عادات واطوار، اور جسمانی قوت کے مبدا کا جب سراغ لگایا گیا، تو زمانہ حمل کے حالات ثابت ہوئے، فرانس میں خوبصورت والدین کا بچہ جب سیاہ رنگ، اور حبشیوں کی سی صورت پر پیدا ہوا، تو ڈاکٹروں کو اس اختلاف پر سخت حیرت ہوئی، تحقیق سے ثابت ہوا، کہ زمانہ حمل میں ماں کی نشست کے سامنے میز پر ایک حبشی کا اسٹیچو رہا کرتا تھا، جسکی شباہت اور رنگ کا اثر نگاہوں کے ذریعہ دماغ میں پہونچا اور ذہن کو اُس طرف غیر معمولی توجہ ہوگئی، اسی کا نتیجہ ہے کہ بچہ کو والدین کی صورت سے کوئی تعلق نہیں اُسی حبشی کے ڈیل ڈول پر پیدا ہوا[1]

یہ وضع حمل کا وقت، زمانہ حمل سے زیادہ سخت اور صعب ہوتا ہے جسمیں عورت کی زندگی موت سے نہایت قریب ہوجاتی ہے، وضع کے بعد عورت نہایت سخت بیماری، اور عصبی ضعف میں مبتلا ہوجاتی ہے جسکا اثر مدت تک زائل نہیں ہوتا، اور صحت کے بعد عورت کی زندگی از سر نو شروع ہوتی ہے، اطبا نے نہایت ضخیم ضخیم کتابیں اس وقت کے قواعد صحت اور قوانین احتیاط پر تصنیف کی ہیں، اور وہ علاج بتلائے ہیں، جن سے ان مختلف اقسام کے بخاروں سے حفاظت ہوسکتی ہے، جو بسا اوقات عورت کے لیے باعث موت ہوجاتے ہیں ؛؛

یہ وقت عورت کے لیے جس قدر نازک اور سخت ہے، اس کا ہر متامل شخص اندازہ کرسکتا ہے ہر سال دنیا میں ہزاروں جانیں صرف اس لیے ضائع ہوجاتی ہیں، کہ قوانین طبیہ کے مطابق وضع حمل کے موقع پر احتیاط اور حفاظت نہیں کی گئی۔

---

[1] التوضیح فی اصول التشریح مطبوعہ بیروت۔

"تیسرا دور ارضاع کا زمانہ ہی، یہ زمانہ اگرچہ مان کے لیے اُس درجہ سخت اور دشوار نہین ہی جس قدر ابتدائی دو دور ہوتے ہین، لیکن بچہ کے لیے سب سے زیادہ خطرناک اور غیر معمولی توجہ کا محتاج ہوتا ہی، اس زمانے کی حفاظت کے لیے خاص قواعد اور قوانین ہین، جنکی تعمیل مین اگر کسی قسم کی کوتاہی ہوتی ہی، تو بچہ کی جان یا تو خطرے مین پڑ جاتی ہی، یا ہمیشہ کے لیے کوئی جسمانی، اور دماغی نقص پیدا ہو جاتا ہی، ایام رضاعت مین مان کی احتیاط اور قواعد طبی پر عمل اس لیے ضروری ہی، کہ جس قسم کی غذا اسکے استعمال مین آتی ہی، اسی قسم کا اثر بچہ پر مرتب ہوتا ہی، اگر مان گرم غذا کو اعتدال اور قاعدے سے زیادہ استعمال کرتی ہی تو اُسکا مضر اثر جس طرح خود مان پر پڑتا ہی، اسی طرح بچہ بھی متاثر ہوتا ہی، اکثر دیکھا گیا ہی کہ بعض بچے نہایت سخت بیماریون مین اسیلیے مبتلا ہو جاتے ہین، کہ ایام رضاعت مین مان بے احتیاطی سے بعض مولد امراض چیزون کا استعمال کر لیتی ہی، ان کا مضر اثر دودھ کے ذریعہ سے بچے تک پہونچتا ہی، اور مختلف امراض کا باعث ہوتا ہی،

علاوہ اس کے بچے کی جسمانی شگفتگی، اور دماغی صحت اس امر پر موقوف ہی، کہ یوم ولادت سے آخر ایام رضاعت تک، غذا مین، لباس مین، اور صفائی مین کسی قسم کی بے احتیاطی نہ کیجائے، اور ایک لمحہ بھی بچہ پر ایسا نہ گذرے کہ مان اس کی حالت سے غافل ہو، ہمارے ملکون مین ہزارون بچے نشو و نما پانے سے پہلے اس لیے دنیا سے منھ موڑ لیتے ہین، کہ ان کی مائین ان ضروری قواعد سے ناواقف اور بے خبر ہوتی ہین۔[1]

چوتھا دور زمانہ تربیت ہی، اور درحقیقت بلحاظ اہمیت کے، اور بلحاظ ان اثرات کے جنپر انسانی زندگی کی تمام آیندہ خوبیان اور برائیان منحصر ہین، پہلے تینون دورون سے زیادہ نازک اور بہت زیادہ قابل توجہ ہی،

---

[1] المرأۃ المسلمہ صفحہ (۲۶) سے (۲۷) تک ۱۲

بچہ جب عالم غیب سے یکایک دنیا مین قدم رکھتا ہی، تو ایک ایسے آئینہ کی طرح ہوتا ہی، جسکی سطح بالکل صاف، اور ہر قسم کے اثرات قبول کرنے پر آمادہ ہوتی ہی، نہ کسی کا عکس اُسمین نظر آتا ہی، اور نہ کسی کی تصویر اس پر منقش ہوتی ہی، ایسی حالت مین جس قسم کا عکس اوس پر ڈالا جاتا ہی، ہمیشہ کے لیے قائم ہو جاتا ہی، اگر خوشنما نقش و نگار سے اس کی سطح مزین کی گئی، تو ہمیشہ کے لیے وہ آئینہ خوبصورت ہو گیا، اگر بدقسمتی سے کسی ناواقف اور جاہل نے ٹیڑھی سیدھی لکیرین کھینچ دین، تو ہمیشہ کے لیے بدنما ہو گیا، اس کی صاف اور شفاف سطح، سیاہ و سفید سے یکسر بے خبر ہوتی ہی، اس لیے اس کو کسی رنگ کے قبول کرنے مین انکار نہین ہوتا، اور جس مصور کے ہاتھ قدرت نے اُسے سپرد کر دیا ہی، اس کی ہر کلے کے آگے سر تسلیم جھکا دیتی ہی،

یہی حال اُس تازہ وارد مسافر کا ہوتا ہی، جس کے لیے دنیا اور دنیا کی ہر بات بالکل نئی ہوتی ہی، اس کے کان جس طرح فضائلِ انسانی سے ناآشنا ہوتے ہین، اسی طرح رذائلِ انسانی سے بے خبر ہوتے ہین، وہ نہین جانتا، کہ رحم کیا چیز ہی؟ اور ظلم کس کو کہتے ہین؟ نہ اُسکو اسکی خبر ہوتی ہی، کہ صبر انسانی خوبیون کا سرچشمہ ہی، اور تعصب تمام بُرائیون کا مخزن ہی، اُس کا سادہ ذہن، آئینہ کی طرح ہر قسم کے نقش و نگار سے خالی، مگر ہر اثر کے قبول کرنے کی صلاحیت رکھتا ہی، ایسی حالت مین اسکی شفیق مان، اس کی فطری مصور ہوتی ہی، جس کی توجہ اور تربیت یا تو اخلاقی محاسن کا نقش اس کے دماغ پر نقش کالحجر کر دیتی ہی، یا تمام رذائلِ انسانی کا عادی بنا کر، نہ صرف اُس کی، بلکہ سوسائٹی کے ہر فرد کی زندگی ہمیشہ کے لیے تلخ کر دیتی ہی، اسی زمانہ کے وہ اثرات انسان کی طبیعتِ ثانیہ ہو جاتے ہین، جنکو نہ اعلیٰ تعلیم کا اثر زائل کر سکتا ہی، نہ ساری عمر کی جد و کوشش کھو سکتی ہی، قومون کی ترقی کا بڑا راز تاریخ بتلاتی ہی، کہ قومی افراد کی یہی ابتدائی تربیت ہی، جو انسان اپنی زندگی کے ابتدائی حصہ مین، صرف مان کی کوشش اور توجہ سے حاصل کر سکتا ہی،

اس تمام تفصیل کا خلاصہ یہ ہی کہ عورت کا طبعی وظیفہ نوعِ انسانی کی تکثیر، اور اسکی حفاظت ہی،

اور اس بناپر اس کا اصلی کمال یہ ہے، کہ اس فرض کی انجام دہی کے لیے ہمیشہ کوشش کرتی رہے، کیونکہ قدرت نے ایسے اہم کام اُس کے متعلق کر دیے ہین، جنمین بیشمار دقتین، اور بے حساب دشواریان ہین، اور بغیر پوری مصروفیت، اور توجہ کے انجام نہین پا سکتے، پس جو شخص عورت کو اُس کے طبعی وظیفہ سے باہر قدم نکالنے کی ترغیب دیتا ہے، وہ نہ صرف خود قوانین قدرت کا مجرم بنتا ہے، بلکہ ایک بڑے گروہ کو قدرت کی خلاف ورزی پر آمادہ کر کے، اپنے جرم مین شریک کرنا چاہتا ہے۔

اسکے بعد آزادی کے ہواخواہون کو مخاطب کر کے سوال کیا ہے کہ

"جس گروہ کے قدرت نے ایسے اہم فرائض قرار دیے ہین، کیا اس مین اتنی صلاحیت ہے کہ دنیا کے عام علمی و تمدنی مشاغل مین شریک ہو؟"

اب سوال یہ ہے، کہ جس گروہ کا طبعی وظیفہ ایسے اہم، اور دشوار مرحلون کا طے کرنا ہے، کیا وہ دنیا کے تمدنی کشمکش مین شریک ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس قسم کی شرکت اُس کے طبعی وظیفہ مین حارج نہوگی؟ فرض کرو کہ ایک عورت علم و تدبر کے اعلیٰ درجہ تک ترقی کر کے کسی پارلیمنٹ کی ممبر یا کسی سیاسی گروہ کی ایک رکن ہو گئی ہے، لیکن ساتھ ہی تاہل اور معاشرت کے طبعی نتائج نے اُسکو زمانۂ حمل کے صعوبات مین بھی مبتلا کر دیا ہے، تو ایسی حالت مین، وہ اپنی پارٹی کی حمایت، اور سیاسی مناقشات کے فیصل کی تدابیر پر غور کرے گی، اور شب و روز اسی فکر مین سرگرم رہے گی، یا اُن تدابیر صحت، اور قوانین احتیاط پر عمل کرے گی جنکی تعمیل مین ذرہ سی کمی اس کی، اور جنین کی ہلاکت کا باعث ہو جاتی ہے؟ اس کا قدرتی فرض تو کہ اس دور کا تمام زمانہ اُن افکار، اور افعال مین گذارے، جنکا اثر جنین کی جسمانی و دماغی ساخت پر مفید ہو، لیکن سیاسی ضرورتین اُسکو مجبور کرتی ہین، کہ وہ پریشان کن دماغ، اور نہایت تلخ و ناگوار مین مبتلا ہو کر، سخت بے چینی، اور بے اطمینانی مین یہ زمانہ صرف کرے، تو کیا ایسی حالت مین یہ کہ اسکے قدرتی فرض مین خلل انداز نہوگی، اور کیا اسکی صحت کے لیے مضر نہوگی؟ اس مثال پر کچھ موقوف

نہین، فرض کرو کہ ایک عورت نے قانونی تعلیم کو بدرجۂ کمال حاصل کر کے ایک کامیاب بیرسٹر کی صورت مین خود کو پبلک پر ظاہر کیا، لیکن ہم دیکھتے ہین، کہ اسکی گود مین ایک ننھا سا وجود بھی ہے اسکی توجہ اور محبت کے انتظار مین اسکی صورت کو تک رہا ہی، ایسی حالت مین، اس کا دن بھر کسی سخت جرم کی مدافعت مین اور اُن قانونی پہلوؤن کی تلاش مین جو اس کے مؤکل کے لیے مفید ہون، مصروف رہنا، اور شب بھر سند دن اور حوالون کی جستجو مین، قانون کی ضخیم ضخیم کتابون کی ورق گردانی مین منہمک رہنا کہ صبح کو مقدمہ کی پیشی ہونے والی ہی، کیا اس کو ایام رضاعت کے نازک فرائض سے باز نہ رکھے گا؟ اور کیا اپنی پوری توجہ، اور قوت کو جرم کی مدافعت کی کامیابی کے لیے صرف کر دینا، اور اسی کی فکر و کوشش مین رہنا اسکو بچہ کی نگہداشت، اور تربیت سے غافل رہنے پر مجبور نہین کریگا؟ عورت کے طبعی وظیفہ کی ہیئت تو یہ ہی، کہ وہ یوم ولادت سے لیکر آخر ایام طفولیت تک بچے کی ہر حرکت اور ہر فعل کی نگہداشت کرے، عمدہ خصائل کا اُسے عادی بنائے، بُری عادتون سے محفوظ رکھے، لیکن اس بدقسمت بچہ کا کیا حال ہوگا؟ جب اسکی ”بیرسٹر ماں“ عدالت مین فریق مخالف پر جرح کر رہی ہوگی، اور اس کا شیرخوار بچہ اس کی توجہ، اور تربیت کا منتظر جھولے مین پڑا ہوگا؟ یا اس بدنصیب بچہ کی صحت، اور زندگی کس حالت مین ہوگی، جب وہ صالح، اور مفید دودھ کا محتاج ہوگا، اور اسکی مدبّرا ور پارلیمنٹ کی ممبر ماں لبرل پارٹی کی حمایت کے خیال مین رات دن مستغرق، اور مختلف جدوجہد مین منہمک ہوگی؟ اور ناکامی کے انفعال و افسوس نے دودھ مین فساد پیدا کر کے، بچے کی طبعی غذا کو اُس کے لیے مضر اور خطرناک بنا دیا ہوگا؟ کیا یہ اور اس قسم کی اور ظاہر مثالین اس امر کے سمجھنے کے لیے کافی نہین ہین، کہ قدرت نے عورت کو مردون کے مشاغل سے محض الگ رکھا ہی؟ اور اُس کا طبعی وظیفہ اس قدر بصر و قیمت طلب اور محتاج توجہ ہی، کہ عورت کا مردون کے ساتھ شریک ہونا، بغیر اس کے محال ہی، کہ وہ طبعی وظیفہ کی ادائگی سے بے خبر یا دست بردار ہو جائے؟“

حقیقت یہ ہی کہ قدرت نے دنیا کے کامون کے خود ہی دو حصہ کر دیے ہین، نوع انسانی کی حفاظت اور تکثیر، اور انسانی ضروریات کا انتظام، پہلا کام عورت کے ذمے قرار دیا گیا، اس لیے اسکو اسی قسم کے اعضا اور اُسی قسم کی جسمانی قوت دی گئی، جو اس فرض کی انجام دہی کے لیے ضروری ہین، دوسرا کام مرد کے متعلق کیا گیا، اس لیے اسی کے مطابق جسمی اور دماغی قوت عطا کی گئی، ان دونون گروہون کا الگ الگ کام دنیا کا مجموعی تمدن قائم رکھتا ہی، اور جب اس اختلاف کے اٹھانے کی کوشش ہوتی ہی یا کوئی گروہ اپنے فرائض سے باہر قدم نکالتا ہی تو تمدن اور معاشرت کے انتظام مین خلل پڑ کر سیکڑون دقتین اور مشکلین پیدا ہو جاتی ہین، اس لیے عورت کے طبعی وظیفہ کا اقتضا، اس خیال کا بالکل مخالف ہی، کہ انکو مردون کے فرائض مین شریک کیا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہی کہ جہان جہان اس خیال کی تائید کی گئی، اور عورتون کو مردون کے میدان مین قدم رکھنے کی اجازت دی گئی، وہان بالکل کامیابی نہین ہوئی اور معاشرت مین ہزارون خرابیان پیدا ہو گئین، کیونکہ یہ قدرت کا قانون ہی اور کوئی انسانی کوشش اُسکی خلاف کوشش مین کامیاب نہین ہو سکتی۔

"پس ہمارا فرض یہ ہونا چاہیے کہ ہم ہمیشہ کوشش کرتے رہین، کہ عورت اپنے طبعی فرائض کے میدان مین محدود رہے، اور اُن فرائض کو قدرت کی ہدایت کے مطابق انجام دے، اور اگر ہم دیکھین کہ عورت اپنے طبعی فرائض سے دور ہو رہی ہی، تو اس کو ایک تمدنی مرض سمجھین، اور اسکے علاج کے لیے جد و جہد کرین، کیونکہ عورت فلسفہ و علوم کے ہزار مرحلے طی کر لے، مگر اپنے طبعی وظیفہ سے غافل رہے تو غیر ممکن ہی، کہ وہ علم و فضل اس کے لیے، یا سوسائیٹی کے لیے مفید ہو سکے"

ابو الکلام آزاد دہلوی،

دار العلوم ندوہ۔ لکھنؤ

فرائض النسائی

شمس العلما مولوی نذیر احمد صاحب کی سب سے اخیر تصنیف ہے اسمین عبادات کے تمام ابواب نہایت تفصیل و رسبط سے لکھے ہین مصنف کے طرز بیان نے فقہ کے روکھے پھیکے مسائل کو بھی چٹپٹا بنا دیا ہے نمونہ کے طور پر ہم اسکا کچھ حصہ نقل کرتے ہین۔

توحید

دنیا کے اس عظیم الشان کارخانہ کا ذرہ ذرہ سمندرون کا قطرہ قطرہ درختون کا پتا پتا خدا کی ہستی کا گواہ ہے وان من شئ الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم ایسے کہ کوئی چیز بڑی ہو یا چھوٹی زمین مین ہو یا آسمان مین خشکی مین ہو یا تری مین باہر ہو یا اندر ہو یا بے جان اس خوبی اور عمدگی کے ساتھ کہ اس سے بہتر ہونا ممکن نہین آپ سے آپ نہین بنگئی ضرور کسی بنانے والے سے بنی کس نے اس بنانے والے کی جستجو کی اور زمین سے لیکر آسمان تک چھان مارا تو کسی کو اس لائق نہ پایا جسکو کہا جائے جسکو ٹٹولا دریافت ہوئے زمین مین ہم ہی سب مین پیش پیش تھے کہ عقل رکھتے تھے سو ہماری قدر خود شناس سنکر اپنا سا منھ لیکر رہگئے ناچار آسمان پر نظر دوڑانی چاہی تو ابراہیم علیہ السلام کا قصہ یاد کرکے خاموش بیٹھ گئے اور سمجھے کہ جسکی جستجو ہے وہ چشم سر سے دیکھنے کی چیز نہین بنی اسرائیل نے خوخ چشمی کی تو فاخذتھم الصاعقہ کی سزا پائی۔ موسی علیہ السلام نے غلبۂ شوق مین آکر حوصلہ کیا تو خر موسی صعقا سے شرمندگی اٹھائی یعنے خدا ہمارے حواس ظاہر کی گرفت سے بالاتر ہے اور یہ ہمارے حواس کا قصور ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم | چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ہان چشم دل سے دیکھا جائے تو دنیا آئینہ خانہ ہے اور در و دیوار خدا کے نور سے جگمگا رہے ہین۔

دل کے آئینہ مین ہے تصویر یار | جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی۔

قطعہ

دوست نزدیک تر از من بمن ست | وین عجب تر کہ من ازوے دورم

چہ کنم با کہ توان گفت کہ او   درکنار من و من مہجورم

للمترجم

حبل الورید سے بھی وہ نزدیک ہے تو کیا   آنکھیں نہیں تو کیا نظر آئے قریب سے

ہمارا خیال تو یہ ہے کہ آدمی کو شروع ہی سے خدا کے بارے میں یہ غلطی واقع ہوئی ہے، اور اب تک بھی اکثر خدا کے نسبت اسی غلطی میں مبتلا ہیں، کہ انھوں نے خدا کو اپنے حواس ظاہر کے ذریعہ سے معلوم کرنا چاہا، اور جب انکو اس راستے میں کامیابی نہوئی تو من مانا خدا فرض کیا اتخذ الٰہہ ھواہ اور اسکو اپنے اوہام باطلہ کا تختۂ مشق بنایا یعنے دلیل سے ذلیل اور ذلیل سے رذیل مخلوقات کو بھی پورا یا ادھورا خدا بنانے یا خدا میں ملانے میں کمی نہیں کیا۔ پورا تو پورا ادھورے کے یہ معنے کہ اپنے زعم میں خدائی کے اختیار خدا سے چھین کر ان بتوں کے حوالے کیے، یا دوسرے لفظوں میں یوں کہو کہ خدا کو منصب خدائی سے معزول کر دیا۔ جس طرح پر خدا کے بندوں نے خدا کی جناب میں گستاخیاں اور بے ادبیاں کی ہیں اور کرتے ہیں ناگفتہ بہ ہیں۔ کوئی تو اسکی ذات پر حملہ کرتا ہے کہ ایک نہیں دو ہیں، ایک پیدا کرتا ہے، دوسرا مارتا ہے۔ ایک خالق خیر ہے، اور دوسرا خالق شر۔ کوئی کہتا ہے کہ تین خدا ہیں۔ اور پھر وہ ایک بھی ہے۔ کوئی مانتا ہے کہ ہر چیز بجائے خود خدا ہے کسی کا خیال ہے کہ ہے تو ہے مگر وہ اسباب کا سلسلہ قائم کرکے آپ انتظام دنیا سے دستکش ہو بیٹھا ہے ان کے نزدیک دنیا ایک طرح کی گھڑی ہے، اور خدا گھڑی ساز جس نے اسکو بنا کر کوک دیا ہے اور گھڑی پڑی چل رہی ہے۔ ذات تو ذات، خدا کے صفات میں اس سے بڑھ کر بیہودگی کیجاتی ہے غرض بندوں نے اتنے خدا بنا ڈالے کہ ایک خدا کے حصہ میں پورا ایک بندہ بھی نہیں آتا۔ اور یہ نہ سمجھے کہ خدائے واحد کے سوا کوئی اور خدا بھی ہوتا، تو دو باسن ایک جگہ رکھے ہوئے کھٹکھنا اٹھتے ہیں۔ ایسا تو کیا ہے کہ دو یا زیادہ خداؤں میں اختلاف نہو؛ اور اختلاف ہو تو دنیا ایک لمحہ نہیں ٹھہر سکتی لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا دو بادشاہ آپس میں لڑتے ہیں تو ملک کے ملک خاک سیاہ ہو جاتے ہیں۔

اور خداؤں کی لڑائی تو خدا کی پناہ۔ پس دنیا کا ایک سلسلے سے چلا جانا صاف اس بات کی دلیل ہے کہ تمام عالم میں ایک ہی کی حکومت ہے۔ اقوام روزگار میں دوسری قومیں، خدا کے بارے میں جیسے کچھ خیالات رکھتی ہوں وہ جانیں اور انکی تعلیمیں

ہم کو تو بڑا خیال مسلمانوں کا ہے کہ ان کے یہاں بڑا زور توحید پر ہے۔ مگر عملاً انھوں نے مشرکوں کی کوئی ادا نہ چھوڑی جس کی نقل نہ کی ہو۔ الا ماشاء اللہ وقلیل ما ھم وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون اس کو ہر شخص اپنی جگہ سمجھ لے معاملہ خدا کے ساتھ ہے بعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور۔

عذرت، از پیش سیر و بالا ۔۔۔ با خدا در غیب دان نرود

خدا کے بارے میں اسلامی عقیدہ ایسا سیدھا اور صاف ہے کہ اس سے زیادہ سیدھا اور صاف عقیدہ ہو نہیں سکتا۔ تمام مخلوقات سے خدا کی ذات و صفات کا پتہ چلتا ہے۔ اور یہی وہ رستہ ہے جسے موصل الی المطلوب کہہ سکتے ہیں۔ مخلوقات سے ہم کو اتنی بات کا پتہ چلتا ہے کہ کارخانہ عالم کا بنانے والا اور سنبھالنے والا کوئی ہے۔ اور وہ کوئی ان چیزوں میں سے نہیں، جن کو ہم معلوم کر سکتے ہیں۔ بس سوائے اسکے ہم خدا کی ذات کے بارے میں اور کچھ نہیں کہہ سکتے۔ اور عقل انسانی کی رسائی یہیں تک ہے۔ اب رہیں صفات، تو کارخانہ عالم اور اُس کے انتظام سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ اس کا بنانے والا اور اُسکے انتظام کا چلانے والا ان صفتوں سے متصف ہو، یعنے وہ کمالات ہوں، جو اُسکے صفاتی ناموں سے ظاہر ہوتے ہیں۔ خدا کے ننانوے نام ہیں۔ جو نود و نہ نام کر کے مشہور ہیں، انمیں ایک نام۔ اللہ۔ ہمذات مان لیا گیا ہے۔ اگرچہ معبود ہونے کی حیثیت سے اللہ کو بھی اسم صفت کہہ سکتے ہیں۔ مگر آخر اتنے سارے صفاتی نام ہوں، تو کوئی اسم ذات بھی ہونا چاہیے، اور وہ اللہ ہے۔ باقی سبھی ننانوے نام، وہ کسی نہ کسی صفت پر دلالت کرتے ہیں، اسمائے صفاتی کے بارے میں بھی ہم اتنا ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ صفتیں بھی خدا میں ضرور ہیں، پس اس سے زیادہ ہم اُسکے صفات کی توضیح نہیں کر سکتے مثلاً ہم کہتے ہیں، کہ خدا سمیع ہے یعنی سنتا ہے، تو اسکے یہ معنی ہیں، کہ جو علم ہم بنی آدم کو حاسہ سمع کے ذریعے سے حاصل ہوتا ہے، وہ علم علی وجہ الکمال خدا کو بھی ہے، نہ یہ کہ ہماری طرح اُسکے کان ہیں، ہمارے سننے کا تو یہ حال ہے کہ بولنے والا آواز کے ذریعہ سے ہوا میں تموج پیدا کرتا ہے، اور وہ تموج کان کے پردے سے ٹکراتا ہے۔ اور ہمکو آواز کا علم ہو جاتا ہے، خدا اسطرح کا علم تو رکھتا ہے مگر وہ بے نیاز کان کا، اور ہوا کے تموج کا محتاج نہیں، اور اسی پر خدا کی دوسری صفتوں کو قیاس کر لو، یہ صفتیں ہم نے اپنے اوپر قیاس کر کے خدا میں مان لی ہیں، مگر ہمارے صفات ناقص ہیں، خدا کے کامل و اکمل۔ جیسے ذرے کی چمک اور آفتاب کی جگمگاہٹ۔ مزید توضیح کے لیے اسمائے حسنی کے تین نقشے درج کتاب ہوتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الندوہ

نظم القرآن و جمہرۃ البلاغۃ

از

مولوی حمید الدین پروفیسر مدرسۃ الاسلام کراچی

عام قیاس یہ ہے کہ صاحب کمال، کسی حالت مین گمنام نہیں رہ سکتا، تجربہ اور تاریخ بھی اسی کی شہادت دیتے آئے ہین، لیکن کوئی کلیہ مستثنےٰ سے خالی نہین، مولوی حمید الدین جنکی ایک عجیب و غریب تصنیف کا اسوقت ہم ذکر کرنا چاہتے ہین، اس استثنا کی ایک عمدہ مثال ہین، مولوی صاحب موصوف نے پہلے قدیم طریقہ کے موافق تعلیم پائی، یعنے درس نظامیہ کے مطابق فارغ التحصیل ہوے، پھر مولانا فیض الحسن صاحب شارح حماسہ سے جو میرے بھی اُستاد ہین، ادب کی تکمیل کی، اسکے بعد انگریزی شروع کی، اور مدرسۃ العلوم مین رہ کر بی اے کی سند حاصل کی، زمانِ طالب العلمی ہی مین سر سید مرحوم کے حکم سے انھون نے سیرتِ نبوی کے متعلق دو کتابین عربی سے فارسی مین ترجمہ کین

جو مدرسۃ العلوم کے نصاب دینیات میں شامل ہیں، اور چھپکر شائع ہوچکی ہیں، مدرسے سے نکل کر، کراچی کے مدرسۃ الاسلام میں عربی کے پروفیسر مقرر ہوے اور اب تک اسی عہدہ پر ہیں، ان کا فارسی دیوان چھپکر شائع ہوچکا ہی، لارڈ کرزن جب سواحلِ عرب کی سیر پر گئے تھے، تو یہ بھی ساتھ تھے، اور سردارانِ عرب کے سامنے عربی زبان میں لارڈ کرزن کی طرف سے جو تقریر پڑھی گئی، وہ انھین کی لکھی ہوئی تھی، اس قسم کے واقعات مین سے ایک واقعہ بھی انسان کی شہرت کے لیے کافی ہوسکتا ہی، لیکن مولوی صاحب اب بھی گمنام ہین، انکی یہی خواہش ہی، اور اگر وہ اس خواہش مین ہمیشہ کامیاب رہین، تو ہمارا کوئی ہرج نہین،

لیکن اُن کی جس تصنیف پر ہم ریویو کرنا چاہتے ہین، اسکے متعلق، ہم ان کی خواہش کی پیروی نہین کرسکتے، یہ تصنیف (خصوصًا اس زمانہ مین) اسلامی جماعت کے لیے ایسی مفید اور ضروری، جس قدر ایک تشنہ لب اور سوختہ جان کے لیے آبِ زلال، اس لیے ہم اس کتاب پر مفصل ریویو لکھنا چاہتے ہین، افسوس ہی کہ مصنف نے یہ کتاب عربی زبان مین لکھی ہی، اور اسلیے عام لوگ اس سے متمتع نہین ہوسکتے، ہم نے اُن سے بارہا کہا کہ اس زمانہ مین جو کچھ لکھنا چاہیے، ملکی زبان مین لکھنا چاہیے، لیکن اُن کی قدامت پرستی، اُردو کی طرف ان کو مائل نہین ہونے دیتی، (اور سچ یہ ہی کہ وہ اردو لکھ بھی نہین سکتے) عربی ہونے کی وجہ سے ہم اُن کی عبارت کے اصلی اقتباسات نہین دیسکتے بلکہ اس کے مطالب پر اکتفا کرین گے۔

نظمِ قرآن یہ امر صاف نظر آتا ہی، کہ قرآن مجید کی اکثر آیات مین کوئی خاص ترتیب نہین ہی، ایک آیت مین کسی فقہی حکم کا بیان ہی، اس کے بعد ہی کوئی اخلاقی بات شروع ہوجاتی ہی، پھر کوئی قصہ چھڑ جاتا ہی۔ ساتھ ہی کافرون سے خطاب شروع ہوجاتا ہی، پھر کوئی اور بات نکل آتی ہی، غرض یہ، کہ عام تصنیفات کا جو طرز ہی، کہ ایک قسم کے مطالب ایک جا بیان کیے جائین، قرآن پاک کا

یہ طرز نہین۔

اس کے متعلق قدما کی مختلف رائین ہین، شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہی کہ چونکہ قرآن مجید مین عرب کے خطبات کا انداز ملحوظ ہی اور اُن کے خطبے اسی طرح کے ہوتے تھے، یعنے مختلف مضامین بلا ترتیب بیان کرتے تھے، اسلیے قرآن پاک مین بھی وہی طرز ملحوظ رکھا ہی۔ اکثر علما کی یہ رائے ہی کہ قرآن مجید کی آیتین مختلف وقتون مین مختلف ضرورتون کے پیش آنے پر نازل ہوتی رہین، اسلیے اُن مین کوئی ترتیب کیونکر قائم ہوسکتی ہی، مثلاً کسی شخص کی مختلف تقریرون کو جو اس نے مختلف وقتون مین کین اگر ایک جا قلمبند کر دیا جائے، تو اُن مین ترتیب کیونکر پیدا ہوسکتی ہی؟ یہ رائے بظاہر بالکل صحیح معلوم ہوتی ہی۔ کیونکہ یہ مسلم ہی کہ قرآن مجید نجماً نجماً یعنے جستہ جستہ نازل ہوا ہی، اور ہر سورۃ اور ہر ٹکڑے کا شان نزول مختلف ہی، اسلیے اُن مین ترتیب کیونکر قائم رہ سکتی ہی، بعض علما نے یہ دعویٰ کیا ہی کہ قرآن مجید کی تمام آیتون مین ابتدا سے لیکر انتہا تک ترتیب اور تناسب ہی، بقاعی نے اسکے ثبوت مین مستقل تفسیر لکھی ہی، جسکا نام نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور رکھا ہی، لیکن اس کے مطالب جو تفسیر مین نقل کیے ہین، اُن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہی کہ زبردستی تناسب پیدا کیا ہی، اور اس قسم کا تناسب دنیا کی نہایت مختلف بلکہ متناقض چیزون مین بھی پیدا ہوسکتا ہی۔

مولوی حمید الدین صاحب نے اسی مسئلہ پر یہ کتاب لکھی ہی، وہ اسی اخیر رائے کے مدعی ہین یعنے یہ کہ ایک سورۃ مین جسقدر آیتین ہین، اُن مین ضرور کوئی قدر مشترک ہی، اور اس لحاظ سے وہ سب آیتین باہم متناسب ہین۔

ان کا دعویٰ ہی کہ جس طرح ہر کتاب کا کوئی خاص موضوع (سبجکٹ) ہوتا ہی، اسی طرح ہر سورۃ کا ایک خاص موضوع ہی، اور تمام آیتین بالذات یا بواسطہ اُسی موضوع سے متعلق ہوتی ہین، ان کا عام استدلال یہ ہی کہ اگر ایک سورۃ کی آیتون مین باہم اس قسم کا تناسب نہین ہی تو اسکی کیا وجہ ہی کہ جب کوئی سورۃ نازل ہونی شروع ہوتی تھی، اور مختلف وقتون مین مختلف آیتین نازل ہوتی تھین، تو آنحضرت صلعم حکم دیتے تھے کہ ان آیتون کو اس سورۃ مین داخل کرتے جاؤ، پھر ایک حد تک پہنچکر آپ فرماتے تھے کہ اب

یہ سورۃ ختم ہوگئی، اور اس کے بعد دوسری آیت شروع ہوتی تھی، اگر یہ آیتین اُس سورۃ سے کوئی خاص مناسبت نہین رکھتی تھین، تو اُن آیتون کو انھین سورتون مین داخل کرنے کی کیا ضرورت تھی، بلکہ سورتون کی تحدید اور تخصیص بھی بیکار تھی، اس سے بڑھ کر یہ کہ روایات سے یہ ثابت ہے، کہ بارہا ایسا ہوتا تھا کہ دو سورتین ساتھ ساتھ نازل ہو رہی ہین، اور جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی، تو آپ فرماتے تھے کہ اس آیت کو فلان سورۃ مین داخل کرو، پھر دوسری آیت نازل ہوتی تھی، تو فرماتے تھے کہ اسکو دوسری سورت مین شامل کرو۔ اگر اُس آیت کو، اُس سورۃ کے ساتھ کوئی خصوصیت نہین تھی، تو جس آیت کو جس سورۃ کے ساتھ چاہتے شامل کر دیتے، اس بنا پر مصنف نے تمام سورتون مین تناسب کا دعوی کیا ہے۔ اور نہایت دقت نظر سے ہر جگہ اسکو ثابت کیا ہے۔

کتاب کا اصلی موضوع اسی قدر تھا، لیکن اس بحث کے ضمن مین، قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کی بحث بھی آگئی، مصنف اُن کتابون سے واقف تھا، جو قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت پر لکھی گئی ہین، لیکن اسکو نظر آیا کہ یہ تمام کتابین ناتمام ہین، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کا جو فن مرتب کیا گیا تھا، وہ خود ناتمام تھا، اور تمام لوگون نے اسی فن کے موافق قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ثابت کی تھی۔

اس بنا پر مصنف نے، اصل فن پر توجہ کی، اور اسکو ایک نہایت وسیع پیمانہ پر نئے سرے سے ترتیب دیا، اور فصاحت و بلاغت کے بہت سے جدید اصول قائم کیے، اسطرح ایک اور مستقل کتاب طیار ہوگئی جس کا نام انھون نے جمہرۃ البلاغہ رکھا، اس کتاب کی تمہید مصنف نے اس طرح شروع کی ہے۔

فنِ بلاغت

علماے اسلام نے جب یہ ثابت کرنا چاہا کہ قرآن مجید بلاغت کے لحاظ سے معجز ہے، تو اس بات کی ضرورت پیش آئی کہ پہلے بلاغت کے اصول اور قواعد مرتب کر دیے جائین، اسکا اصلی طریقہ یہ تھا کہ خود کلام عرب کا تتبع کیا جاتا اور بلاغت کی جزئیات کا استقصا کر کے اسکے اصول اور ضوابط

منضبط کیے جاتے، لیکن جس زمانہ مین یہ کوشش کی گئی، اُس وقت عجم کے علوم وفنون کا اثر مسلمانون پر غالب آگیا تھا، اسلیے مسلمانون نے جس طرح اور علوم وفنون، یونان اور فارس سے اخذ کیے، اس فن کے مسائل بھی اُنھین کی تحقیقات کے موافق مرتب کیے، عجم کے نزدیک بلاغت کے اصلی ارکان تشبیہ اور بدیع ہین، اس لیے علماے اسلام نے بھی انھین چیزون کو مہتم بالشان قرار دیا، حالانکہ اہل عرب کے نزدیک بدیع ایک لغو چیز ہی، اور تشبیہ چندان قابل اعتنا نہین۔

علماے اسلام نے فن شعر اور بلاغت کی بنیاد، ارسطو کی کتاب پر قائم کی۔ ارسطو، اگر عرب مین پیدا ہوا ہوتا، اور کلام عرب کے تتبع اور استقرا کی بنا پر، اس فن کی بنیاد قائم کرتا، تو یقیناً اس مقصد مین کامیاب ہوتا، لیکن وہ یونان مین پیدا ہوا، وہین تربیت پائی، یونانیون ہی کا کلام اس کے پیش نظر رہا۔ اسلیے شاعری اور فن بلاغت کے جو اصول اسنے قائم کیے، یونانی شعرا کے کلام سے مستنبط کرکے قائم کیے، یونان مین شعر کا جو بہتر سے بہتر نمونہ سمجھا جاتا تھا، وہ ہومر اور سوفکلیس کی شاعری تھی، ان دونون نے شاعری کی بنیاد مصنوعی قصون، اور حکایتون پر رکھی تھی۔

فنون لطیفہ کی تدوین کا عام قاعدہ یہ ہی کہ جس چیز کا حُسن عام طور پر مسلم ہوتا ہی تو ماہرین اُس پر نظر ڈالتے ہین، اور اس کے اجزا کی تحلیل کرتے ہین، یعنے یہ کہ اسمین کیا کیا باتین پائی جاتی ہین، پھر انھین چیزون کو محاسن قرار دیکر کلیات قائم کرلیتے ہین۔

یونان مین ہومر، اور سوفکلیس کا کلام، فصاحت وبلاغت مین بے نظیر تسلیم کیا جاتا تھا ارسطو نے تحلیل کرکے دیکھا تو اُن کا کلام تمامتر، حکایتین اور افسانے تھے، اُسنے یہ بھی دیکھا کہ یہ حکایتین واقعی نہین ہین، بلکہ اکثر مصنوعی اور فرضی واقعات ہین، اس سے اسکو خیال پیدا ہوا کلام کی اصلی خوبی صرف یہ ہی کہ کسی واقعے کی تصویر کھینچی جائے، واقعہ فی نفسہ صحیح ہو، یا نہو، اس سے غرض نہین، ارسطو نے یہ بھی دیکھا کہ جو چیزین فی نفسہ بدصورت اور کریہ المنظر ہین، اُنکی بھی اگر بعینہ تصویر کھینچدی جائے تو طبیعت کو مزہ آتا ہی، اس سے اس نے یہ فیصلہ کیا کہ واقعہ صحیح ہو یا غلط، لیکن اگر اسطرح ادا کردیا جائے کہ اسکی تصویر آنکھون مین پھر جائے تو حسن کلام حاصل ہوجائے گا، اس خیال کے

(اور ذیل سے اور بھی تائید ہوتی ہی)

انسان مین محاکات کا مادہ تمام اور حیوانات سے زیادہ پایا جاتا ہی، بچہ وہی کام کرتا ہی جو اوروں کو کرتے دیکھتا ہی، اس بنا پر کسی واقعہ کی تصویر کھینچنا انسان کی اصلی فطرت کا اقتضا ہی علم فی نفسہ ایک مرغوب چیز ہی، اور کسی واقعہ کا بیان کرنا بھی ایک طرح کا علم ہی، اس بنا پر واقعہ نگاری مرغوب عام ہی،

ان وجوہ کی بنا پر ارسطو نے محاسن کلام کی تمام تر بنیاد انھین دو اصولون پر رکھی اور ان کے نزدیک جو باتین نظر آئین، اُن کو رد کر دیا۔ سوفاکلیس پر لوگون نے اعتراض کیا تھا کہ تمنے لوگون کے اخلاق و عادات کی جو تصویر کھینچی وہ اصل کے مطابق نہین، سوفاکلیس نے کہا کہ

"مین نے اُن کا ویسا حلیہ بیان کیا جیسا ہونا چاہیے، نہ کہ جیسا اُن کا واقعی حلیہ ہی"

سوفاکلیس کا یہ جواب اگرچہ غلط ہی، لیکن ارسطو اسکو اپنے اصول کے موافق پسند کرتا ہی یونان مین شاعری سے جو کام لیا جاتا تھا، وہ صرف مذاقیہ جلسون کا گرم کرنا ہوتا تھا، شعرا عموماً مذاقیہ مصنوعی قصے نظم کرتے تھے، یہانتک کہ شاعر سخن ساز اور دروغ باز کے لقب سے پکارا جاتا تھا، اس بنا پر ارسطو نے یہ اصول قائم کیا، کہ شاعری کا اصلی مقصد لطف انگیزی ہی، اور اسی بنا پر اسکی راے ہی کہ اگر راست گوئی سے یہ مقصد حاصل نہ ہو، تو شاعر کو، واقعہ کا گھٹانا یا بڑھا دینا جائز ہی

علماے اسلام نے چونکہ بنیادِ فن، ارسطو کے اصول پر قائم کی، اسلیے تمام مسائل مین وہی ارسطو کے خیالات کا اثر پایا جاتا ہی۔ ارسطو نے جھوٹے طلسم باندھنے کو کمال شاعری قرار دیا تھا علماے اسلام نے بھی یہ اصول قرار دیا کہ احسنُ الشعر اکذبه یعنے اچھا شعر وہ ہی جسمین زیادہ جھوٹ ہو، ارسطو کے نزدیک بلاغت مصوری کا نام ہی اسلیے علماے اسلام کے نزدیک بھی بلاغت کی اصلی روح و رواں تشبیہ و تمثیل ہی، کیونکہ تشبیہ بھی درحقیقت ایک قسم کی مصوری ہی، چنانچہ عبد القاہر جرجانی نے اسرار البلاغۃ مین لکھا ہی کہ بلاغت کے مہمات مسائل، تشبیہ ہی سے متفرع ہین، ایک اور امر نے علماے اسلام کو خیال دلایا کہ بلاغت اور شاعری مین، جھوٹ کو سچ پر

ترجیح ہی، انھون نے دیکھا کہ استعارہ، تشبیہ سے زیادہ لذیذ اور لطیف ہوتا ہی، مثلاً ان دونون فقرون مین "زید، شیر کے مشابہ ہی" "زید، شیر ہی"

پہلا، تشبیہ اور دوسرا استعارہ ہی، اور یہی دوسرا فقرہ زیادہ پرزور اور بلیغ ہی، اب ان دونون فقرون کو دیکھا تو نظر آیا کہ پہلا فقرہ، واقعیت کا پہلو رکھتا ہی، کیونکہ ایک شجاع شخص، دلیری اور بہادری مین شیر کا مشابہ کہا جا سکتا ہی، لیکن دوسرا فقرہ تمامتر مبالغہ اور جھوٹ ہی، اس بنا پر یہ رائے قائم ہوئی کہ بلاغت اور شاعری مین جو، زور، یا لطف پیدا ہوتا ہی، وہ مبالغہ اور جھوٹ سے پیدا ہوتا ہی، ان خیالات نے، تمام لٹریچر کو مبالغہ اور کذب سے بھر دیا،

ارسطو کے دونون مذکورۂ بالا اصول، غلط ہین، ارسطو کا یہ خیال کہ انسان مین محاکات[1] کا مادہ تمام جانورون سے زیادہ ہی، محض غلط ہی، اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ جانور اور انسان، دونون مین محاکات کا مادہ ہی، تاہم یہ فرق ہوگا کہ انسان صرف، انسانون کی محاکات کرتا ہی، بخلاف اس کے بندر، تمام حیوانات اور انسانون کی محاکات کرتا ہی، آدمی کا بچہ جانورون کو بھی بولتے دیکھتا ہی، لیکن انکی بولی کی مطلق نقل نہین کرتا، بخلاف اسکے ہزار داستان، یا مینا، ہر جانور کی بولی بولنے لگتی ہی، آدمی کا بچہ، جو اپنے مان، باپ بھائی کے اقوال و افعال کی نقل کرتا ہی، وہ اس بنا پر نہین، کہ اسکی فطرت مین محاکات کی قوت ہی، بلکہ اسکی وجہ یہ ہی کہ بچہ جب پیدا ہوتا ہی، تو اسمین تمام خصائل انسانی بالقوۃ موجود ہوتے ہین یہ خصائل نمونہ اور مثال کے دیکھنے سے اُبھرتے اور ظہور کرتے ہین۔ بچہ پیدا ہونے کے ساتھ دودھ پینا شروع کرتا ہی۔ اس نے پہلے کسی کو دودھ پیتے نہین دیکھا تھا، لیکن چونکہ خدا نے اسکی فطرت مین، یہ قوت ودیعت رکھی ہی، اس لیے وقتِ معین پر خود بخود اُسکا ظہور ہوتا ہی۔ اسی طرح انسان کو جو قوتین، عطا ہوئی ہین، وقتاً فوقتاً خود ان کا ظہور ہوتا ہی، نمونہ اور مثال سے اس قوت کو صرف تحریک ہوتی ہی، نہ یہ کہ یہ افعال محاکات کی فطرت کی وجہ سے وجود مین آتے ہین۔

---

[1] محاکات کا لفظ، ارسطو کی تحریر مین بار بار آیا ہی، اسلیے اسکے معنے اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے، محاکات کے معنے کسی چیز کی نقل اُتارنا یا صورت کھینچنا ہے ۱۲

ارسطو کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ بلاغت کا مدار، کذب، سخن سازی، اور مبالغہ پر ہے، چنانچہ اسکی حقیقت آگے چل کر واضح ہوگی۔

ارسطو کے خیالات کے رد کرنے کے بعد، مصنف نے خود اس مسئلہ پر نہایت تفصیل سے بحث کی ہے کہ نطق، یعنی شاعری کس چیز کا نام ہے؟ اور اس کے کیا اصول و شرائط ہیں، ان کی تقریر کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

انسان فطرۃً ناطق پیدا کیا گیا ہے، انسان اور دیگر تمام جانوروں میں جو چیز اصلی مابہ الامتیاز ہے، اور جس کو منطقی اصطلاح میں فصل کہتے ہیں یہی نطق ہے، لیکن نطق سے آواز، یا لہجہ، یا راگ مقصود نہیں، یہ چیزیں بلبل اور طوطی میں بھی پائے جاتے ہیں، اور انسان سے بڑھکر پائے جاتے ہیں، بلکہ نطق سے مقصد یہ ہے کہ دل میں جو خیالات آئیں انکا اظہار کر سکے، عقل کا کام، سوچنا اور غور و فکر کرنا ہے، غور و فکر سے جو خیالات پیدا ہوتا ہے، عقل جب اسکو ظاہر کرنا چاہتی ہے تو نطق ہی کے ذریعہ سے کر سکتی ہے، اس لیے نطق، عقل کا آلہ ہے۔

ارسطو کی پہلی غلطی یہ ہے کہ وہ انسان کی اصلی فضیلت، اور اس کا اصلی خاصہ محاکات قرار دیتا ہے حالانکہ یہ خاصہ محاکات نہیں، بلکہ نطق ہے، محاکات بھی نطق ہی کا ایک نتیجہ ہے، انسان میں قوت نطق نہ ہوتی تو محاکات بھی نہ ہوتی۔

نطق کا کمال دو چیزوں پر منحصر ہے، خیالات اور مطالب صحت اور خوبی سے ادا کیے جائیں، جو مطالب ادا کیے جائیں، خود بھی عمدہ اور صحیح ہوں،

ارسطو، اور پیروان ارسطو کے نزدیک دوسری شرط ضروری نہیں، ان کے نزدیک نطق کا کام صرف یہ ہے کہ وہ مضمون کو بعینہٖ ادا کر دے، مضمون فی نفسہ برا ہو یا بھلا، اس سے غرض نہیں، ابن جعفر نقد الشعر میں لکھتا ہے کہ

"اگر کسی شعر میں کوئی بیہودہ اور لغو مطلب ادا کیا گیا ہو، تو اس سے شعر کی خوبی پر کوئی اثر نہیں پڑتا"

شعر کی خوبی کے لیے اسیقدر کافی ہے کہ جو مضمون ادا کیا گیا، کس خوبی اور لطافت سے ادا کیا گیا،

لیکن یہ خیال تمامتر غلط ہی اور چونکہ یہ ایک اہم بحث ہی اسلیے اسکو ہم کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہین، یہ مسلم ہی کہ نطق صرف آواز اور صوت کا نام نہین ہے بلکہ دو چیزون کے مجموعہ کا نام ہی، آواز، اور معنی۔ اور جب تک ان دونون مین حسن نہ پایا جائے، نطق کا کمال نہین ہوسکتا، خوش چشم آدمی اگر ایک آنکھ کا کانڑا ہو تو اسے حسین نہین کہا جا سکتا،

حسن کلام کی بھی یہی حالت ہی، اکثر ایسا ہوتا ہی کہ ایک عمدہ اور پر اثر مضمون، نحو و صرف کی معمولی پابندیون مین مقید رہکر ادا نہین ہوسکتا، اس حالت مین، الفاظ مضمون کا حجاب بن جاتے ہین، اور اس وجہ سے مضمون، اس حجاب کو چاک کرکے دل مین اُترتا ہی، اسکی یہ مثال ہی کہ کوئی بادشاہ ضرورت کے وقت، آداب سلطنت چھوڑکر خود سفیر بن کر جائے، اور اپنا پیغام خود پہونچا آئے، اس بیان سے ثابت ہوا کہ حسن کلام، الفاظ کا پابند نہین، اور یہ کہ بلیغ، در اصل مضمون ہوتا ہی، نہ الفاظ لغت مین بلیغ کے معنے "پہونچنے والے" کے ہین اور جو چیز دل مین پہونچتی ہی، وہ در اصل معانی ہین، نہ الفاظ،

اس تمہید کے بعد، اس بات پر لحاظ کرو کہ جب کوئی مضمون فی نفسہ بیہودہ اور لغو ہوتا ہی تو گو کیسے ہی فصیح اور شستہ الفاظ مین ادا کیا جائے، دل مین جگہ نہین کرتا بلکہ اُچٹ جاتا ہی، ممکن ہی کہ اس قسم کے مضمون سے کسی احمق اور بدمزاق کو مزا آئے، لیکن کلام کی حسن و خوبی کا فیصلہ، احمقون کے مذاق کے رو سے نہین ہوسکتا، غرض ان اسباب سے کلام مین جب تک مضمون اور معنی کی خوبی نہ ہو، دل مین نہین اُتر سکتا اور اس بنا پر اسکو بلیغ بھی نہین کہ سکتے، یہی وجہ ہی کہ شعرائے عرب کلام کی تعریف حسن مضمون کے لحاظ سے کرتے ہین،

زہیر بن ابی سلمی کہتا ہی۔

وذی نعمة تممتها وشکرتها ... وخصم یکاد الحق یغلب باطله
کففت بمعروف من القول صائب ... اذا ما اضل الناطقین مفاصله
وذی خطل فی القول یحسب انه ... مصیب فما یلمم به فهو قائله
عبأت له حلما واکرمت غیره ... واعرضت عنه وهو باد مقاتله

قرآن مجید مین جو ان بلیغ کا لفظ آیا ہی، اسی معنے مین آیا ہی، مثلاً قل لھم فی انفسھم قولاً بلیغا۔ یعنے ان سے کہو! ان لوگون سے ایسی بات کہ جو بلیغ ہو، یعنے ان کے دل مین اُتر جائے، اسی طرح اس آیت مین بھی وللہ الحجۃ البالغۃ یہی معنے مراد ہین، حاصل یہ کہ جو مضمون جسقدر زیادہ دلنشین اور دلپذیر ہوگا اُسی قدر زیادہ بلیغ ہوگا۔

ایک اور واضح مثال سے یہ نکتہ ذہن نشین ہو سکتا ہی، فرض کرو، ایک شخص کسی آدمی کو گالیان دے رہا ہی اور گالیون مین ہر قسم کی سخن آرائی، لفاظی، جدت پسندی، استعارہ بندی صرف کرتا ہی، الفاظ بھی نہایت شستہ، بامحاورہ، اور فصیح ہین، تو کیا تم اس شخص کو فصیح و بلیغ کہوگے!!

اس تمام تقریر سے امور ذیل ثابت ہوئے، کلام کی خوبی، صرف محاکات کا نام نہین، کلام کی غرض وغایت صرف، سامعین کو محظوظ کرنا نہین۔ بلکہ عقل کی سفارت اور پیغامبری ہی۔ کلام سے جو لذت حاصل ہوتی ہی وہ اسلیے نہین کہ کلام ایک قسم کی محاکات ہی، اور محاکات، انسان کی فطرت مین داخل ہی، بلکہ اسوجہ سے ہی، کہ نطق ایک قوت ہی، اور ہر قوت کے استعمال مین انسان کو خواہ مخواہ مزہ آتا ہی، انسان کا اصلی خاصہ محاکات نہین بلکہ نطق ہی۔ کلام کی خوبی، سچائی پر موقوف ہی۔

ان مقدمات سے معلوم ہوگا کہ بلاغت جس چیز کا نام ہی، وہ عقل کی دست و بازو، انسانیت کا عنصر، راستی کی مترجم، اور فخر کا تاج ہی، وہ اس رتبہ کی چیز ہی، کہ ایک پیغمبر اولوالعزم کا معجزہ قرار پائے، اسی کا اثر تھا کہ قرآن مجید کے اعجاز نے اعجاز موسوی کو بے حقیقت کر دیا۔ عصائے موسوی کا معجزہ، یہودیون یا قبطیون کو غلامی کی حد سے آگے نہ بڑھا سکا۔ لیکن اعجاز قرآنی نے لوگون کو حضیض خاک سے اُٹھا کر آسمان تک پونہچا دیا۔!!

لیکن اگر بلاغت کی وہ حقیقت ہو جو ارسطو نے بیان کی تو نعوذ باللہ، وہ کسی پیغمبر کا معجزہ کیا قرار پا سکتی ہی!

بلاغت کی ماہیت اور حقیقت بیان کرنے کے بعد اب ہم اُسکے اصول اور آئین مرتب کرنا چاہتے ہین لیکن چونکہ بلاغت کا بہت بڑا مظہر، شاعری اور خطبہ پردازی ہی، اسلیے پہلے ہم ان دونون کی حقیقت سے بحث کرتے ہین۔

شاعری اور خطابت، اگرچہ بلاغت کی حیثیت سے برابر کے شریک ہیں، تاہم ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے، شاعری کی حقیقت خود شاعری کی لفظ سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے، اہل عرب چونکہ شاعری کی حقیقت کو خوب سمجھتے تھے، اسلیے انھوں نے اسکا نام بھی ایسا رکھا جو خود شعر کی حقیقت پر دلالت کرتا ہے شاعر کے لفظی معنے صاحب شعور کے ہیں، شعور، احساس (فیلنگ) کو کہتے ہیں، یعنے شاعر وہ شخص ہے جسکا احساس قوی ہو، انسان پر خاص خاص حالتیں طاری ہوتی ہیں۔ مثلاً، رونا، ہنسنا، انگڑائی لینا یہ حالتیں جب انسان پر غالب ہوتی ہیں تو اس سے خاص خاص حرکات صادر ہوتے ہیں، مثلاً رونے کی حالت میں آنسو جاری ہوتے ہیں، ہنسنے کے وقت، ایک خاص آواز پیدا ہوتی ہے۔ انگڑائی کی حالت میں، اعضا تن جاتے ہیں، اسی طرح شعر بھی ایک خاص احساس کا نام ہے، شاعر کی طبیعت پر رنج، یا خوشی یا غصہ، یا استعجاب کے طاری ہوتے ہے ایک خاص اثر پڑتا ہے، یہ اثر الفاظ کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے، اسی کا نام شاعری ہے، شاعر کا احساس، اوروں کے احساس سے قوی ہوتا ہے لیکن اسکے یہ معنے نہیں کہ اسکو اوروں کی بہ نسبت، زیادہ رنج، یا زیادہ خوشی ہوتی ہے بلکہ اسکے یہ معنے ہیں کہ احساس کے وقت اس کی تمام قوتیں جوش میں آجاتی ہیں، احساس، اس کی قوت متخیلہ کو، نطق کو، آواز کو، لہجہ کو، سب کو یک بارگی مشتعل کردیتا ہے، شاعر گویا نودمیدہ سبزہ ہے، کہ جب اسپر پانی پڑتا ہے تو رگ رگ میں سرایت کرجاتا ہے اور وہ لہلہانے لگتا ہے،

خطیب (لکچرار) کا احساس بھی شاعر کے احساس سے کم نہیں ہوتا لیکن خطیب اُس احساس سے مغلوب نہیں ہوتا۔ اُس کی غرض، دوسروں پر اثر ڈالنا ہوتا ہے، وہ اپنے احساس کو قابو میں رکھ سکتا ہے اور اس سے اسی حد تک اور اسی ترتیب اور مناسبت سے کام لیتا ہے جہاں تک اوروں کے متاثر کرنے میں کام آئے، شاعر کو صرف موجودہ حالت سے کام ہوتا ہے، لیکن خطیب یہ بھی دیکھتا ہے کہ آئندہ کیا ہوگا، اس بنا پر خطیب، شاعر کی بہ نسبت زیادہ عاقل، زیادہ ذکی النفس، زیادہ عالی منزلت ہوتا ہے اور اسی بنا پر اہل عرب شعر کو جادوگری، اور خطبہ کو حکمت کہتے ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ شاعری کا اصلی عنصر تشبیہات اور استعارات ہیں، چنانچہ حضرت عیسیٰ کے

…عام غلطی کو اس بنا پر ایک قسم کی شاعری سمجھتے ہین کہ وہ تشبیہات سے مملو ہین، لیکن یہ خیال بالکل غلط ہی، شاعر کی اصلی خصوصیت یہ ہی کہ وہ نہایت سریع الانفعال، اور موسیقی الطبع ہوتا ہی، جب اسپر کوئی خاص اثر طاری ہوتا ہی تو نغمہ، وزن، رقص، کی قوتین جو اسمین فطری ہوتی ہین دفعۃً تحریک مین آجاتی ہین،

حضرت داود پر جب خدا کے احسانات کا اثر غالب آتا تھا تو بے ساختہ وہ وجد مین آکر رقص کرنے لگتے تھے۔ اُن کا کلام جسقدر ہی، سراپا شعر ہی، جو ان کے پرجوش دل سے بےساختہ نکلتا تھا، اسی بنا پر اُن کے اشعار کو مزامیر کہتے ہین، بخلاف اُن کے حضرت عیسی پر شاعرانہ احساس غالب تھا اس لیے اُن کے کلام مین شاعری کی بجاے حکمت اور فلسفہ ہوتا تھا،

ارسطو نے اس بحث مین بھی سخت غلطی کی ہی، وہ کہتا ہی کہ شاعری کے جذبہ کے وقت، انسان جو گانے یا ناچنے لگتا ہی، اسکی وجہ یہ ہی، کہ نغمہ اور رقص، ایک قسم کی محاکات ہی یعنے انسان کے دل مین جو جذبات پیدا ہوتے ہین، آواز، اور حرکات کے ذریعہ سے وہ اُن کی تصویر کھینچتا ہی، چنانچہ رقاص جو کچھ گاتے ہین، حرکاتِ رقص کے ذریعہ سے اسکو بتاتے بھی جاتے ہین۔

لیکن یہ خیال غلط ہی، اصل حقیقت یہ ہی کہ جذباتِ انسانی مثلاً رنج، خوشی، خوف، تعجب، شوق، نفرت، یہ چیزین، انسان کے دل مین ایک نہایت پرزور حرکت پیدا کر دیتی ہین، یہی حرکت، آواز، یا راگ، یا رقص، یا تڑپ، بن جاتی ہی، مثلاً انسان کو جب ہنسی آتی ہی، تو دل مین ایک قسم کی حرکت پیدا ہوتی ہی یہی حرکت، ہنسی بن جاتی ہی، اور چونکہ یہ آثارات، حرکاتِ نفسانی کے مشابہ ہوتے ہین، اسلیے وہ حرکاتِ نفسانی پر اسیطرح دلالت کرتے ہین جس طرح، الفاظ، معانی پر دلالت کرتے ہین،

غرض، جس طرح نطق، ایک فطری چیز ہی، اسی طرح یہ اشارات وحرکات بھی فطری ہین جو بے ساختہ سرزد ہوتے ہین، وہ محاکات کی غرض سے نہین کیے جاتے، گو یہ ممکن ہی کہ محاکات کا مقصد، اس سے حاصل ہو جاے۔

اس موقع پر پہنچکر ایک اور عام غلطی کا رفع کردینا بھی ضرور ہی، اکثر لوگ، شعر اور نثر بلیغ کو ایک سمجھتے ہین، چنانچہ قدما مین، ارسطو، اور متاخرین مین جان مل کا یہی مذہب ہی، ارسطو کا خیال ہی

محاکات کے مختلف طریقے ہین اور خود کلام جو محاکات کا ایک خاص طریقہ ہے، اس مین محاکات کے تین ذریعے پائے جاتے ہین، وزن، الفاظ، نغمہ۔ یہ چیزین تنہا، اور کبھی مل کر، ادائے قلبی کی تصویر کھینچتی ہین، یہی محاکات شعر ہے، یہ محاکات، کبھی صرف الفاظ کے ذریعہ سے ہوتی ہے جسطرح سقراط کا مکالمہ اور کبھی الفاظ اور نظم، دونون کے ذریعہ سے، وزن، شعر کے لیے کوئی ضروری چیز نہین، لیکن عام لوگون نے اسکو شاعری کا ضروری جز قرار دیدیا ہے۔

ارسطو کا خیال اس حد تک صحیح ہے کہ وزن پر شعر کا مدار نہین، لیکن اسکے یہ معنی نہین کہ وزن شعر کے اجزا مین داخل نہین، وزن شعر کا جز ہے، لیکن چونکہ کل کے لیے محض ایک جز کافی نہین ہوتا، اسلیے تنہا وزن سے شعر نہین بن سکتا، لیکن ارسطو کی یہ غلطی ہے کہ وہ سقراط کے مکالمہ، اور ہومر کے کلام دونون کو شعر قرار دیتا ہے۔

جان مل کی رائے اس حد تک صحیح ہے کہ شاعری جذبات کے اظہار کا نام ہے، اور یہ کہ شاعر، دوسرون کو نہین، بلکہ صرف اپنے آپ کو مخاطب کرتا ہے، اس تشریح سے جان مل نے شاعر کو خطیب سے الگ کر دیا، اور اس بنا پر وہ سقراط کے مکالمہ کو شاعری نہین کہتا، لیکن جان مل نے بھی یہ غلطی کی کہ وہ وزن کو شعر کا کوئی ضروری جز نہین قرار دیتا۔

اب دوبارہ غور کرو کہ شعر کس چیز کا نام ہے، انسان پر جب کوئی جذبہ طاری ہوتا ہے تو کسی نہ کسی ذریعہ سے ظاہر ہونا چاہتا ہے، اور چونکہ انسان کی تمام قوتون مین سے نطق سب سے زیادہ قوی اور اسکی مخصوص قوت ہے، اسلیے یہ جذبہ نطق ہی کے ذریعہ سے ظاہر ہوتا ہے، جسطرح کہ حیوانات کی جذبات، مختلف قسم کی آوازون سے ظاہر ہوتے ہین، مثلاً شیر کا ہمہمہ، طاؤس کی جھنکار، کویل کی کوک، وغیرہ وغیرہ بعض وقت یہ جذبہ، موزون حرکات کی صورت مین ظاہر ہوتا ہے، مثلاً طاؤس، اور کبوتر کا رقص، یا راگ سننے کے وقت سانپ کا لہرانا، قدرت نے جن اشخاص کو نطق، اور نطق کے ساتھ نغمہ کی بھی قوت دی ہے اس سے جذبات کی حالت مین شعر ادا ہوتے ہین، اور ساتھ ہی وہ گنگنانے بھی لگتا ہے، اور جب جذبہ زیادہ قوی ہوتا ہے تو رقص کے حرکات بھی سرزد ہونے لگتے ہین، اس بنا پر شعر، وزن، نغمہ، اور رقص کی

مجموعہ کا نام ہے، لیکن چونکہ یہ چیزین، جذبات کے کمال شدت کے وقت پیدا ہوتی ہین، اسلیے ہر شعر مین ان چیزون کا پایا جانا ضروری نہین، تاہم کوئی شعر نغمہ اور راگ سے بالکل خالی نہین ہو سکتا خود وزن جو شعر کا ایک ضروری جز ہے، راگ کی ایک قسم ہے اور یہی وجہ ہے کہ اہل عرب ہمیشہ شعر کو گا کر پڑھتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ شعر پڑھنے کو، اہل عرب انشاد کہتے ہین جسکے معنے گانے کے ہین، اب تم نے سمجھا ہوگا کہ شعر کو وزن سے، نغمہ سے، رقص سے کیا تعلق ہے، درحقیقت یہ سب ایک ہی مخرج سے نکلے ہین، البتہ وزن کو شعر سے بہ نسبت نغمہ، اور رقص کے زیادہ قوی تعلق ہے۔ اور اسی وجہ سے ہمیشہ لوگ وزن، اور شعر کو ایک چیز سمجھتے آئے ہین۔

اس بحث کے بعد مصنف نے بلاغت کے اصول، اور قواعد اور جزئیات بیان کیے ہین، اسکو ہم آیندہ پرچہ کے لیے اٹھا رکھتے ہین۔

شبلی نعمانی۔ از دار العلوم ندوہ، لکھنو۔

المرأة المسلمہ

نمبر (۲)

عورتون کی آزادی کے متعلق پہلا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ

"انسان فطرتاً آزاد ہے پھر وہ کونسا معیار ہے، جس کی بنا پر عورتین اس آزادی سے محروم رکھی جاتی ہین"

اس اعتراض مین یہ امر تسلیم کر لیا گیا ہے کہ عورتین آزادی سے محروم ہین، لیکن جب سوال کیا جاتا ہے کہ کیونکر؟ تو جواب مین دو دلیلین پیش کی جاتی ہین۔

(۱) عورتون کو تعلیم نہین دیجاتی، دنیا کے عام تمدنی اور سیاسی حقوق مین شریک نہین کیا جاتا۔

(۲) انکو پردہ مین تقیید کے ساتھ رکھا جاتا ہی، جس کا مفہوم یہ ہی کہ وہ مردون کی طرح آزاد نہین ہین

قاسم امین بک نے بھی انھین دو دلیلون پر زور دیا ہی اور مختلف واقعات پیش کر کے ثابت کیا ہی کہ پردہ مین عورتون کو مقید رکھنا، اور مردون کی طرح عام تمدنی مشاغل مین شریک نہونا، عورتون کی غلامی اور فطری آزادی سے محرومی کا بین ثبوت ہی[۱]۔

فرید وجدی نے اس کے جواب مین دوراز کار بحثون سے چشم پوشی کر کے صرف عورتون کا طبعی وظیفہ پیش کر دیا ہی، جس کو تم پہلے حصے مین پڑھ آئے ہو، اس پر ایک نظر ڈالو، اور غور کرو، کہ کیا اس سے بہتر جواب ممکن ہی؟ پہلی دلیل کا جواب ظاہر ہی، کہ جس گروہ کے طبعی فرائض ایسے اہم اور دشوار ہون، کیا وہ مردون کی طرح عام تعلیم حاصل کر کے دنیا کی تمدنی اور سیاسی کشمکش مین شریک ہوسکتا ہی؟ عورتون کو مردون کے جبر نے ان مشاغل سے دور نہین رکھا بلکہ خود فطرت نے مردون کی دنیا سے عورتون کو الگ کر دیا ہی، اس لیے اعتراض قدرت پر ہونا چاہیے، نہ کہ مردون پر۔

پردہ کی بحث مستقل عنوان سے آگے آئے گی، لیکن عورتون کے طبعی وظیفہ پر نظر کرتے ہوئے کیا اس امر کے تسلیم کرنے مین کسی کو عذر ہوسکتا ہی، کہ مردون کی نسبت عورتون کو کسی قدر تقیید مین رہنا چاہیے قدرت نے ہر گروہ کے فرائض مقرر کر دیے ہین، اور اقتضائے فرائض کے لحاظ سے ایک خاص حد تک مقید بھی کر دیا ہی، مذہب اور تمدن کا دنیا مین یہی کام ہی، اس بنا پر اگر عورتون کی آزادی کو کسی معتدل حد تک تقیید نہ کیا جائے، تو طبعی فرائض کی انجام دہی مین سخت خرابین پیدا ہوجائین، عورتون اور مردون مین صرف اختلافِ صورت ہی نہین ہی، بلکہ طبیعت، ذہن، اثر، اور فرائض کے لحاظ سے بالکل دو مختلف گروہ ہین، اس لیے ان دونون کے میدانِ عمل کو الگ الگ کر کے پردہ کو بیچ مین حدِ فاصل قرار دیا گیا، تاکہ ہر گروہ اپنے میدانِ عمل مین محدود رہے، اس حدِ فاصل کے اٹھانے کی جب کوشش کیجاتی ہی، تو تمدن و معاشرت کی بنیادون مین حرکت پیدا ہو کر دنیا کو خبردار کر دیتی ہی، کہ عنقریب عمارت گرنے والی ہی، اس امر کے ثبوت کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہین، "یورپ" کی موجودہ حالت کافی ہی۔

[۱] دیکھو تحریر المرأۃ اور المرأۃ الجدیدہ۔

قاسم امین بک نے آزادی کی تعریف ان جملون مین کی ہے۔

آزادی سے ہماری غرض یہ ہے کہ مذہب اور تمدن نے جو حدود قائم کردیے ہین،

ان سے واقف ہونے کے بعد انسان اپنے خیالات، اعمال، اور ارادے مین

مستقل بالذات ہو۔ [1]

جب مذہب اور تمدن کی قید ضروری اور مسلّم ہے، تو نا ظرین اس امر کا فیصلہ آسانی کے ساتھ کرسکتے ہین،

کہ کیا عورتون کا طبعی وظیفہ اس امر کا مقتضی ہے کہ انکو مردون کے تمدنی اور سیاسی مشاغل مین شریک کیا جائے؟

اور کیا مذہب اور تمدن کے مصالح اقتضاے فرائض کے لحاظ سے عورتون کو ایک خاص حد تک مقید رکھنا ضروری نہین قرار دیتے؟

یورپ کے مشہور مصنفون کے جو اقوال دوسرے مسئلہ کی بحث مین درج کیے جائین گے، انکے دیکھنے کے بعد

تم خود اندازہ کرلوگے، کہ یہ صرف فرید وجدی ہی کی تنہا رائے نہین ہے بلکہ یورپ کے تمام جدید مصنفین اس

مسئلہ مین اسکے ہم زبان ہین، انکی متفقہ آواز پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ

"عورتون کا طبعی وظیفہ، نوع انسان کی حفاظت اور تربیت ہے، اس دائرے سے عورت جب قدم باہر نکالتی ہے

تو شائستہ عورت نہین رہتی، بلکہ عورت اور مرد کے علاوہ ایک تیسری جنس کا نمونہ بن جاتی ہے"

وہ یورپ کی عورتون کو "عورت" تسلیم کرنے مین سخت تأمل ظاہر کرتے ہین، اور آزادی، اور آزادی

کی خواہش کو ایک خالص خبط، اور نری وحشت قرار دیتے ہین۔

دوسرا مسئلہ

(الف) عورتون کو تعلیم دی ہی نہین گئی، اس لیے یہ کہنا بھی صحیح نہین، کہ انہین علمی ترقی کی صلاحیت نہین،

(ب) آج یورپ کی جدید تشریحی تحقیقات، اور علم فزیالوجی نے ثابت کردیا ہے، کہ مرد اور عورت ہر حیثیت سے برابر ہین،

قاسم امین بک نے المرأة الجدیدہ مین جا بجا اس امر پر زور دیا ہے،

"کہ یورپ نے غفلت کے اُس قدیم پردے کو اپنی علمی تحقیقات سے چاک کردیا ہے، جسنے اسوقت تک عورتون کی

[1] المرأة الجدیدہ فصل دوم ۱۲

اصلی حالت کو پوشیدہ رکھا تھا، علم تشریح، اور فزیالوجی کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہی، کہ مردوں اور عورتوں مین کسی قسم کا جسمانی یا دماغی فرق نہین ہی، اور جو علمی کام ایک مرد کے قواے ذہنی انجام دے سکتے ہین، بعینہٖ اُسی طرح ایک عورت بھی انجام دے سکتی ہی"

صرف قاسم امین بک ہی کا یہ دعوی نہین ہی، بلکہ عام طور پر جب آزادی نسوان کی بحث پیش ہوتی ہی، تو فریق مخالف کی طرف سے عموماً یہ دعوی پُرزور لفظون مین پیش کیا جاتا ہی۔ اس لیے فرید وجدی کا ایک اہم فرض یہ بھی تھا، کہ اس دعوے کی صداقت یا عدم صداقت کا فیصلہ کر دے۔

قاسم امین بک نے اس دعوے کے ثبوت مین صرف تین قول پیش کیے ہین چنانچہ وہ لکھتا ہی۔

"پروفیسر جیک لوربت علم فزیالوجی کا ایک مشہور عالم لکھتا ہی، کہ،

"بعض ان آثار و نتائج کی بنا پر جو اس وقت تک عورتون سے صادر ہوتے ہین، انکی طبیعت کے متعلق کوئی قطعی اور یقینی رائے قائم نہین کی جا سکتی، اگر عورت بھی اپنی فطری آزادی سے اُسی طرح منتفع ہو، جس طرح مرد اپنی آزادی کے مالک ہین، اور عورت کو بھی اپنے عقل و شعور کی ترقی کے لیے اتنی مدت دیجاے، جتنی مدت مردون نے اپنی عقلی نشو و نما کے لیے صرف کی ہی، تو اُس وقت بیشک کسی قسم کا فیصلہ کیا جا سکتا ہی"

پروفیسر فرش لو لکھتا ہی، کہ

"مین نے ایک عرصہ تک علم ریاضی، اخلاق اور فلسفہ کی تعلیم دی ہی، میرے شاگردون مین ایک بڑی تعداد عورتون کی بھی تھی، مگر مجھپر ہمیشہ یہی ثابت ہوا، کہ مرد اور عورت مین کوئی فرق نہین"

ایک اور عالم جو ناروے کا رہنے والا ہے؟ تجازو جو فزیالوجی کا پروفیسر، اور اٹلی کی اکاڈمی کا ممبر ہی، اپنی کتاب "عورتون کی فزیالوجی" مین لکھتا ہی کہ

لہ اس مضمون مین بار بار یورپین مصنفون کے نام آئین گے، اور اُن کا لہجہ اور تلفظ متغیر ہوگا، لیکن ہم مجبور ہین، فرنچ، اور جرمنی وغیرہ نامون کی تصحیح آسانی سے نہین ہو سکتی، اور نہ ایک معمولی مضمون کے لیے تصحیح مین غیر معمولی اہتمام کیا جا سکتا ہی، عربی خرد اور پرچہ مہ کر جو صورت نامون نے اختیار کر لی ہی بغیر کسی تغیر و تبدل کے ہم درج کر دیتے ہین، اصلی غرض نفس مطلب سے ہی، اور اُس پر مصنف کی اس خفیف غلطی کا کوئی اثر نہین پڑتا ۱۲

تشریحی تحقیقات کی رو سے عورت اور مرد مین کوئی فرق نہین ہے»[1]

پھر ان اقوال کی بنا پر یہ دعوی کیا ہے کہ

«علم فزیالوجی نے ترکیب اجسام حیوانی کے راز مشہور کیے، اور با عظمت علما، جو نہایت باریک نگاہ عورتون کے مسائل پر رکھتے ہین، اس امر پر متفق ہین، کہ عورت تمام قوائے عقلیہ مین مرد کے برابر درجہ رکھتی ہے»[2]

ان اقوال کو دیکھ کر ہر شخص یہی راے قائم کرے گا، کہ یورپ کے مشاہیر علما عورتون کو مردون سے کسی بات مین کم نہین سمجھتے، اور قوائے عقلیہ کے لحاظ سے دونون کو ایک درجہ مین رکھتے ہین، مگر درحقیقت یہی وہ دھوکا ہے جسمین ہندوستان کی تمام نئی جماعت مبتلا ہے، اور جسکی وجہ محض کوتاہ نظری، اور معلومات کی کمی ہے، **فرید وجدی** نے ثابت کیا ہے کہ ان اقوال کے مقابلہ مین یورپ کے مشاہیر علما کی راے اگر دیکھی جاے تو معلوم ہو جائے، کہ یورپ کا قابل ترین حصہ ہرگز اس خیال کو تسلیم نہین کرتا، اُس نے ان تین مصنفون کے اقوال کے مقابلہ مین سیون اقوال پیش کیے ہین، اور ان لوگون کے، جو آج یورپ مین موجودہ مذہب کے مجدد، بہترین مصنف، اور فلسفۂ حسی کے مشہور عالم تسلیم کیے جاتے ہین، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ،

«جب ہم دیکھتے ہین، کہ یورپ مین عورتین اس کوشش مین مصروف ہین، کہ مردون کے تسلط سے نکل کر بالکل آزاد ہو جائین، اور خود کو جسماً اور عقلاً انکے برابر ثابت کر دین، تو ہمکو سخت افسوس ہوتا ہے اور یہ افسوس اُسوقت اور زیادہ بڑھ جاتا ہے، جب ہم دیکھتے ہین، کہ یہ خیال مغربی تعلیم کے ذریعہ مغرب سے مشرق کی طرف قدم بڑھا رہا ہے، اور بعض نادان اور سادہ لوح اُس کی ظاہری صورت پر فریفتہ ہو کر، اس کے خیر مقدم کا سامان کر رہے ہین، اس لیے ہم اس فصل مین قطعی دلائل پیش کر کے ثابت کرنا چاہتے ہین، کہ عورتون کی مفروضہ آزادی کا خیال، اور مردون کے تسلط سے نکلنے کا خبط، محالات کے اقسام مین سے ایک قسم ہے، جس کا پورا ہونا ناممکن، اور محض ناممکن ہے، اس خیال کی کامیابی کے لیے جو شخص کوشش کرتا ہے، اُس کی مثال اُس مجنون کی سی ہے،

[1] دیکھو المرأۃ الجدیدہ - قاسم امین بک ۱۲

[2] المرأۃ الجدیدہ ۱۲

جس کے سر مین قوانین قدرت کے تغیر و تبدل کا سودا سما جائے اور وہ اپنی جہد و کوشش اس حث
اور انہونی بات کے لیے صرف کر دے"[1]

اس کے بعد مرد اور عورت کے جسمانی اور دماغی اختلاف پر بحث کی ہی، اور آخر الذکر کے طبعی ضعف کو علماے تشریح، اور فزیالوجی کی تحقیقات سے ثابت کیا ہی، ہم اُن تمام اقوال و آرا کا خلاصہ ترتیب وار یہان درج کرتے ہین، سب سے پہلے عورت کے جسمانی ضعف پر نظر ڈالو، اور غور سے دیکھو کہ قاسم امین بک اور اس کے ہم خیال لوگون کا دعواے مساوات کہان تک صحیح ہی؟

"(۱) علم تشریح کی تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہی، کہ مرد کی جسمانی حالت عورت کی نسبت بہت زیادہ قوی ہی، یہ جسمانی اختلاف محض قیاس او ظن پر مبنی نہین ہی، بلکہ اُس یقینی درجہ تک پہونچ چکا ہی جس کو تسلیم نہ کرنا مشاہدات اور محسوسات کا انکار کرنا ہی، اسی جسمانی اختلاف کی بنا پر یورپ مین بعض علماے تشریح" عورت کو موجودہ زمانے کے ترقی یافتہ مرد کا حقیقی مقابل تسلیم نہین کرتے، اُن کا خیال ہی، کہ عورت اُس قدیم دنیا کی یادگار ہی، جب انسان ابتدائی حالت مین تھا، اور اسکے قواے جسمانی و عقلی اپنے اصلی درجہ تک نہین پہونچے تھے انسان کی مزاحمت نے اُس دنیا کو برباد کر دیا، اور اُس زمانے کی عورتون پر غلبہ حاصل کر لیا، انھین کی نسل سے یہ عورتین ہین، (انسائیکلوپیڈیا۔ لفظ عورت)

(۲) اُنیسوین صدی کی انسائیکلوپیڈیا کا مصنف لفظ عورت پر بحث کرتے ہوے لکھتا ہی۔

"مرد اور عورت مین اعضاے تناسل کی ترکیب و صورت کا اختلاف، اگرچہ ایک بڑا اختلاف نظر آتا ہی، لیکن صرف یہی ایک اختلاف نہین ہی، عورت کے اور تمام اعضا سر سے پیر تک مرد کے اعضا سے مختلف ہین، یہان تک کہ وہ اعضا بھی، جو بظاہر آخر الذکر سے بے حد مشابہ نظر آتے ہین"

پھر علم تشریح کی تحقیقات کے موافق عورتون کے اعضا پر نہایت دقیق بحث کی ہی، اور تمام بحث کا خر مین یہ نتیجہ نکالا ہی۔

"در حقیقت عورت کی جسمانی ترکیب قریب قریب بچے کی جسمانی ترکیب کے واقع ہوئی ہی، اسی لیے

[1] المرأۃ المسلمہ فصل سوم صفحہ (۳۰)"

تم دیکھتے ہو کہ بچے کی طرح عورت کا بھی حاسہ ہر قسم کے اثر سے بہت جلد، اور بہت زیادہ متاثر ہوجاتا ہے، یہ قاعدہ ہے کہ اگر کوئی غم اور افسوس کا واقعہ پیش آئے، تو فوراً رونے لگتا ہے، اگر کوئی خوشی کی بات ہو، تو بے انتہا، خوش ہوکر اچھلنے کودنے لگتا ہے، قریب قریب یہی حال عورت کا ہے کہ بہ نسبت مرد کے بہت زیادہ اس قسم کے جذبات سے متاثر ہوتی ہے، کیونکہ یہ جذبات اس کے اندر اس طرح اثر ڈالتے ہیں کہ عقل کو اُن سے لگاؤ نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے، کہ ذہین انفعال نہین ہوتا، اور اسی لیے سخت خوفناک موقعون پر عورت ثابت قدم نہین رہ سکتی،،

(۳) علمی تجربے نے ثابت کردیا ہے، کہ عورت کی عمر کا اوسط، مرد کی عمر کے اوسط سے بارہ سنہ بیشتر کم ہے، یہ فرق کسی خاص ملک یا قوم سے تعلق نہین رکھتا، بلکہ جس طرح وحشی اقوام مین پایا جاتا ہے اسی طرح متمدن ممالک مین بھی پایا جاتا ہے۔

(۴) جس طرح عمر کے اوسط مین اختلاف پایا جاتا ہے اسی طرح جسم کے وزن اور ثقل مین بھی اختلاف ہے، مرد کے جسم کا متوسط ثقل سینتالیس کیلیو ہے، مگر عورت کے جسم کا متوسط ثقل بیالیس کیلیو اور نصف سے کسی حالت مین زیادہ نہین ہوتا، یعنے عورت کے جسم کا ثقل مرد کے ثقل سے پانچ کیلیو کم ہوتا ہے۔

(۵) عضلات کے حجم و قوت کے لحاظ سے بھی عورت، مرد کا مقابلہ نہین کرسکتی، ڈاکٹر دوفاری انسائیکلوپیڈیا مین لکھتا ہے کہ

"مجموعی حیثیت سے اگر دیکھا جائے، تو عورت کے جسم کے عضلات، مرد کے عضلات سے اس درجہ مختلف ہین اور حجم و قوت کے لحاظ سے اول الذکر کے عضلات اس قدر ضعیف ہین، کہ اگر انکی طبعی قوت کے تین حصے کیے جائین، تو دو حصے قوت مرد کے حصے مین آئے گی، اور صرف ایک حصہ قوت عورت مین ثابت ہوگی، عضلات کی حرکت کی سُرعت، اور ضبط کا بھی یہی حال ہے، مرد کے عضلات جسمی عورت کی نسبت حرکت مین زیادہ تیز، اور اپنے فعل مین زیادہ قوی ہین"

(۶) قلب، جو انسانی زندگی کا اصلی مرکز ہے، اسی طرح اُسمین بھی اختلاف پایا جاتا ہے، علمی تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے، کہ عورت کا قلب، مرد کے قلب سے ساٹھ ڈرام چھوٹا اور خفیف ہوتا ہے۔

(۷) قوتِ تنفس کے لحاظ سے بھی عورت اور مرد میں عظیم الشان اختلاف ہے، مرد ایک گھنٹہ میں تقریباً گیارہ ڈرام کاربون ایسڈ صرف کرتا ہے، اور عورت ایک گھنٹہ میں چھ ڈرام سے بھی کچھ کم صرف کرسکتی ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عورت کی طبعی حرارت، مرد سے بدرجہا کم ہے"

یہ تمام تحقیقات، اور اقوال عورت کے جسمانی ضعف کو کن قطعی دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں؟ تمام اینگ کے دعوائے مساوات پر کس قسم کا اثر ڈالتے ہیں؟ اس کا فیصلہ ناظرین کے طبع سلیم پر چھوڑ کر، اب ہم اس مسئلہ کے دوسرے پہلو پر متوجہ ہوتے ہیں، اور عورت اور مرد کا معنوی اختلاف، اور اول الذکر کا دماغی ضعف وضاحت کے ساتھ دکھلاتے ہیں —

(۱) مشہور اشتراکی فلاسفر علامہ پرودن اپنی کتاب ابتکار النظام میں لکھتا ہے، کہ

"عورت کا وجدان، بمقابلہ مرد کے وجدان کے، اسی قدر ضعیف ہے، جس قدر اسکی عقلی قوت مرد کی قوتِ عقلیہ کے مقابلہ میں ضعیف نظر آتی ہے، اسکی اخلاقی قوت بھی مرد کے اخلاق سے بالکل مختلف ہے، اور ایک دوسری قسم کی طبیعت رکھتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جس چیز کے حُسن و قُبح کے متعلق وہ رائے قائم کرتی ہے، وہ بہ نسبت مرد کی رائے کے، عموماً ناقص ہوتی ہے، * * * * * * * پس عورت اور مرد میں عدم مساوات، کوئی عارضی امر نہیں ہے، بلکہ عورت کی طبعی خاصیت پر مبنی ہے"

(۲) حواس خمسہ، جس پر انسان کی عقلی اور دماغی نشو و نما کا دار و مدار ہے، اُس میں بھی سخت اختلاف پایا جاتا ہے، علامہ نیکولس اور علامہ وبلیہ نے ثابت کردیا ہے، کہ عورت کے حواس خمسہ مرد کے حواس سے ضعیف ہیں۔

(الف) عورت کی قوت شامہ کی طاقت یہ امر بانع ہے، کہ وہ دور سے عطر لیمون کی خوشبو محسوس کرسکے، برخلاف مرد کے، کہ اسکی قوت شامہ قوی ہے، اور وہ نہایت آسانی سے محسوس کرسکتا ہے۔

(ب) اسی طرح تجربہ سے ثابت ہوچکا ہے، کہ عورت پراسک ایسڈ کی بو بہ نسبت مرد کے بہت دیر سے محسوس کرسکتا ہے، جو ضعفِ قوت کی بیّن دلیل ہے۔

(ج) ذوق اور سمع کا حاسّہ بھی عورت سے مرد کا بہت زیادہ قوی ہی، اس کے لیے کسی تشریحی دلیل کی ضرورت نہین، الحمرا سائیکلو پیڈیا نے تصریح کر دی ہی، کہ

"یہ اسی ضعف کا نتیجہ ہی، کہ طعام کی عمدگی اور بدمزگی کے پہچان نے والے آواز کے پرکھنے والے، اور پیانو کی، اگرن کے نقاد کل کے کل مرد ہین، ایک عورت نے بھی خود کو ان باتون مین باکمال ثابت نہین کیا"

(د) قوت لامسہ کے متعلق علامہ لومبروزو اور سیرجی وغیرہ استادون کی متفقہ تحقیق ہی، کہ عورت مین یہ قوت مرد کی نسبت بہت ضعیف پائی جاتی ہی، انکی محققانہ دلیل یہ ہی کہ جن آلام، اور تکالیف کی عورت متحمل ہوتی ہی، مرد اس قدر نہین ہو سکتا، یہ ظاہر فرق بتلا رہا ہی، کہ مرد کی نسبت عورت کی قوت احساس ضعیف بلکہ ضعیف ہی، علامہ لومبروزو کے اصلی الفاظ یہ ہین:-

"حمل اور وضع کی شدید تکالیف پر نظر ڈالو، اور دیکھو، کہ عورت دنیا مین کیسے کیسے آلام اور مصائب کی متحمل ہوتی ہی، اگر مرد کی طرح اس کا احساس قوی ہوتا، تو ان تمام سختیون کی کیونکر متحمل ہو سکتی؟"

(۳) قوت ادراک کا اصلی مرکز انسان مین بھیجا ہی، اسی کی کمی اور زیادتی، اور ضعف و قوت پر ادراک کی تیزی اور سستی کا دارومدار ہی، لیکن جب علم سائی کولوجیا[1] کے تجارب کو پیش نظر رکھ کر ہم غور کرتے ہین، تو اسمین بھی عورت ضعیف تر ثابت ہوتی ہی، علم مذکور نے ثابت کر دیا ہی، کہ عورت کے بھیجے اور مرد کے بھیجے مین مادّہ اور شکل کا سخت اختلاف ہی[2] مرد کے بھیجے کا اوسط، عورت کے بھیجے سے سو ڈرام زیادہ ہی، اگر کوئی اس کے جواب مین کہے، کہ یہ زیادتی عورت

---

[1] "سائی کولوجیا کا عربی ترجمہ مصنف نے "علم النفس بالتجارب" کیا ہی، یہ وہ علم ہی جس سے انسان کے نفس اور دماغ کی اصلی ہیئت معلوم ہوتی ہی" (دیکھو چمبرز ڈکشنری صفحہ ۴۰۵) ۱۲

[2] مصنف نے دماغی اختلاف پر بحث کرتے ہوئے، دماغ کے وزن، اور مخیخ کے اختلاف پر قصداً یا سہواً توجہ نہین کی، حالانکہ وہ قوت عقلی ضعف کی بنا اسی اختلاف پر ہی۔ دماغ کے وزن کا اختلاف ہم آگے چل کر دکھلائین گے، لیکن بھیجے کی بحث مین مخیخ کے اختلاف کو بھی دیکھنا ضروری ہے اصطلاح تشریح مین دماغ کے آخری حصے کو مخیخ کہتے ہین، مرد کا دماغ مین بھیجے کے ساتھ مخیخ کی نسبت (۱) اور (۸) کی ثابت ہوئی ہی، مگر عورت کے دماغ مین زیادہ سے زیادہ (۱) اور (۶) کی نسبت ہوتی ہی، یہ بھی سمجھ لینا چاہیے، کہ مخیخ دماغ کا وہ حصہ ہی جسکی حصہ کی زیادتی پر عقل اور فہم کی تیزی اور عمدگی کا دارومدار ہی، (دیکھو التوضیح فی اصول التشریح صفحہ ۴۴۲) ۱۲

اور مرد کے جسمانی اختلاف پر مبنی ہی، تو یہ بھی غلط ہی، کیونکہ یہ تحقیق ہو چکا ہی، کہ مرد کے بھیجے کی مقدار، اسکی جسمانی حالت سے وہ نسبت رکھتی ہی، جو چالیس کے عدد کو ایک سے ہوتی ہی، مگر عورت کا بھیجا اسکی جسمانی قوت سے چوالیس اور ایک کی نسبت رکھتا ہی، اس سے ظاہر ہوتا ہی، کہ اگر عورت کے بھیجے کی کمی جسمانی ضعف پر مبنی ہی، تو مقابلتاً اختلاف کیون پایا جاتا ہی؟

اسی طرح بھیجے کے اس جوہر مین، جو قوت ادراکی کا نقطۂ حقیقی ہی، محسوس اختلاف پایا جاتا ہی،

قاسم امین بک اس تشریحی اور فزیالوجی اختلاف سے بے خبر نہ تھا، اُس نے اٹلی کے ایک مصنف تنجارو کے قول سے استشہاد کر کے پہلے سے پیش بندی کر دی، وہ لکھتا ہی، کہ

"اسمین شک نہین، کہ آجکل عورت مرد سے ہر حیثیت مین کم نظر آتی ہی لیکن ہمکو اس امر پر بھی غور کرنا چاہیے کہ یہ اُس کا طبعی اور خلقی ضعف ہی، یا تربیت کی خرابی، اور مدت کی غلامی نے اسکو اس ادنی حالت پر پونچا دیا ہی؟"

پھر تنجارو کی رائے نقل کی ہی، کہ

"سب سے بڑا فرق جو مرد اور عورت کے دماغی قوی مین پایا جاتا ہی، اسکی وجہ وہ حالت غلامی ہی جسمین ایک زمانۂ دراز سے عورت محیط ہی[1]"

عام طبیعتین، ممکن ہی، کہ اس اعتراض کے رعب مین آجائین، لیکن **فرید وجدی** پر اسکا جادو کارگر نہین ہو سکتا، "فزیالوجی" اور "علم النفس و القویٰ" کے محققانہ اصول اس کے پیش نظر تھے، اُس نے ایک سیدھی سی بات پیش کر کے ثابت کر دیا، کہ یہ اعتراض بھی مدافعت کے لیے کافی نہین، چنانچہ وہ لکھتا ہی، کہ

"ممکن ہی، کہ ایک شخص ان تمام دلائل تشریحی کو دیکھ کر یہ اعتراض کرے، کہ جو دماغی اختلاف تمنے ثابت کیا ہی، وہ نتیجہ ہی مردون کے تسلط، جبر، ظلم، اور بے رحمی کا، ایک زمانۂ دراز سے عورتین حالت غلامی مین زندگی بسر کر رہی ہین، اور تہذیب و شائستگی، تعلیم و تمدن سے، جو عقلی قوت کی نشو و نما کا باعث ہوتا ہی، قطعی محروم ہین، اگر انکو ایک طول طویل زمانے تک اس کا

[1] المرأۃ الجدیدہ قاسم امین بک فصل چہارم ۱۲

سرتبہ دیا جائے، کہ وہ مردوں کی طرح تعلیم وشائستگی حاصل کریں، اور قوائے عقل کے زنگ کو دور کریں، تو کیا عجب ہے کہ انکے دماغی قویٰ اتنی ترقی کریں کہ مرد کے قویٰ کے مساوی ہو جائیں، اور وہ ضعف جو ان دونوں صنفوں میں ما بہ الامتیاز قرار دیا جاتا ہے، مفقود ہو جائے،" لیکن حقیقتاً اعتراض بھی پایۂ ثبوت تک نہیں پہونچ سکتا۔

اوؔل تو وہ قومیں، جو ایک زمانۂ دراز سے حالتِ وحشت میں زندگی بسر کر رہی ہیں، اور جنکا بڑا حصہ دنیا کے مختلف حصوں میں موجود ہے، اس اعتراض کی غلطی پر شاہد ہیں، انمیں گو تعلیم اور تمدن نہیں ہے، تو کسی ایک جنس میں نہیں ہے، بلکہ مرد اور عورت دونوں میں نہیں ہے، اگر نہیں وحشت پائی جاتی ہے، تو صرف عورتوں ہی میں نہیں پائی جاتی، بلکہ مرد اور عورت دونوں میں پائی جاتی ہے، پھر اگر یہ اعتراض صحیح ہے، تو اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ جسمانی اور دماغی فرق متمدن ممالک کی طرح، اُن میں بھی باہم پایا جاتا ہے؟ کیا افریقہ کی وحشی قوموں نے بھی عورتوں کو تعلیم اور شائستگی سے محروم کر رکھا ہے؟ کیا وحشت کے ساتھ اُنمیں بھی یہ امتیاز پایا جاتا ہے؟

دوؔم یہ، کہ اگر یہ اختلاف مردوں کے تمدنی مشاغل میں عدمِ مشارکت کا نتیجہ ہے، اور اس امر پر مبنی ہے، کہ مردوں کے تسلط سے عورتوں کو آزادی نصیب نہیں ہوتی، تو سوال یہ ہے، کہ وحشی اقوام میں یہ فرق کس بنا پر پایا جاتا ہے؟ ظاہر ہے، کہ ممالکِ حارّہ کے رہنے والے وحشی اقوام میں، مردوں کی طرح عورتیں بھی بالکل آزاد اور مستقل ہیں، یہانتک کہ تمام خارجی کام بھی مثل زراعت اور آبپاشی وغیرہ کے عورتیں ہی کیا کرتی ہیں؟ پھر متمدن ممالک کی طرح یہ دماغی اور جسمانی اختلاف اُن اقوام میں کیوں پایا جاتا ہے؟[1]

ایک عجیب بات یہ ہے، کہ ادھر تو یہ اعتراض کیا جاتا ہے، کہ عورتوں کی گذشتہ وحشت نے ان کے جسمانی اور دماغی قویٰ کو ضعیف کر دیا، اور ادھر یورپ کے بعض مصنفین کا یہ خیال ہے، کہ تمدن کی ترقی، عورت اور مرد کے اختلاف کو اور زیادہ کر رہی ہے، انسائیکلوپیڈیا

---

[1] المرأة المسلمة فصل سوم صفحہ (۳۴) و (۳۶) ۱۲

مصنف لکھتا ہی "مرد اور عورت کا اختلاف تمدن کی ترقی سے اور زیادہ بڑھ رہا ہی"[1]

حقیقت یہ ہی کہ مرد اور عورت کا جسمانی اور دماغی اختلاف، ایک طبعی اختلاف ہی جسکی کوئی تاویل نہین کی جاسکتی، فرض کرلو، کہ تشریح اور فزیالوجی کی یہ تمام دقیق بحث سر سے پیر تک غلط ہی، یہ بھی تسلیم کرلو، کہ اگر اختلاف پایا بھی جاتا ہی، تو صرف اُسی حد تک، جس حد تک خارجی اثرات نے عورتون کو ضعیف کردیا ہی لیکن اسکا کیا جواب ہوسکتا ہی، کہ حیوانات اور نباتات کی طبعی حالت بھی اس اختلاف کی صاف صاف شہادت دے رہی ہین، صرف اتنا ہی نہین، بلکہ جہان تک کیمسٹری کی علمی تحقیقات اور تجارب نے پتہ لگایا ہی، جمادات بھی اس اختلاف سے محفوظ نہین، عود، خرما اور کیلہ کے درختون مین جہان نر اور مادہ کا امتیاز ثابت ہوا ہی، وہان یہ بھی ثابت ہوا ہی کہ نر درخت کو مادہ درخت پر طبعی قوت کے لحاظ سے فوقیت حاصل ہی، حیوانات مین نر کو جو تسلط، اور غلبہ اپنی مادہ پر ہوتا ہی، اسکے لیے علمی دلائل کی ضرورت نہین روزانہ مشاہدہ کافی ہی، نر اپنی مادہ کی خبر گیری اور حفاظت کرتا ہی، حمل کے زمانہ مین اُس کو آرام سے رکھتا ہی خود پر اُسکو ترجیح دیتا ہی، نسبتاً زیادہ محنت کرتا ہی، اس سے زیادہ یہ کہ مادہ سے نر کا قد وقامت عموماً زیادہ ہوتا ہی، تشریح نے ثابت کردیا ہی، کہ نر کے جسمانی قویٰ، خارجی اور داخلی اعضاء، مادہ سے بہت زیادہ قوی ہوتے ہین، طب کا محققانہ اصول ہی کہ مادہ کی نسبت، نر کا گوشت زیادہ قوی اور زیادہ طاقت بخش ہوتا ہی کیا یہ تمام باتین اس امر کا بیّن ثبوت نہین ہین، کہ مخلوقات مین جنس اناث اور رجال کا اختلاف، خارجی اثرات کا نتیجہ نہین ہی، بلکہ خود فطرت نے جسم و دماغ تقسیم کرتے ہوے عورتون کو مرد سے کم حصہ بخشا ہی، فرید وجدی نے جسقدر دلائل پیش کیے ہین، اگر وہ ثبوتِ دعوی کے لیے کافی نہ سمجھے جائین، تو ابھی اور بیسیون اختلاف دکھلائے جاسکتے ہین۔

فزیالوجی کا یہ مسلم اصول ہی، کہ انسان کی عقلی قوت وضعف کا سرچشمہ دماغ ہی، احمقون اور بیوقوفون کا دماغ، مشاہیر عقلا کے دماغ سے بالکل مختلف ہوتا ہی، تجربہ سے ثابت ہوچکا ہی کہ جو لوگ زندگی مین احمق اور لایعقل مشہور تھے، جب انکے دماغ کو وزن کیا گیا، تو تیئیس ۲۳ اوقیہ سے کسی حالت مین زیادہ

[1] فصل سوم صفحہ ۷۰ (۳) ۱۲

ثابت نہین ہوا لیکن جن لوگون کی عقل کی تیزی، ذہن کی سرعت، خیال کی بلندی عام طور پر مسلم تھی انکے دماغ تولے گئے، تو سا ۱۳ اوقیہ سے بھی وزن مین متجاوز ثابت ہوے، یہی وہ قوائے عقلیہ کا سرچشمہ ہی جسمین مرد کا پلہ عورت سے کئی درجہ بڑھا ہوا ہی، مرد کے دماغ کے وزن کا اوسط عام طور پر ۴۹½ اوقیہ ہی، اور عورت کے دماغ کا وزن صرف ۴۴، دوسو اٹھتر مردون کے دماغ وزن کیے گئے، تو سب سے بڑے دماغ کا وزن ۶۵ اوقیہ اور سب سے چھوٹے دماغ کا وزن ۳۴ - اوقیہ ثابت ہوا، لیکن جب دوسو اکانوے دماغ عورتون کے وزن کیے گئے، تو سب سے زیادہ وزنی دماغ ۵۴ - اوقیہ کا اور سب سے کم وزنی دماغ ۳۱ - اوقیہ کا نکلا، کیا یہ اختلاف اس امر کا بہترین ثبوت نہین ہی، کہ عورت کے عقلی قویٰ، مرد کے قویٰ سے بدرجہا ضعیف ہین؟ دماغ جو قوائے عقلیہ کا اصلی مرکز ہی، جب اُس کا یہ حال ہی تو پھر عورتون کا یہ دل گردہ کہان، جو مردون کی برابری کا دعویٰ کرسکین؟ - [1]

لیکن آو، دل اور گردون کا بھی امتحان کرلین، فزیالوجسٹ جماعت کا اس تحقیق پر اتفاق ہی، کہ مردون کے دل کا وزن دس سے بارہ اوقیہ تک ہوتا ہی، اور عورت کے دل کا وزن زیادہ سے زیادہ دس اوقیہ ورنہ عام اوسط آٹھ اوقیہ ہی، اس فرق کو جسمانی اختلاف سے کوئی تعلق نہین، کیونکہ مرد کے دل کو اُسکے جسمانی قوت سے، ایک، اور ایک سو اُنسٹھ کی نسبت ہی، مگر عورت کا دل تمام جسم سے وہ نسبت رکھتا ہی جو ایک کو ایک سو اُنتالیس سے ہوتی ہی -

گُردون کے وزن مین مرد اور عورت اسقدر مختلف ہین، کہ سخت حیرت ہوتی ہی، مرد کے گردون کا وزن چھ اوقیہ سے ساڑھے چھ اوقیہ تک تحقیق ہوا ہی، مگر عورتون کے گردون کا وزن زیادہ سے زیادہ نصف اوقیہ! ورنہ عموماً نصف اوقیہ سے بھی کسی قدر کم! - [2]

جو لوگ یورپ کی معمولی سی معمولی آواز کو بھی وحی الٰہی سمجھتے ہین اُنکے لیے قاسم امین بک کا یورپ کے

[1] التوضیح، فی اصول التشریح صفحہ (۷۰۴) کتاب ڈاکٹر دیوحنا ورٹبٹ، پروفیسر تشریح و فزیالوجی کی مستند تصنیف ہی جدید تشریح مین اس سے بہتر کوئی کتاب عربی مین نہین لکھی گئی، پہلی مرتبہ مصر مین چھپی، پھر ترمیم و تہذیب کے بعد بیروت سے شائع ہوئی، بیروت کا ایڈیشن پیش نظر ہی

[2] التوضیح صفحہ (۷۰۶) ۱۲

دو تین قولوں کو پیش کردینا، یہ حکم رکھتا ہی، کہ اُس کے آگے اطاعت کا سر فوراً جھکا دیں، اُس لیے ان تمام رایوں کے پیش کرنے کے بعد فرید وجدی نے انکے بھی قلعی کھولدی، اور بتلادیا، کہ اُن ہشیار اقوال کے مقابلہ مین، جو آزادی کی مخالفت کر رہے ہین، سے تنجاز وا اور فرش لو کی شخصی رائین، ہرگز وقعت کی نظر سے نہین دیکھی جاسکتین، چنانچہ لکھتا ہی، کہ

"جو اقوال ہمنے پیش کیے ہین، وہ اُن لوگون کے ہین، جو آج یورپ مین مشاہیر فلاسفہ مین تسلیم کیے جاتے ہین، ہمنے جابجا انسائیکلوپیڈیا کے اقوال سے استشہاد کیا ہی، اور انسائیکلوپیڈیا علوم عصریہ کا عطر، اور انیسوین صدی کے اعاظم اور کبار علما کی رایون کا خلاصہ ہی، اس کے مقابلہ مین سے تنجاز و وغیرہ کے اقوال وہ نسبت رکھتے ہین، جو قول احاد کو جمہور کی رائے سے ہوتی ہی"[1]

عورت مین اس تمام تشریحی ضعف کے ساتھ انفعال اور ہیجان کی قوت، مرد سے بہت زیادہ ہی، اور یہی ایک ایسی چیز ہی جس مین عورت کا پلہ مرد سے بڑھا ہوا ہی، لیکن افسوس ہی، کہ اس قوت سے بھی عورت کوئی فائدہ نہین اُٹھا سکتی، کیونکہ ہیجان اور احساس کی زیادتی کا نتیجہ یہ ہی، کہ عورت عقلی دائرے مین اور زیادہ ناکام ہوگئی ہی، چنانچہ فرید وجدی نے انسائیکلوپیڈیا سے پروفیسر دوفارینی کا قول نقل کیا ہی، کہ

"یہ اختلاف، ان دونون جنسون کے ظاہری ممیزات سے بالکل مطابق ہی، مردین کا فہم، اور ادراک کا مادہ زیادہ ہی، اور عورت مین انفعال اور ہیجان کا جذبہ بڑھا ہوا ہی"[2]

ایک اور مشہور مصنف علامہ تروسیہ ہیجان کی زیادتی سے عورت کے طبعی ضعف پر استدلال کرتا ہی، اسکے اصلی الفاظ یہ ہین۔

"عورت کے عصبی ضعف کا نتیجہ ہی، کہ تم اُس کے مزاج مین مرد کی نسبت زیادہ ہیجان پاتے ہو، اور اسکی توجہ اپنے طبعی وظیفہ حمل، وضع، اور ارضاع کی طرف، اسکو مختلف قسم کی تکلیفون، اور خطرات مین ڈالدیتی ہی"

---

[1] المرأۃ المسلمہ صفحہ (۱۰۷) ۱۲

[2] المرأۃ المسلمہ صفحہ (۲۶ ۳) ۱۲

۱

علمی خبرین

انگلستان مین جنون ۔ یورپ، اور یورپ مین بالخصوص انگریز، حفظان صحت کا بیحد خیال رکھتے ہین، اور علوم وتمدن کی ترقی نے جو اسباب صحت، اور حفاظت کے مہیا کر دیے ہین، اُنسے پورے طور پر منتفع ہوتے ہین، لیکن یہ ایک عجیب بات ہی، کہ باوجود اس ممتاز خصوصیت کے انگلستان مین **دیوانون** کی تعداد روز بروز ترقی کر رہی ہی، سن رواں مین جو تعداد سرکاری طور پر مشتہر کی گئی ہی، ایک لاکھ اُنیس ہزار آٹھ سو اُنتیس ہی، جب ہم اس تعداد کو انگلستان کی عام مردم شماری کے مقابلہ مین رکھتے ہین، تو اوسط طور پر ہر **دو سو پچاسی** آدمیون کے بعد **ایک** آدمی دیوانہ ثابت ہوتا ہی، حالانکہ دس سال پہلے عام اوسط $\frac{1}{293}$ تھا! اور اس سے پیشتر اس سے بھی کم، انگلستان کی طبی جماعتون نے جب اس خوفناک ترقی کے اصلی اسباب تلاش کیے تو بحث وتجربہ کے بعد دو وجہین ثابت ہوئین پہلی وجہ یہ ہی، کہ انگلستان مین **شراب نوشی** کی عادت روز بروز بڑھ رہی ہی، شراب کا اصلی جزو الکحل ہی، اور الکحل دماغی قوت کے لیے سم قاتل ہی۔

دوسری وجہ۔ انگلستان کے اُس مظلوم طبقہ کی ذلیل اور غلیظ معاشرت ہی، جو تمدن وعلوم کے مرکز مین رہکر تمدنی آرام وآسایش سے قطعی محروم ہی، انگلستان مین فقرا اور مساکین کا گروہ نہایت وسیع ہی، **لنڈن** کا ایک بڑا حصہ، انھین آوارہ گرد فاقہ مستون سے بھرا ہی، رات کو خوفناک سردی سے بچنے کے لیے نہ کسی ڈیوک کی فیاضی اُنھین ایک پُرآرام کمل بخشتی ہی، نہ تین گھنٹہ سونے کے لیے کسی باعظمت لارڈ کی ڈیوڑھی جگہ دیتی ہے، ہمدردی بنوع انسان کی محبت، ابنائے جنس پر رحم، یورپ کے وہ جذبات ہین، جو یا تو ٹرکی کی حکومت مین کتنی عیسائیون کو آزادی دلانے کے لیے حرکت مین آتے ہین، یا مشنریون کے مقدس گروہ کی دبانی مخالفت

مذہب کے مظلوم بھائیون کو عیسائی بنانے کے لیے ظاہر ہوتے ہین، مگر خود دارالحکومت اُن جذبات کے اثر سے نا آشنا ہی، جو ہزارون میل کے فاصلہ پر، ٹرکی مین دکھلائے جاتے ہین، یا سمندر پار ایشیا مین۔

یہ وسیع گروہ، چونکہ مجبوراً قابل نفرت حالت مین زندگی بسر کرتا ہی، اس لیے طبعی طور پر مختلف قسم کے عوارض مین مبتلا ہوجاتا ہی، منجملہ اُن کے ایک جنون بھی ہی، چنانچہ تجربہ سے ثابت ہوچکا ہی، کہ سو دیوانون مین اکانوے دیوانے اسی گروہ کے ہوتے ہین، گذشتہ سال دو ہزار چھ سو تیس دیوانون مین، دو ہزار پانچسو چھ دیوانے فاقہ مست، اور نقیر تھے۔

ہر سال دیوانون کی مجموعی تعداد کے ساتھ فرداً فرداً یہ بھی بتلایا جاتا ہی، کہ کن کن عوارض اور اسباب کے دیوانون سے یہ تعداد پوری ہوئی ہی، ۱۸۹۵ء سے ۱۸۹۹ء تک کے پانچ سالون کی مجموعی تعداد مین مندرجہ ذیل اسباب سے خاص خاص تعداد کے دیوانے دریافت ہوئے۔

	دماغی عوارض	مرد	عورت
(۱)	خانگی پیچیدگیون اور صدمات سے	۳۶	۸۸
(۲)	خلاف توقع ناکامیابی کے صدمہ سے	۵۶	۳۵
(۳)	قوائے عقلی کو بیجا محنت مین ڈالنے سے	۵۵	۵۹
(۴)	مذہبی اثرات سے	۱۱	۱۶
(۵)	عشق کے صدمات سے	۵	۱۹

	جسمانی عوارض	مرد	عورت
(۶)	کثرت استعمال مسکرات سے	۲۲۷	۹۷
(۷)	آفتاب کی حرارت کے صدمہ سے	۱۳	۱
(۸)	ناگہانی صدمات سے	۴۳	۸
(۹)	بخار کی شدت سے	۱۲	۸

(۱۰)	بھوک کی شدت سے	۹	۹
(۱۱)	بڑھاپے سے	۷۱	۸۵
(۱۲)	مختلف بدنی امراض سے	۱۴۰	۱۳۱
(۱۳)	خاندانی اثر وراثت سے	۱۸۸	۲۴۹

اس جدول مین سب سے زیادہ تعداد نمبر (۶)، (۱۲) اور (۱۳) کی ہی جس سے ثابت ہوتا ہی، کہ شراب نوشی اور زناکاری کی کثرت، جنون کی زیادتی کا اہم ترین سبب ہی۔

الکحل - الکحل، ایک مُسکر مادہ کا نام ہی جو شراب کا جزو اعظم ہی، اس بنا پر شراب کی جتنی مضرتین بیان کی جاتی ہین، وہ فی الحقیقت **کھل** کی مضرتین ہین، شراب کے علاوہ کھل مختلف امراض کی دوائیون مین شامل کیا جاتا ہی، ابسے کچھ عرصہ پہلے عام خیال یہ تھا، کہ شدت ضعف کی حالت مین مریض کو فوری تقویت پونہچانے کے لیے، اور اعضا مین چستی پیدا کرنے کے لیے کھل سے زیادہ کوئی چیز مفید نہین، لیکن آجکل شراب کی مضرتین یورپ مین اس درجہ مسلم ہو گئی ہین، کہ ایک بڑی جماعت مرض کی حالت مین بھی کھل کا استعمال جائز نہین رکھتی، اس جماعت کے مقابلہ مین قدیم رائے کی جماعت بھی موجود ہی، جو کھل کی مضرت کو تسلیم نہین کرتی، حال مین لندن کے محکمہ طبیہ کے سکریٹری، ڈاکٹر ڈوسن برنس نے اس اختلاف کے متعلق ایک محققانہ مضمون شائع کیا ہی، اور ثابت کیا ہی، کہ جو لوگ شراب کے اصلی جزو کھل کو عام طور پر یا بعض حالتون مین مفید قرار دیتے ہین، وہ سخت غلطی پر ہین، کیونکہ شراب اور کھل انسان کی جسمانی اور دماغی صحت کے لیے ہر حالت مین مضر ہی، ڈاکٹر موصوف کے مضمون کا خلاصہ حسب ذیل ہی۔

(۱) یورپ مین عام طور پر یہ خیال پھیل گیا ہی، کہ کھل اکثر امراض کے لیے مفید ہی، مگر یہ صحیح نہین
(۲) یہ خیال بھی غلط ہی، کہ عصبات اور عضلات کے اختلاط پر انسان کے لیے کھل مفید ہوتا ہی۔
(۳) بعض حالتون مین دیکھا گیا ہی، کہ شدت ضعف کے موقع پر کھل سے فائدہ ہوا۔ لیکن اول تو اس

سم کا فائدہ ضرور نہین، کہ ہر حالت مین ثابت ہو، دوسرے یہ کہ اگر ادرصورتون مین ہوتا بھی ہی، تو وہ ایک
وقتی اثر ہی جس پر اعتبار نہین کیا جاسکتا،،

آجکل مصر اور قسطنطنیہ مین دو قابل ذکر کتابین چھپ رہی ہین۔

(۱) کتاب الفہرست ابن الندیم، مسلمانون کی قدیم علمی کوششون کی ایک بے نظیر یادگار ہی سب سے پہلے یورپ
نے اسکا سراغ لگایا، اور لیپزگ کے مشہور عالم پریس مین چھاپکے شائع کیا لیکن چونکہ یورپ کی تمام کتابون کی طرح اس کی
قیمت بھی بہت گران تھی اسلیے معمولی استطاعت کے علم دوست اشخاص اس سے فائدہ نہین اُٹھا سکتے تھے، ناظرین
نہایت مسرت سے سنین گے کہ اب اسکی نقل قسطنطنیہ کے ایک تاجر نے چھپوانی شروع کردی ہی۔

(۲) الاصابہ فی معرفۃ اسماء الصحابہ۔ رجال کی مشہور کتاب ہی جسکو ۱۸۵۶ء مین ایشیاٹک سوسائٹی بنگال نے کلکتہ مین
چھپوا کر شائع کیا تھا، اب مصر کی ایک نئی شرکت (کمپنی) اس کی نقل چھاپ رہی ہی، پہلا حصہ عنقریب شائع ہوگا۔

سن رواں (۱۹۰۸ء) مین ۹۲،۲۸،۰۹،۷ گینی، اشاعت علوم و معارف پر انگلستان
مین صرف کی گئی۔

یادگار نامہ ۔ الیاس ولکنس، موجودہ زمانے مین یورپ کا ایک جلیل القدر مستشرق (اورینٹلسٹ) گذرا ہی جس کو
مشرق کی تین مشہور زبانون، عربی، فارسی اور ترکی سے خاص طور پر دلچسپی تھی، یورپ مین بڑے بڑے اہم کام معمولی لوگون
کی شخصی توجہ سے انجام پاتے ہین، اور آگے چل کر عظیم الشان صورت اختیار کرلیتے ہین، الیاس ولکنس نے جب
۱۹۰۱ء مین انتقال کیا، تو اُسکی شفیق والدہ نے ایک معقول رقم اس کام کے لیے وقف کردی، کہ یورپ کے منتخب اور فاضل
مستشرقون کی ایک انجمن قائم کی جائے، جس کا مقصد مشرقی علوم والسنہ کے آثار کی حفاظت ہو، عربی، فارسی اور
ترکی کی اُن نایاب اور نادر کتابون کا سراغ لگائے، جنکا نام صفحۂ روزگار سے مٹ رہا ہی۔ اور تصحیح و تہذیب کے بعد
چھاپکر شائع کرے، غرض یہ تھی، کہ بیٹے کی یادگار مین ایک ایسی انجمن قائم ہو، جو اُس کے مذاق اور دلچسپی کے کام

ہمیشہ جاری رکھے چنانچہ اس انجمن کا نام بھی یادگار الیاس ولکنس رکھا گیا، اور ایک منتخب جماعت اس کام مین مشغول ہوگئی۔

اس انجمن کی کوششون سے اس وقت تک دو کتابین شائع ہو چکی ہین۔

(۱) تاریخ طبرستان۔

(۲) بابرنامہ۔

بابرنامہ سلطنت مغلیہ ہند کے موسس بابر شاہ کی سوانح عمری ہی جس کو خود بابر نے چغتائی ترکی بین روزنامچہ کے طرز پر مرتب کیا تھا، اس کتاب کا ترجمہ انگریزی زبان مین شائع ہو چکا ہی، لیکن اصل کتاب نایاب تھی، انجمن کو نے نہایت کوشش سے سر سالار جنگ مرحوم کے کتب خانے کا ایک نسخہ بہم پہونچایا جو نہایت خوشخط صحیح، اور قدیم ہی، اور اسکا نفیس عکس لیکر کتاب کو اصلی صورت اور وضع مین شائع کیا، یورپ کی مستشرق جماعت مشرقی علوم و آثار کی جو خدمت کر رہی ہی، اُس کا ایک ادنی پیمانہ پر نمونہ، اس کتاب کی اشاعت ہی۔

بابرنامہ (۷۹۲) صفحون کی ایک ضخیم کتاب ہی، چونکہ اصل کتاب مین جابجا مختلف تاریخی واقعات کا ذکر سیکڑون شہرون اور لوگون کے نام آئے ہین، اسلیے (۱۰۱) صفحون کی ایک مبسوط انڈکس طیار کر کے آخر مین لگا دی ہی، جس سے ہر نام اور ہر واقعہ کا فوراً پتہ لگ سکتا ہی۔

حقوق المرأۃ فی الاسلام۔ احمد بک آجایف ایک مشہور مسلمان روسی مصنف ہی، جس نے اس کے متعلق متعدد کتابین روسی زبان مین تصنیف کی ہین، حال مین اُسنے ایک نئی کتاب اس عنوان پر شائع کی کہ اسلام سے پہلے عرب اور عجم مین عورتون کی کیا حالت تھی؟ اور اسلام نے انکی اصلاح اور ترقی کی کہان تک کوشش کی؟ اور کیا کیا حقوق عطا کیے؟ مصر مین اس کا عربی ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہی، اور تقریباً بارہ آنہ قیمت ہی، دفتر الہلال مصر سے مل سکتا ہی۔

ابوالکلام آزاد دہلوی

دارالعلوم۔ لکھنو